فہرست کتب نصاب امتحان منشی فاضل ۱۹۳۶ء معہ کتب امدادی پنجاب یونیورسٹی لاہور

نام کتاب	رعایتی قیمت
پرچہ (۱) دبیر عجم	سے ۱ہ/
سمط الدرر (یعنی بی۔ اے۔ کورس)	
عربی جدید (حصہ نثر)	ع ۱۲ار
شعر العجم حصہ چہارم	عہ
" " پنجم	عہ
(۲) چہار مقالہ مع مقدمہ و حالات	
مصنف مطابق گب میموریل ایڈیشن	
اعلیٰ قسم مرتبہ خواجہ فیروز حسن۔ ایم اے	۸ر
انشائے ابوالفضل دفتر اول و سوم	
کاغذ سفید ڈیمی اعلیٰ	۱۲ر
حاجی بابا اصفہانی	سے ر
سیاحت نامہ ابراہیم بیگ جلد دویم	۱۲ر
وکلائے مرافعہ	۳ر
(۳) انتخاب قصائد از کلیات قاآنی	۱۲ار
غزلیات نظیری	عہ
میخانہ عبد النبی خاں (حصہ ساقی	
نامہائے مرتبہ اول)	صر
رباعیات باباطاہر مع ترجمہ و	
حالات از سید محمد عبد اللہ۔ ایم۔ اے	۴ر
رباعیات ابوسعید ابوالخیر معہ	
حالات و ترجمہ اردو از مولانا محمود الحسن	
ایم۔ اے۔ ایچ۔ پی۔ او۔ ٹی	۱ہ/ار
(۴) تاریخ وصاف شروع کتاب	
سے تا اختتام جلوس ارغون	

نام کتاب	رعایتی قیمت
(عربی عبارات و اشعار خارج)	۱ر
ہمایوں نامہ (معہ مقدمہ و ترجمہ	
اردو) از سید محمد عبد اللہ ایم اے	۱۰ر
نوٹ۔ اس پرچہ کے سوالات	
عبارتی و تاریخی دونوں طرز پر	
ہوں گے۔	
(۵) اخلاق جلالی (باب نغمہ	
خارج) مطبوعہ نولکشور اعلیٰ	عہ
گلشن راز از حضرت محمود شبستری	۱ہ/ر
منطق الطیر از حضرت شیخ فرید الدین	
مطبوعہ لاہور کاغذ گندہ	۸ر
منطق الطیر مطبوعہ نولکشور کاغذ	
ڈیمی سفید اعلیٰ مجلد	عہ
کشف المحجوب (تا اختتام احوال	
صوفیہ کرام) اعلیٰ خوشخط کاغذ	
سفید ڈیمی	ع
(۶) ترجمہ اردو سے فارسی میں	
اور جواب مضمون فارسی	

اختیاری مضمون اردو

نام کتاب	رعایتی قیمت
(۱) روح الاجتماع	ع
آوازات مہدی	سے
خیابستان	عہر
رویائے صادقہ	عہ

نام کتاب	رعایتی قیمت
(۲) دیوان حالی مع مقدمہ شعر و	
شاعری	عہ
دیوان غالب اردو معہ حاشیہ	
و فرہنگ	
بانگ درا۔ از ڈاکٹر سر اقبال	۸ر

کتب امدادی

نام کتاب	رعایتی قیمت
حدیقۂ ارم برائے حل دبیر عجم	۸ر
ترجمہ بی۔ اے۔ کورس عربی جدید	
حصہ نثر	عہ
خلاصہ شعر العجم حصہ چہارم اعلیٰ خوشخط	۱ہ/ر
" " پنجم سوالاً جواباً	۳ر
اردو ترجمہ چہار مقالہ از مولانا	
محمود الحسن صاحب۔ ایم۔ اے	
ایچ۔ پی۔ او۔ ٹی	۸ر
اردو ترجمہ ابوالفضل دفتر اول	
و سوم از نسیم امروہی فقیہہ فاضل و	
فاضل ادب الہ آباد یونیورسٹی	عہ
اردو ترجمہ وکلائے مرافعہ از	
از مولوی محمد رضا منشی فاضل	۱۲ر
اردو ترجمہ حاجی بابا	
فرہنگ حاجی بابا از پروفیسر شاداں صاحب	عہ
اردو ترجمہ سیاحت نامہ ابراہیم بیگ	
از پروفیسر باقی عباسی	عہ

گروہ - بکسر اول پیت +
لامپہ - لمپ فرانسیسی +
لم یزرع - بے زراعت +
لالہ زار - طہران میں سب سے عمدہ پارک ہے +
مباشرت بطبع - چھپنے کے قریب +
مغازہ - دوکان فرانسیسی ہے جسکی اصل عربی مخزن ہے +
ماکینہ - مشین - فرانسیسی +
ملون - رنگدار +
ماشین - ریل گاڑی ناصرالدین شاہ نے اپنے سفرنامہ میں کالسکہ بخار استعمال کیا مگر عام نہوا اب تمام ایران میں ماشین بولا جاتا ہے چونکہ فرنچ میں موٹر ورٹ کا تلفظ نادرت کہتے ہیں اسلئے ایرانیوں کو اُنکے الفاظ لینے میں تغیر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہمارے انگریزی داں سمجھتے ہیں کہ انگریزی سے مفرس کیا ہے کتابت کی دقت ہے ورنہ میں تمام الفاظ فرنچ کے اسی رسم الخط میں لکھ دیتا +
مشار بالبنان - انگشت نما +
مستوفی - اکونٹنٹ +
ملیار - ایک ارب +
ملیون - دس لاکھ +
مفتش خفی - خفیہ پولیس +
مشعشع - روشن +
مزیت - بزرگی +

مزہ - گزک +
مال - جانور گائے بھینس اونٹ وغیرہ +
ماہی کفال - مجھے کہیں نہ ملا - کوئی صاحب بتائیں +
مال طہران - طہران کا ... این کتاب مال کیست؟ یہ کتاب کس کی ہے +
مسمّا - مرغ مسلّم +
موزیک - بینڈ باجہ فرانسیسی +
مرمباد - مریم آباد +
ماؤزر - ایک قسم کی رائفل +
مہ - مئی کا مہینہ فرانسیسی +
مادموازل - میڈم فرانسیسی ma damoiselle
مغبون - سودا کرنے میں نقصان اٹھانے والا +
نرہ خر - گدھا +
ناز - سرد کی ایک قسم +
نمرہ - نمبر +
ویانہ - وائنا پائے تخت آسٹریا +
ہولاند - ہالینڈ +
ہورا - کلمہ انبساط فرانسیسی +
قوم وو زیث ژولی - Com vous jil gli
صحیح یوں ہے Comme vous etes joli
آپ کیسی خوبصورت ہیں +
سیل فو ویلی - Soul vous poli - صحیح یوں ہے S'il vous plais - اگر آپ پسند کریں +

باقی عباسی
سابق پروفیسر جسونت کالج
جودھپور

خطوب - جمع خطب - دشواریاں ٭
دعوت کردن - بلانا ٭
دکتور - ڈاکٹر - فرانسیسی تلفظ دکتور ہے
اور یہی آجکل مستعمل ہے ٭
دلیل - رہنما - گائیڈ ٭
دیپلومات - مدبر - فرانسیسی ٭
دبوس - گرز ٭
درجہ - تھرمامیٹر ٭
دفتر - کتاب ٭
دہا - زیرکی - دانائی ٭
روائح - جمع رائحہ - خوشبو ٭
ریختہ - ڈھلا ہوا ٭
رے - طہران کا قدیمی نام ٭
رود رواستی دارد - جبیتی ہے ٭
سالدات - سولجر - سپاہی ٭
سورت - غصہ ٭
سرتیپ - ایکہزار سپاہیوں کا افسر تیپ - پلٹن ترکی ہے ٭
سلطان - ایک ادنی درجہ کا فوجی افسر ٭
سرہنگ - میجر یا لفٹنٹ کرنل ٭
سمت - نقش - رسم ٭
سیر - بکسر اول - لہسن ٭
سُلّم - بضم اول و تشدید ثانی - سیڑھی ٭
شُدّہ - بضم اول و تشدید ثانی - عدد ٭
شقائق - جمع شقیقہ - گل لالہ ٭
ششلول - چھ فیر کا ٭
شیخ فضل اللہ نوری - طہران کا ایک بڑا مجتہد جسنے محمد علی
شاہ مخلوع کے ساتھ ملکر خوب وطن فروشیاں کی ہیں ٭

مشتشد آنگس - کامل طور سے ٭
صلوٰۃ - درود - طنزیہ استعمال کیا ہے ٭
صبیہ - بیٹی ٭
طراز - ایک شہر کا نام ٭
طرزن - دریا کا نام ٭
طفرہ - بہانہ ٭
عائلہ - لازم النفقہ ٭
غروش - ترکی سکہ ۲½ آنہ ٭
غصہ - رنج ٭
غزتہ - گزٹ - ڈاکدہ فرانسیسی ہے ٭
فقرہ - بات ٭
فابریک - کارخانہ ٭ فرانسیسی
قائد - لیڈر ٭
قرابۂ لآلی - موتیوں کا شیشہ ٭
قاز یا غاز - ایک ادنی سکہ = ۱۰ دینار ترکی ہے ٭
قناپہ - خیمہ فرانسیسی ٭
قاپان قاپالنست... سبھیج است - اس مثل کے معنی
معلوم نہو سکے جن صاحب کو معلوم ہوں وہ مطلع فرما کے ممنون کریں ٭
کاخ - محل ٭
کیاست - دانائی ٭
کرور - پانچ لاکھ ٭
کاکا - غلام ٭
کروپ - جرمنی کا مشہور توپ سازی کا کارخانہ ٭
کمیسیون - کمیشن فرانسیسی ٭
کافیان - باڈی گارڈ - محافظ دستہ ٭
گزنگبین - ایک دوا ہے ٭
گل سینہ - Bow ٭

جناب عالی برخوردم سلام دادم اتا
ملتفت لتشدید۔ صرف خوردن تکر
کہانے یا لگنے کے لئے استعمال کرتے
ہیں مثلاً گلہائے درختاں بر رویم می
خورد۔ ایک معنی اور ہیں مثلاً این تکمہ
بایں مادگی نمی خورد۔ یہ معنی اس کاج
میں نہیں آتا +
بلیت۔ بکسر اول و دوم ٹکٹ۔ فرانسیسی
بریلیاں۔ چمکدار۔ ہیرے کو بھی کہتے ہیں
فرانسیسی تلفظ ہے +
بست۔ پناہ کی جگہ۔ فرہنگ حاجی بابا
ملاحظہ ہو +
برکی۔ درویش +
بلشریک۔ بلجیم +
بزک۔ بکسر اول و فتح ثانی سنگھار +
براوو۔ شاباش۔ فرانسیسی لفظ ہے +
بون۔ اچھا۔ فرانسیسی ہے +
پاکت۔ لفافہ۔ فرانسیسی ہے +
پروتستان۔ پروٹسنٹ۔ عیسائی مذہب
کا ایک فرقہ ہے +
پوتول۔ رقیاساً) جوتا مجھے تحقیق نہیں +
پاکوبیدن۔ ناچنا۔ ٹہکا لگانا +
پشت۔ پوسٹ۔ ڈاک۔ فرانسیسی ہے +
پشت گردنی۔ دھول
پرت و پلا۔ منتشر +
پطرزبورغ۔ سینٹ پیٹرزبرگ روس
کا پرانا پائے تخت +

پاتریوط۔ محب وطن۔ متعصب۔
Patriote
پول کنک۔ کرنیل۔ روسی زبان کا
لفظ ہے۔ مگر پولکونک صحیح املا
ہے +
پرن۔ پروین +
تربت۔ خاک شفا +
تجرع۔ میخواری +
تمنا۔ شکریہ +
توپ۔ تھان +
تودہنی۔ طمانچہ +
توسری۔ تھپڑ +
تیاتور۔ تھیٹر۔ تیاتر +
تعلیمی۔ چھڑی +
جلال۔ جھول فروش +
جار۔ جھاڑ +
جلچاق۔ جھاڑ +
چراغ دیوار کوب۔ دیوار گیری +
چلو۔ گوشت کے بغیر گھی میں پکے ہوئے
چاول +
چرت زدن۔ اونگھنا +
چکیدہ۔ تجربہ کار +
چرکس۔ (وداس قاف) ملک سرکیشیا کا
مسلمان باشندہ +
حق القدم۔ فیس +
حقہ۔ ایک پیمانہ +
حدائق۔ جمع حدیقہ۔ باغ۔ کیاری +

صحیح معنی	مولانا صاحب
کس سے کہتے ہو؟	لِمَن تقولُ۔ تو کیوں کہتا ہے
کھیتبن کے آگے پیچھے ہٹنے کی آواز کو کہا ہے۔ حاجی بابا میں شیا شاپ موجود ہے	شاپ وشوپ۔ شان وشوکت
استغفراللہ! یہ فرنچ ہے Bonjour گڈ مارننگ۔ صبح کا سلام	بونژور مسیو monsieur موسیو

فرہنگ عباسی

آردالی۔ اردلی۔ انگریزی لفظ ہے

استکان۔ پیالی

اسکلہ۔ جہاز سے اُترنے کی جگہ۔ فرانسیسی ہے

ادارۂ بلدیہ۔ میونسپلٹی

اوقات تلخی۔ غصہ۔ اوقاتش تلخ شد۔ اُس کو غصہ ہو گیا

ارتباط۔ مقامی احکام

انارژیت۔ انارشست۔ انارکسٹ۔ باغی۔ فرانسیسی ہے

اجالتہ۔ ابھی اس وقت

اہل کوفہ۔ بیوفائی میں ضرب المثل ہیں۔ الکوفی لا یوفی

اکسپوزیسیون۔ نمائش۔ فرانسیسی

اُدفت۔ بیٹا۔ پسر زادہ روسی ہے

اسکناس۔ نوٹ۔ کاغذ زر۔ روسی ہے

اشکبوس۔ ارجاسپ۔ دیو اسپید۔

ایرانی پہلوانوں کے نام

استانبد۔ تمام شہر صحیح معلوم نہیں

آدیو۔ خدا حافظ۔ فرانسیسی ہے

ادغول۔ بچہ ترکی ہے

آبخورہ۔ حصہ بہرہ

آلمان۔ جرمنی Allemagne

اشتلم۔ سختی۔ برا بھلا۔ گالی

ازہار۔ جمع زہر۔ پھول

اشہب۔ سفید رنگ کا گھوڑا

آخراے کم گو کام کرم کوتا کجا خواہد کشید۔ یہ جملہ تمام نسخوں میں غلط چھپا ہے یوں بنا لینا چاہیئے۔ آخراے کم گو کام کرم تو تا کجا خواہد کشید

ازاعہ نمودن۔ شائع کرنا

ارائہ نمودن۔ دکھانا

برخوردن۔ ٹکر کھانا۔ آج کل راستے میں مل جانے کو کہتے ہیں۔ مثلاً در راہ با

مولانا صاحب	صحیح معنی
کشوری ۔ ولایتی +	رسول +
صرفہ بردن ۔ صرف کرنا +	فائدہ اٹھانا ۔ حافظ میگوید ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست ۔ نان حلال شیخ ز آب حرام ما +
میخک ۔ چھوٹی میخ +	لغوی معنی صحیح ہیں مگر اصطلاح میں مسالہ والی لونگ کو کہتے ہیں +
شارلاتاں ۔ بیہودہ لوگ +	چالاک ۔ عیار ۔ فرنچ ہے مگر انگریزی میں بھی استعمال ہوتا ہے +
خوردہ فروشی ۔ نشہ آور چیزیں بیچنا +	یہ لفظ تو اردو میں بھی مستعمل ہے بالمقابل تھوک فروشی +
مجاق ۔ تمغہ +	یہ لفظ چماق ہے ۔ مجاق کو کہیں دیکھا نہیں ۔ چماق = ڈنڈا +
شمع کچی ۔ مشعلچی +	چربی کی بتی ۔ (یہ کونسی لغت زیر مطالعہ ہے!!!)
قاپچی ۔ جواباز +	قاپوچی ۔ دربان +
متفرز ۔ فرار ہونے والا +	متفرز پڑھئے اور سیاق دیکھئے ۔ نقصان رسیدہ +
مغازہ ۔ نیلام +	کس ڈکشنری میں ؟ کس زبان میں +
قناپہ ۔ آرام کرنے کی میز یا بنچ +	کس ڈکشنری میں ؟ کس زبان میں ؟ دیکھئے آکسفورڈ کنسائز ڈکشنری ۔ Canape فرنچ ہے اور Canopy انگریزی بمعنی خیمہ ۔ سائبان شامیانہ
ورشو ۔ ورسلیز +	ورشو ۔ وارسا کو کہتے ہیں ۔ ورسلیز کو ورسائی +
شاہسون ۔ مانند شاہ +	دوستدار شاہ ترکی ہے +
سانسور ۔ ملامت + Censure	یہ censor ہے ۔ احتساب +
سکلا ۔ دیوانہ +	کسی لغت میں نہیں ۔ یہ ثکلی ہے ۔ وہ عورت جس کا بچہ مر گیا ہو +
جاشو ۔ عیاشی +	ملاح +
پاتریوط ۔ Patriotic	یہ ہجے غلط ہیں بلکہ Patriot ہے جس کا تلفظ پاتریوط ہے +
مسبوق ۔ سبقت یافتہ +	معلوم +

مولانا صاحب	صحیح معنی
مکروب - تکلیف مراد زخم +	جراثیم - خدا جانے کس لغت میں یہ معنی لکھے ہیں +
دوسیرو - کسی مصری سکہ کا نام +	اسکولیرو بنا لیجئے - ترکی میں پونڈ کو کہتے ہیں +
یلہ - پُل +	سیڑھی +
شمندفر - بڑا جہاز +	ریل گاڑی - فرنچ ہے - یہ لفظ تمام مصر میں مروج ہے +
فلما سمعت بمکرھن .... پس جس وقت سُنا اُس نے اُن کی تدبیر کو پیغام بھیجا اُن کی طرف اور تیار کیئے اُن کے لئے ترنج ..... +	قرآن پاک میں سورۂ یوسف دیکھیے اور آیت صحیح لکھ کر ترجمہ کیجیئے اس میں واعتدت لھن متکاءً رہ گیا ہے = مکر کے معنی طعنے کے ہیں اور ترنج کا تو اس میں ذکر نہیں - ہمارے ترجمہ کو دیکھیئے +
قاپان قاپالنست - چاپان چاپالنست = چکہ چیک است - سوخا سوخ است - شور وغوغا لڑائی - جھگڑا +	خدا جانے دونوں حضرات نے اس کے معنی کہاں سے لکھے ہیں - ماخذ بتائیں - ہمیں تو نہ معلوم ہو سکے - صرف قاپان کے معلوم ہیں - یک یعنی بڑی ترازو کو کہتے ہیں واللہ اعلم +
سوپ - گودا +	شوربا - یہ تو انگریزی لفظ ہے - ایس او یو پی +
عباو ساعتش - اسوقت جو لبادہ پہنے ہوئے تھا +	ساعت = گھڑی - اُس کی عبا اور گھڑی +
گرد - چرواہا +	یہ لفظ گردو ہے جس کے معنی اخروٹ ہیں +
بنگیاں - بھنگی لوگ +	بھنگڑی = بھنگ پینے والے +
مغازہ - اکھاڑہ +	ڈپو - دوکان +
کا اللوح المنزل - کتبے کی مانند +	لوح منزل - قرآن پاک +
قاتلیت - کوفتے (قیاساً) +	کٹلیٹ - پسندے - آپ کا قیاس غلط ہے +
فراش بلدیہ - داروغہ شہر +	فراش = چپراسی - بلدیہ = میونسپلٹی +
قولجوماتی - خوشامد +	بدمعاشی = مسٹنڈا پن - ہیکڑی +
لون یون - لون لون - انگریزی زبان کے لئے یہ لفظ استعمال کئے ہیں +	یہ فرنچ کے لئے استعمال کئے ہیں - جس میں یون اور رموں آتا ہے +
لائیتے - تھیلا +	لائیے = اندر - بیچ - از لائے پاکت = لفافہ میں سے - تھیلے کی بھی ایک رہی +
خرازی فروش - موزہ فروش +	بساطی +

منشی صاحب	صحیح معنی
مغائرتے ۔ گڑھے +	مغائرت ۔ غیریت +
مغاک ۔ ویرانے +	گڑھا +
گردن کلفت ۔ موٹی گردن والا +	لغوی معنی صحیح ہیں مگر محاورے میں بدمعاش کو کہتے ہیں +
تعلیمی میگیرند ۔ آداب بجالاتے ہیں ۔ ملاقات کرتے ہیں +	تعلیمی ۔ چھتری کو کہتے ہیں +
ماہوت ۔ چھینٹ +	بانات +
لباس نظامی ۔ مقرر کردہ وردی +	فوجی لباس +
ھکذا ۔ اگرچہ +	اسی طرح (اس کے بعد تو اگرا خود موجود ہے)
مسبوق ۔ سبقت لے جانا +	مسبوق شدن ۔ معلوم ہونا +
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی ۔ انسان سعی کے بغیر کچھ بھی نہیں +	انسان کو وہی ملتا ہے جس کی سعی کرتا ہے (لفظی ترجمہ نہیں ہے واسطے انسان کے مگر وہ چیز جسکی کوشش کرے)

مختصر یہ کہ ان غلطیوں کو درست کرنے کے لئے وقت اور گنجائش کی ضرورت ہے ۔ میں اگر تفصیل سے لکھوں تو مثنوی ہفتاد من کاغذ شود ۔ دیباچہ میں قلت وقت یا مصروفیت کا عذر پیش کرنا عذر لنگ ہے جو صاحب موصوف نے کیا ہے ۔ یہ محض بے پروائی اور لاعلمی کا نتیجہ ہے ورنہ لاہور میں ہر قسم کے وسائل موجود ہیں کوئی مشکل نہیں جو حل نہ ہو سکے اب میں دوسرے ایڈیشن کو اٹھاتا ہوں ۔

مولانا رشید احمد صاحب ایڈیشن

مولانا صاحب	صحیح معنی
سی کرور ۔ تیس کرور +	کرور ایران میں پانچ لاکھ کا ہوتا ہے یہ تو صرف ڈیڑھ سو کرور ہوئے +
خیابان بلوار ۔ بلورین تھیٹر ہال +	خیابان ۔ پارک ۔ بلوار ۔ فرنچ میں پارک کو کہتے ہیں یہاں اسم معرفہ معلوم ہوتا ہے بلور سے بلوار کس طرح ہو گیا +

منشی صاحب	صحیح معنی
مسئلت دارم ۔ مشورہ چاہتی ہوں	التماس کرتی ہوں ۔ دعا کرتی ہیں
یاوہ گویان ۔ قصہ خواں	بیہودہ بکنے والے
رومان ۔ انگریزی روماٹس کا مفرس ہے	فرانسیسی لفظ یہی ہے مفرس نہیں کیا گیا
غروش ۔ فارسی سکے	ترکی سکہ ہے ۲ ½ آنہ کے برابر
لمن تقول ۔ (صفحہ ۵۹) کس نے کہا ہے اور کیا کہا ہے؟	دو جگہ معنی لکھے ہیں مگر دونوں جگہ غلط ۔ ویہ معنی لکھ چکا ہوں
نظافت ۔ پاسبانی	صفائی
فالیز ۔ کھیت کھیت کے مزارع	خربوزوں کا کھیت ۔ کھیت کے مزارع کیا معنی؟
وائی ۔ داعی بھی لکھا جاتا ہے	داعی کے معنی بلانے والا ۔ وائی کے معنی ماموں
متواری گردیدند ۔ چھا گئے	چھپ گئے ۔ پوشیدہ ہو گئے
موسیو ۔ عالی جناب کے معنوں میں اطالوی لفظ ہے	فرانسیسی لفظ ہے بمعنی مسٹر monsieur
وجہ جریمہ ۔ جرمانہ کی وجہ	جرمانہ کی رقم
علی السویہ ۔ بلالحاظ	برابر ۔ مساویانہ
کبریت ۔ گندھک	آجکل دیا سلائی کو کہتے ہیں
چاپیدن ۔ گمراہ کرنا	لوٹنا ۔ غارت کرنا ۔ حاجی بابا میں پچاسیوں جگہ آیا ہے
مینجک ۔ ایک آلہ جو آگے سے بڑا ہوتا ہے	لونگ (آلہ کی تشریح خوب کی ہے)
موزیک ۔ علم موسیقی کا شیریں آلہ	دستہ موزیک ۔ بینڈ باجہ
خود تان را گم نکنید ۔ اپنی جان نہ لے لینا	حواس بجا رکھو
مشعوف شد ۔ حیران رہ گیا	مسرور ہوا ۔ خوش ہوا
اختلاط ۔ تعلقات رسمی خیر و عافیت	خیر و عافیت کے معنی کس لغت سے لکھے ہیں
الواط ۔ گمراہ	بدمعاش
امین الضرب ۔ افسر مال	داروغہ ٹکسال
انیق کردند ۔ لکھ دیا	تمہیدات انیق ۔ عمدہ تمہیدیں
محتکران ۔ جادوگر ۔ جوتشی	غلہ بھرنے والے
بسر زدہ گفتم ۔ سر جھکا کر کہا	سر پیٹ کر کہا (پہلے صحیح لکھا تھا پھر خود غلط کر دیا)
بھر ایران دفترے از نو نوشت ۔ ایران میں انقلاب پیدا کر دیا	ایران کے لئے ایک نئی کتاب لکھی

حسنی صاحب	صحیح معنی
اَیْنَ وَلَدِیْ ؟ اے میرے بیٹے +	میرا بیٹا کہاں ہے +
ماشین - جہاز +	تمام ایران میں ریل گاڑی کو کہتے ہیں۔ فارسی کی صدہا کتابوں میں موجود ہے۔ فرانسیسی کلمہ ہے +
لِمَنْ تَقُوْلُ - مجھے کچھ نہ کہو +	کس سے کہتے ہو؟ تقولُ صیغہ واحد مذکر حاضر +
بساقہا پیچیدہ - پریشان ہوکر +	پنڈلیوں سے لپٹ کر +
نہار - ناشتہ +	دوپہر کا کھانا +
کوتلک - کوڑے +	ڈنڈے +
لکہ - ٹکڑا حصہ +	داغ - دھبہ +
بُون مُون - گول باتیں۔ گنگناتے رہے +	دونوں فرانسیسی لفظ ہیں۔ بُون Bon = اچھا مُون Mon = میرا = مرادگٹ پٹ +
والا فلا - اللہ اللہ خیر وصلاح +	ورنہ نہیں +
حالی کردہ بودم - اطلاع دے دی تھی۔ باخبر ہوگیا تھا +	حالی کردن سمجھانا - فہمانیدن +
یواش یواش - رفتہ رفتہ +	آہستہ آہستہ - ترکی ہے +
ریزریزمی کردندے - اس کے بدن کا قیمہ کررہا ہے +	میکردندے ماضی تمنائی ہے نہ کہ حال +
کل - بہرا +	گنجا +
قولچوماقانہ - خوشامد پرستی کرنا +	مشٹنڈے پن سے - بدمعاشی سے یا جی یا دیکھیے +
شیادان - ولی صاحب کرامت +	مکار - شید = مکر +
بنگیاں - قلندر +	بھنگڑی - بھنگ پینے والے +
علناً - خودبخود +	ظاہرا - علانیہ +
مغازہ - اکھاڑہ +	ڈپو - دکان - فرانسیسی ہے +
کاللوح المنزل - مکان کی تختی پر - دیوار پر پیشانی پر تحریر کردہ +	لوح منزل = قرآن شریف - کاف تشبیہی ہے +
کابینہ - انگریزی کیبنٹ کا مفرس ہے +	فرانسیسی تلفظ یہی ہے انگریزی سے نہیں لیا +
مشایعت - مشورہ +	پہنچانا - ساتھ جانا +

ممکن ہے بعض اصحاب ابراہیم بیگ کی اس حالت کو تعصب بے جا پر محمول فرمائیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ شخص تجربہ کار خردمند ہوشیار تربیت یافتہ اور مہذب ہے۔ عشق وطن اُس پر غالب ہے۔ ایران کا نام سُن کر بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اپنے معشوق کی بُرائی سننا پسند نہیں کرتا بلکہ بیماری کی حالت میں ایران کا نام سُن کر "یا حق یا مدد" کہہ کر پکار اُٹھتا ہے۔ چنانچہ تیماردار جب کبھی اُسے کچھ کھلانا چاہتے ہیں تو ایران کا ذکر شروع کر دیتے ہیں اور وُہ شوق سے کھانا کھا جاتا ہے۔

سیاحت نامہ ابراہیم بیگ حصّہ دوم کی فرہنگیں

اس وقت تک حصہ دوم کی دو فرہنگیں چھپ کر بازار میں آچکی ہیں۔ ایک تو جناب منشی بیدار بخت صاحب ایم اے منشی فاضل نے متن کے ساتھ شائع کی ہے دوسری جناب مولانا رشید احمد صاحب بی اے منشی فاضل نے علیحدہ لکھی ہے مگر مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دونوں حضرات نے بڑی بے پروائی سے کام کیا ہے اور کسی لغت کے تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ باوجودیکہ ان دونوں صاحبان موصوف منشی فاضل کے کلاس کو درس دیتے ہیں مگر بہت سے الفاظ کے معنی جو روزانہ نصاب کی کتابوں میں آتے ہیں غلط تحریر فرمائے ہیں اور عربی کے جُملوں پر جو چھُری چلائی ہے اُس کا تو کچھ ٹھکانا نہیں۔ میں طول کے خوف سے دونوں ایڈیشنوں کی تھوڑی تھوڑی غلطیاں علیحدہ علیحدہ بتائے دیتا ہوں تاکہ طُلبا دھوکا نہ کھائیں اور اپنے ترجمہ کے ساتھ ایک مختصر فہرست اُن الفاظ کی دیتا ہوں جو طلبا کو آسانی سے نہیں مل سکتے۔ جو الفاظ عام لغتوں میں ملتے ہیں اور ترجمہ میں آ گئے ہیں۔ اُن کی تشریح کی ضرورت نہیں

منشی بیدار بخت ایڈیشن

آقا صاحب	صحیح معنی
حلیل۔ ہمسایہ۔ ہم خانہ بمعنی شوہر بھی استعمال ہوا ہے یہاں ہمسایہ ہی مُراد ہے +	کتاب میں حلیلہ ہے اُس کو حلیل بنا لیا۔ حلیلہ۔ بیوی +
دوکتور۔ ڈاکٹر کی فارسی بنائی گئی ہے +	فرانسیسی زبان میں یہی تلفظ ہے +
مکروب۔ تکلیف۔ رنج۔ زخم +	جراثیم۔ انگریزی ڈکشنری دیکھیئے +
لیرہ۔ سکہ مصری +	ترکی زبان میں پونڈ کو کہتے ہیں +
پلہ۔ پُل۔ عبور کرنے کی جگہ +	سیڑھی کو کہتے ہیں +

اول ۔ میرے بعد خدا کے ماتحت تم اپنی ماں کے محافظ ہو۔
دوم ۔ میرزا یوسف تمہارے استاد ہیں مدت سے ہمارے پاس مقیم ہیں نہایت نیک اور سمجھدار آدمی ہیں تم ان کو اپنا مربی جانو۔
سوم ۔ قومی اخلاق و عادات کو کبھی نہ چھوڑو۔ بعض نالائق ایران والوں کو برا کہتے ہیں وہ بالکل جھوٹ بولتے ہیں اگر بالفرض وہ سچے بھی ہوں تب بھی تم اُن کے ہم زبان نہ ہو۔
چہارم ۔ پاک فطرت دوست کے علاوہ ہر شخص سے اپنا راز پوشیدہ رکھو۔
پنجم ۔ خوشامدیوں سے ہمیشہ بچتے رہو۔
ششم ۔ تم کسی کے پاس نہ جاؤ۔ ضرورتمند لوگ خود تمہارے پاس آئیں گے۔ نماز اور فرائض کو کبھی ترک نہ کرو۔ سخاوت کی حد کو نگاہ رکھو۔
ہفتم ۔ اگر کوئی شخص تمہیں ایسی بات کہے جس کا تمہیں یقین نہ ہو تو اس سے جھگڑا نہ کرو۔
ہشتم ۔ میرے بعد چھ سال تک تجارت میں مشغول نہ ہونا بلکہ سیاحت کے لئے جہاں تمہارا جی چاہے جانا۔ روپیہ تمہارے پاس کافی ہوگا۔
نہم ۔ جس ملک میں جاؤ وہاں کے لوگوں کے اخلاق۔ مال کی درآمد و برآمد۔ ملک کی سالانہ آمدنی کا پتہ لگاؤ اگر تمہارے استاد میرزا یوسف اُس وقت تک زندہ ہوں تو اُن کو ہمراہ لے جاؤ جس شہر میں پہنچو وہاں کے روزانہ مشاہدات تاریخ وار نوٹ کرتے جاؤ۔
دہم ۔ باقی چیزوں کے لئے شرعی وصیتوں کے مطابق جو میں نے وصیت نامہ میں لکھ دی ہیں عمل کرو۔

ابراہیم بیگ باپ سے بھی بڑھ چڑھ کر متعصب نکلا۔ اگرچہ حسن اخلاق۔ راستگوئی اور پاکدامنی میں شہرۂ آفاق ہوگیا تاہم اس کے ظریف ہموطن اسے بیاطور پر ستاتے تھے۔ جب کبھی اُسے بھڑکانا چاہتے تو ایران کی بدانتظامی کا ذکر چھیڑ دیتے بیچارہ ان باتوں کو سن سن کر سخت بگڑتا اور کسی کو بے دین اور کسی کو بے غیرت بتاتا بعض اوقات گالی گلوچ اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ برعکس اس کے جب کبھی اس سے کچھ کھانا پینا چاہتے تو اس کو دور سے آتا دیکھ کر ایران کی تعریفیں شروع کر دیتے اور اس طرح اُسے خوش کرکے اُس سے ضیافت اُڑاتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ایران کی خوبیوں میں ایک جعلی خط بنا کر اس سے خوب پیسے وصول کئے۔ چونکہ سکندر نے ایران کو تباہ کیا اور استخر میں آگ لگا دی اور دارا کو قتل کیا تھا اس لئے ابراہیم بیگ کبھی سکندر کا نام منہ سے نہ نکالتا تھا اگر اس کو نام لینا پڑتا تو بندر بوصر کہتا چنانچہ جب انگریز ڈاکٹر میرزا یوسف سے کہتا ہے کہ ابراہیم بیگ کو تبدیل آب و ہوا کے لئے اسکندریہ لے جاؤ تو میرزا یوسف اسے ابراہیم بیگ کے سامنے اسکندریہ کا نام لینے سے منع کرتا ہے۔

کی بہت کم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اس سے زیادہ دلچسپ اور مفید کتاب نہ ایران میں لکھی گئی اور نہ آیندہ ایک عرصہ دراز تک لکھی جائے گی۔ جو شخص حاجی بابا اصفہانی اور دیوان نسیم شمال کا اچھی طرح مطالعہ کر لے وہ جدید ادب فارسی پر ایک حد تک عبور حاصل کر سکتا ہے۔ طول کے خوف سے میں ان جھگڑوں کو یہاں چھوڑتا ہوں اور صرف اتنا کہتا ہوں کہ یہ تینوں بزرگ یعنی آقا مویدالاسلام۔ حاجی شیخ احمد کرمانی اور حاجی زین العابدین بڑی قابل قدر ہستیاں ہیں جنہوں نے ایران کی اصلاح کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں جس کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایران اُن تمام نقائص سے جن کے لئے یہ بزرگ ہمیشہ مرثیہ پڑھتے رہے پاک وصاف ہو گیا ہے۔ حاجی زین العابدین کوئی بڑے مدبر یا پالٹیشن نہیں معلوم ہوتے مگر بڑے باخبر اور دور اندیش آدمی ہیں جو ایران میں بیٹھے ہوئے جاپان کی ترقی کا صحیح اندازہ لگا رہے ہیں۔ جاپان نے اس پچاس برس میں جو ترقی کی ہے اُس کو بھی حاجی موصوف نے مستقبل کے آئینہ میں اچھی طرح دیکھ لیا تھا چنانچہ آج دُنیا کی کوئی طاقت جاپان سے تصادم کے لئے تیار نہیں اور ہر ایک بے چین ہے کہ کسی طرح اُس کی سُرعت رفتار کو روکے۔

سیاحت نامہ میں جو قصیدے حبل المتین سے نقل کئے گئے ہیں قومی شاعری کا اچھا نمونہ ہیں خصوصاً پندنامہ جو شیخ سعدی کی بوستان سے وصل کیا گیا ہے بڑا لاجواب ہے اُس کی سلاست وروانی وبندش کی چستی کسی طرح بوستان سے کم نہیں مگر ابراہیم بیگ کا مرثیہ جو مصنف نے خود لکھا ہے نہایت کمزور اور پھُس پھُسا ہے۔

ابراہیم بیگ اور اُس کا کیرکٹر

یہ شخص آذربائیجان کے ایک سوداگر کا بیٹا ہے۔ اس کا باپ چھوٹی عمر میں بارادۂ تجارت مصر چلا آیا۔ دیانت داری کی وجہ سے بہت جلد امیر کبیر بن گیا لیکن اس کے ایرانی اطوار میں ذرہ بھر فرق نہ آیا قومی تعصب اس قدر تھا کہ مدت تک مصر میں رہنے کے باوجود کبھی عربی کا ایک لفظ بھی اس کے مُنہ سے نہ نکلا وجود اس کا مصر میں تھا لیکن رُوح ایران میں رہا کرتی تھی اپنے لڑکے کے اُستاد میرزا یوسف سے ہمیشہ ایرانیوں کے کارنامے سُنا کرتا تھا تاریخ نادری کے پڑھنے کا ایسا شوق تھا کہ پڑھتے پڑھتے تمام کتاب اُس کو یاد ہو گئی تھی اگر کوئی شخص اُس کے سامنے ایران کی بُرائی بیان کرتا تو وہ اس کو بے دین اور بے غیرت سمجھ کر عمر بھر اس سے بات نہ کرتا اُس کی وفات پر اُس کا فرزند ابراہیم بیگ اُس کا جانشین ہوا۔ باپ نے اُسے مرتے وقت یوں وصیت کی:۔ اے فرزند میں نے اپنا حق پدری ادا کر دیا۔ تمہاری مادری زبان کے علاوہ دیگر ضروری زبانیں بھی سکھادی گئیں۔ تمہاری خوش اخلاقی ایمانداری اور پاکدامنی میں کلام نہیں۔ چند باتیں تمہیں سمجھانا ضروری سمجھتا ہوں۔

سنہ ۱۹۰۷ء و سنہ ۱۹۰۹ء میں حضرت مویدالاسلام کی ضروری تصحیح کے ساتھ حبل المتین پریس میں چھپکر شائع ہوئیں۔

یہ کتاب اگرچہ ایک فرضی نام سے بطور افسانہ لکھی گئی ہے تاہم اس کے بیانات صحت اور حقیقت پر مبنی ہیں اور اس زمانے کی ملکی حالت کا جو نقشہ اس میں کھینچا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ یہ کتاب چونکہ سیاست کے متعلق لکھی گئی ہے اس لئے کہیں کہیں خشک معلوم ہوتی ہے۔ اس خشکی کو دُور کرنے کے لئے مصنف نے ابراہیم بیگ کو وطن کا اور محبوبہ خانم کو ابراہیم بیگ کا عاشق بنایا ہے۔ اگرچہ مصنف نے فسانہ نویسی کا حق ادا کر دیا ہے مگر دو ایک جگہ بے تکی سی باتیں کہہ گئے ہیں۔ کہیں تو محبوبہ خانم کو بڑی عالمہ فاضلہ بنا رہے ہیں اور کہیں حجام اور حجامت سے اُس کو خوفزدہ دکھا رہے ہیں۔ کہیں تو یوسف عمو بڑے دانا فہیم اور تجربہ کار شخص ہیں اور کہیں بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں جو ایک اتالیق اور سنجیدہ معلم کی شان سے بعید ہیں۔ دوسرے ابراہیم بیگ کا ایک عرصۂ دراز تک بے خورد و خواب سکتہ کے عالم میں پڑا رہنا بھی خلاف عادت ہے۔

سیاحت نامہ کی شہرت اور اہمیت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ ملک و قوم کی بدحالی و بدنظمی کا مرثیہ ہے اور اس کے مصنف نے ایرانیوں کے مُردہ احساسات کو زندہ کرنے اور قوم کے دل میں ترقی اور اصلاح [illegible] کا جذبہ پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی اور کامیاب ہوا ورنہ ادبی حیثیت سے یہ کتاب کچھ وقعت نہیں رکھتی کیونکہ مصنف شمالی علاقہ کا رہنے والا ہے جہاں کی زبان طہرانی زبان سے بالکل مختلف ہے اور مصنف کی عمر کا زیادہ حصہ روسی علاقوں میں یا قسطنطنیہ میں گذرا ہے مگر جو نقائص فارسی طرز تحریر میں بتائے ہیں وہ بالکل صحیح اور درست ہیں یورپ کے سلیس اور سادہ طرز تحریر میں جو خوبیاں ہیں اُن کو حاجی موصوف نے بہت اچھے پیرایہ میں ادا کیا ہے اور بار بار پرانے فرسودہ اور مغلق انداز کو ترک کرنے کی تاکید کرتے ہیں مگر خود بھی مرادف اور لازم و ملزوم الفاظ سے نہیں بچ سکتے خصوصاً وہ خط جو رفیقہ اور محبوبہ خانم نے لکھے ہیں ان بے اعتدالیوں سے بھرے پڑے ہیں لیکن وہ عبارت (شہباز بلند پرواز طبع ...) اور خط کا پتہ جو خرازی فروش کے نام لکھا ہے قدیم طرز کا بہترین نمونہ اور حاجی موصوف کی زندہ دلی اور جدت طبع کی دلیل ہے۔ کتاب میں چند جملوں کی ترکیب بڑی بے ڈھنگی ہے۔ بہت سے الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جو صرف تبریز اور شمالی علاقے میں بولے جاتے ہیں حاجی بابا اصفہانی سے سیاحت نامہ کا موازنہ کرنا جدید فارسی ادب سے ناعلمی کا باعث ہے ورنہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے البتہ دونوں کا موضوع ایک ہی ہے یعنی حکومت ایران اور ایرانی تمدن و معاشرت کی اصلاح کرنا۔ حاجی بابا کے مصنف نے ایرانی زندگی کے ہر شعبہ کو اس باریک بینی سے لیا ہے کہ جزئی امور تک کو نہیں چھوڑتے اور ہر طبقہ کی ذہنیت اور نفسیات کو ایک فلاسفر کی طرح مطالعہ کرتے چلے جاتے ہیں اول سے آخر تک نہایت دلچسپ اور پُرلطف فسانہ ہے جس کے مقابلہ میں یورپ

مصنّف سیاحتنامہ کے حالاتِ زندگی

حاجی زین العابدین مراغی ساوجبلاغ کے خوانین اکراد میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی باپ دادا عرصہ دراز سے مراغہ میں تجارت کرتے تھے اور یہ خاندان تمام اہل مراغہ کی نسبت متموّل خیال کیا جاتا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں زین العابدین اسکول بھیجے گئے اور سولہ سال کی عُمر میں تجارت کا کام کرنے لگے۔ بیس برس کی عُمر میں ان کو اردبیل بھیجا گیا۔ وہاں تجارت میں مشغول ہوئے اور امیرانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ تجارت میں نقصان ہوا اور باپ کے مرنے کے بعد اپنے بھائی کے پاس قفقاز پہنچے اور شہر کتابس میں قیام کیا اور یہاں اعلیٰ پیمانہ پر تجارت شروع کی چند سال کے بعد بدقسمتی سے خسارہ ہوا لہٰذا وہاں سے نکل کر کریمیا پہنچے۔ کبھی کبھی قسطنطنیہ جا کر مال لے آتے اور پھیری میں بیچ لیتے۔ جب اس وسیلہ سے کچھ رقم جمع ہو گئی تو یالتا جا کر ایک دُکان کھولی اور صداقت و راستی میں مشہور ہوئے۔ کام میں ترقی ہونے لگی حتیٰ کہ شاہی خاندان کے لوگ اور ارا کین سلطنت بھی ان کے مستقل خریدار ہو گئے۔ یالتا میں رُوس کی رعیت بنے اور خوب گذرنے لگی کچھ عرصہ کے بعد قسطنطنیہ آ کر شادی کی اور بیوی کو لے کر یالتا واپس پہنچے۔ پندرہ سال تجارت میں مشغول رہ کر یالتا کو بھی چھوڑ دیا اور قسطنطنیہ آ گئے۔ یہاں سے بیت اللہ کی زیارت کو چلے گئے واپسی بڑی کوشش سے ۱۹۰۴ء میں رُوس کی اطاعت چھوڑ کر ایرانی رعایا میں داخل ہوئے ۱۹۱۰ء میں بہتر برس کی عُمر پا کر عالم فانی سے عالم باقی کو چلے گئے۔ حاجی صاحب گو کچھ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ تھے اور فارسی لکھنے میں چنداں مہارت نہ تھی تاہم اُن کے خیالات بہت بُلند پاکیزہ اور پسندیدہ تھے حُبّ وطن کا جذبہ تو کُوٹ کُوٹ کر بھرا تھا۔ ہمیشہ اہل کمال کی صحبت کو پسند کرتے اور اُن سے خط و کتابت کو غنیمت خیال کرتے تھے۔ اس کتاب کا مسوّدہ انہوں نے ۱۸۸۷ء میں آقا مؤید الاسلام جلال الدین الحسنی مدیر روزنامہ حبل المتین کلکتہ کو بغرض اصلاح بھیجا۔

سیاحت نامہ پر ایک تنقیدی نظر

پہلی دفعہ یہ کتاب ۱۸۸۸ء آقا مؤید الاسلام کی اصلاح سے قسطنطنیہ کے مطبع اختر میں چھپی۔ یہ کتاب چونکہ حُبّ الوطنی کے جذبہ سے معمور تھی اہل وطن نے اس کی بڑی قدر کی اور گورنمنٹ کی ممانعت کے باوجود پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ ۱۸۹۰ء میں مطبع حبل المتین نے اسے دوبارہ چھاپا دونوں ایڈیشنوں میں سیاسی مصلحت کی بنا پر سنہ اور محل طبع کا اعلان نہ کیا گیا۔ ۱۹۰۰ء میں مطبع مظفری بمبئی میں خیالی تصویروں کے ساتھ لیتھو میں چھپی۔ اس کی دوسری اور تیسری جلد ۱۹۰۹ء میں ترتیب

ہیں کسی وزیر و صدر و حاکم کو ملامت نہیں کرسکتے جس سلطنت میں قانون نہ ہو جو سلطنت خود مختار ہو جو شخص بھی برسرکار رہے گا اس کے سوا نہیں کرسکتا جو دوسروں نے کیا ہے۔ اگر تواریخ سے رجوع کیا جائے تو بہت سی مثالیں ملیں گی چنانچہ ایک صدر اعظم کی کل جائداد کے برابر آل برمک نے ایک شاعر کو ایک پاتی عرب غیر مستحق کو بخش دیا ہے۔ اس لئے ہم اپنے وزیروں کو ملامت نہیں کرتے ہیں۔ تمام خانہ خرابیاں عدم قانون سے اور ثمرہ استبداد ہیں پس جتنا کہ حاکم و محکوم کے فرائض معین نہیں ہو جو شخص بھی ہوگا آمدنی کی فکر میں ہوگا۔ تیسری جلد میں گذشتہ خود مختار سلطنت کے وزرا کے افعال وکردار کا تھوڑا سا ذکر کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان فسادوں نے خواہ فرنگستان میں خواہ ایران میں خواہ مشرق میں خواہ مغرب میں کیا کیا کیا ہے تاکہ اس ناپسندیدہ وضع کو ایران سے مخصوص نہ سمجھیں جس قدر قانون مساوات نہ ہوگا سوائے جلنے بھننے کے کوئی علاج نہیں ہے اور ان تحریروں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا والسلام۔ رمضان ۱۳۲۳ھ

عرض مخصوص بر قارئین کرام آنکہ اگر در فہمیدن مطالب این کتاب یا در تحقیق لغات در ہیچ جای دشواری پیدا شود یا ازیں بندۂ ناچیز جلئے سہوے یا اشتباہے واقع شدہ باشد مکرمت فرمودہ یک عدد کارت پوستال نوشتہ کردہ ارسال بدارند و از بندہ استفسار نمایند انشاءاللہ تعالے حسب دلخواہ ایشان جواب کافی و شافی بزودی نوشتہ خواہد شد زیراکہ در عرصۂ پانزدہ سال گذشتہ چند صد از کتابہائے فارسی جدید از قبیل رومان و تیاترو سیاسیات و دیوان وغیرہ کہ در ایران چاپ گردیدہ مطالعہ نمودہ ام و بتوسط دوست عزیز خود کہ ذکر مبارکش بعنوان کتاب رفتہ ہمہ دقائق را حل کردہ و ہم بسیارے از کتابہائے رومان کہ از تصانیف ادبائے مغرب زمین مثل پروفیسر شیلر آلمانی، الکساندر دومای فرانسوی، شرلوک ہمس انگلیسی وغیرہ میباشد از زبان جدید پارسی بہ اردو ترجمہ نمودہ ام چنانچہ در چاپخانہ ہائے مختلف شہر لکھنؤ چاپ گردیدہ و بنا براینکہ خواہش قلبی دارم کہ زبان حالیۂ ایران در ہر گوشہ و کنار ہندوستان رواجے بیابد بدیں واسطہ برائے ہر گونہ خدمتے و فرمائشاتے کہ راجع بہ ایں زبان شیریں باشد ہموارہ آمادہ و حاضرم۔ آدرس بندہ اینست

باقی عباسی۔ افضل منزل
کوچۂ سادات۔ ۵۸ میکلوڈ روڈ
لاہور

غیرت نہیں آئی کہ کم سے کم دو پتھر ملے اوپر رکھ کر قوم کی آنکھوں کے سامنے اپنی ایک مختصر یادگار قائم کر دیں اور بجائے اس کے کہ قوم کے مطبوعات و معارف کی خدمت کرتے دوسروں کے بھی مانع ہوئے اور کسی میں جرأت باقی نہ چھوڑی کہ مطبوعات و معارف کا نام بھی لے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ خوش غیرت قوم اس قسم کے لوگوں کا جنازہ اٹھاتے وقت کس حالت میں حاضر ہوں گے سر پیٹتے ہوئے کہ ان نامردوں نے ہم کو خاک میں ملا دیا یا پاؤں مارتے ہوئے کہ خدا کا شکر ان کا شر ہیئت اجتماعیہ سے دفع ہو گیا ؎ کیا تجھے یاد ہے کہ تیرے پیدا ہونے کے وقت سب ہنستے تھے اور تو روتا تھا اس طرح بسر کر کہ تیرے جانے کے وقت سب روتے ہوں اور تو ہنستا ہو۔

مسلم ہے کہ ملت غیور ایران اس شعر کے مضمون کے خلاف تمہارا جنازہ اٹھائے گی اور سب خوش و خرم ہوں گے۔ افسوس تمہارے حال پر کہ تم روتے ہوئے جاؤ گے۔ مسلم ہے کہ خسرو عادل الشن طبیعت اور وضع مذموم اور خرابی ایران کی اصلاح کرے گا اس وقت تنبیہ کے وقت ہیئت اجتماعیہ کا ذکر ہوگا اور جان جائے گا کہ یہ گروہ کس درجہ مرد ان ظالم بے انصاف بے مروت ہے اور کس قدر ان کی عدم محبت نے وطن مقدس کو صدمہ پہنچایا۔ جس زمانہ میں نور علم نے دنیا کو منور کر دیا تھا ایرانیوں کو ظلمتکدہ میں ڈال دیا تھا۔ دوسری قوموں نے ہر سو گھر کے لئے ایک مکتب بنائی ہے ہم ایک لاکھ گھر میں بھی ایک منتظم مکتب نہیں رکھتے۔ اگر سب کو گنیں تو ہر پانسو آدمی کے لئے ایک اخبار موجود ہے ہم دو کرور نفوس میں ایک صحیح آزاد اخبار جس سے استفادہ کر سکیں نہیں رکھتے ہیں۔ آج کرۂ زمین پر تمام مخلوق سو کوس راستہ کو بارہ گھنٹے میں طے کرتی ہے اور ہم اگر برف و بارش سے دوچار نہ ہوں تو ایک ماہ میں طے کرتے ہیں۔ ہماری تمام سلطنت میں جس کی وسعت فرانس سے تین گنی ہے ایک کارخانہ کی چمنی جس کا کالا دھواں ہماری آنکھوں کی روشنی کا سبب ہو نہیں دکھائی دیتی جس پر ہم تھوڑا سا فخر کر سکیں ع میرے حال پر افسوس ہے اگر کام یونہی گذرتے رہے۔

خدا کا شکر اور احسان ہے۔ کہ اس نامہ نامی کی دوسری جلد بھی انجام کو پہنچی۔ امید کرتے ہیں کہ ہموطناں محترم مؤلف کی لغزش قلم اور خطائے فکر سے چشم پوشی کر کے اس کے عیوب پر قلم عفو کھینچ دیں گے اس لئے کہ سوائے حب وطن کے نہ کسی سے اظہار محبت کیا ہے اور سوائے دشمن وطن کے نہ کسی سے دل میں بغض ہے۔ اگر پرستش کی ہے تو وطن کی اور اگر اظہار بندگی کیا ہے تو بعد خدا اور رسول کے اپنے حکمران بادشاہ معظم سے کیا ہے اور اگر بعض لوگوں کی برائی کی ہے تو اس میں ذاتی غرض نہیں ہے اور حقیقت بیان کی ہے باوجودیکہ بندہ کے عقیدہ

کے مرکز سلطنت عظمیٰ میں آنے تک دندان عراقی لوٹ کرے گئے جس طرح، ترک خوان یغما کو، اور خاندان قاجار
کے اکیسو سات کے خزانہ میں ایک سو سات اشرفیاں فتح علی شاہی یا محمد شاہی یا ناصرالدین شاہی بھی نہ
چھوڑیں علاوہ اس کے ایک رقم قرض لی ہر چند ہم ماجرے کی کیفیت سے خبردار نہیں ہیں اور قیاس و
گمان سے گفتگو کر رہے ہیں اور قطعی حکم نہیں لگا سکتے کہ خزانہ میں کچھ موجود تھا یا نہیں۔ مگر رُوس سے صلح
کرنے کے بعد فتح علی شاہ مغفور نے جو فرمان نائب السلطنۃ مرحوم کو جنت مکان قائم مقام کے خط
میں صادر فرمایا تھا ولی عہد سے خطاب کر کے فرماتے ہیں۔ اگر اس فرزند کو خزانہ علاوہ کے سالانہ آمدنی
کی بیشی کا خیال ہے کہ آٹھ کرور نقد خزانہ موجود تھا تو مصارف لشکرکشی کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔
اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ خاقان شہید کے زمانہ میں بھی ہر سال ایک رقم خزانہ میں داخل ہوتی
تھی کم و زیادہ سے بحث نہیں مگر خاقان شہید کی کنجوسی سے کیونکہ خرد نکتہ سنج باور کر سکتی ہے کہ خزانہ
میں کچھ نہ تھا اور دوسری جانب امین السلطان اور اس کے متعلقین میں سے بھائی اور بھتیجا اور بھانجا
اور چچا کا بیٹا اور صدارت پناہ کے لوگ اور حاجی عموان کی چوریوں کا شریک یعنی حاجی محمد حسن امین الضرب
اصفہانی جن کو نام و نشان سے تم پہچانتے ہو اور اُن کے مال کو ایک حد تک جانتے ہو کہ ہر ایک نقد
و جنس اور املاک و جواہرات کی قسم سے لاکھوں کا مالک ہے جو ایک خزانہ کی نقدی سے زیادہ اور
سب نظر میں ہے یہ بڑی رقم تیس سال بعد بھی باوجود اُن تمام بے معنی مصارف اور اسرافہائے
لاطائل کے ابھی تک موجود ہے مگر سلطنت کے خزانہ میں نہ ہو۔ ہر عقلمند کی عقل اس معمے کے حل کرنے
میں متحیر ہے ؎ بھوکا ملحد ہو اور خالی گھر اور طعام ہو تو عقل باور نہیں کرتی کہ رمضان کا خیال کریگا۔
مناسب ہے کہ اس غیر مناسب مثل کو عبرت کی غرض سے ہیئت اجتماعیہ کے کانوں میں پہنچائیں مشہور
ہے کہ قمار باز ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور جوئے میں مشغول ہوتے ہیں۔ دو تین دن بعد یعنی آخر میں
سب کی جمع پونجی نال والے کوزہ کی تھیلی میں گرو ہو جاتی ہے علاوہ اس کے اُن کی آرائشیں بھی
انگوٹھی اور گھڑی وغیرہ کی قسم سے جوئے میں چلی جاتی ہیں بالآخر صبح کو خواب آلود آنکھیں اور پژمردہ
رنگ کے ساتھ بڑی سستی سے قمار خانہ سے نکلتے ہیں ہماری دولت و ہیئت اجتماعیہ کی مانند کہ ہم
نے سب چیزوں کو ہار دیا ہے اور یہ کوزہ دار سب لے گئے مگر قمار خانہ کا ایک اچھا دستور ہے کہ جو
شخص جیتتا ہے کم و بیش اس کو جو ہارتا ہے بخش دیتا ہے اور خدام کو مانند نوکر۔ دربان حقہ والا
چائے فروش کو انعام دیتا ہے۔ اس گروہ کج اندیش کے انصاف اور اُن کے وجدان نے اس تمام
لوٹ کھسوٹ میں اس پر راغب نہ کیا کہ رحم کر کے قوم کے یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لئے دو تین مکتب
غربا اور مساکین کے لئے دو شفاخانہ بنوا دیں یا دریا ایک دشوار گذار راستہ کو ہموار کر دیں یا ایک دریا پر مضبوط
پل بنوا دیں۔ مسجد اور مدرسہ حاجی میرزا محمد حسین خان سپہ سالار مرحوم خلد آشیان کی مانند بنوا دیں۔ اتنی

ادیب ہے قابل مرد ہے بلند پایہ اور شاعر ہے پُر مایہ۔ لائی خور نے کہا اگر بلند پایہ شخص ہوتا تو کبھی ایسے شغل میں مصروف نہ ہوتا جو اس کے کام نہ آئے گا قیامت کے دن اگر اس سے باز پُرس کی گئی کہ دُنیا میں آخرت کے لئے تو نے کیا جمع کیا تو جواب دے گا کہ محض لاف وگزاف اور جھوٹ سے بادشاہ ابراہیم کی تعریف کرکے ذخیرہ جمع کیا ہے۔ ابھی تک غافل ہے کہ اس کو کاہے کے لئے پیدا کیا ہے جب میں نے یہ بلند باتیں اور خردپسند اور دانشمندانہ نصیحتیں لائی خورد دیوانہ سے سنیں تو بدن کانپنے لگا اور بدن کے بال کپڑوں سے باہر نکل آتے ہیں متنبہ ہوا کہ تمام عمر میں نے بیہودہ میں ضائع کی غفلت کے نشہ سے ہوش میں آیا بیہودہ گوئی کو چھوڑ کر بندوں کی مداحی سے خداوند تعالےٰ کی پرستش میں مشغول ہوگیا اور اس کے بعد اپنی ہدایت کے لئے کہا ؎

(۱) جو شخص گدھ کی طرح سے مردار پر سر جھکاتا ہے وہ طوطی کی مانند کب شکر کا لقمہ لے سکتا ہے۔
(۲) ہمت کا جھنڈا آسمان کے پایہ سے بلند کرنا چاہیئے پھر آسمان کو پر کے سایہ کے نیچے رکھ سکتے ہیں۔
(۳) جب کہ عیسےٰ مریم کا دل تیری قید میں ہے پھر ہر گدھے کی قید میں دل رکھنا کب جائز ہے۔
(۴) یوسف مصری تیرے ساتھ انجمن میں بیٹھا ہے تو نقش آذر پہ آنکھ اُٹھانا بُرا ہے۔
(۵) مدینہ جا علم تحصیل کر پھر اس میں گھوم۔ کب تک اپنے آپ کو دروازہ کی کُنڈی کی مانند رکھے گا۔
(۶) جب تو جانتا ہے کہ حیدر شہر علم کا دروازہ ہیں تو سوائے حیدر کے کسی کو میر و مہتر بنانا اچھا نہیں (حدیث شریف ہے۔ انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے)

خداوند عالم اپنی درگاہ ربوبیت کے مقربین کی حُرمت کے طفیل میں ہمارے دل کو اس بزرگوار اور اس کے آل طاہرین کی محبت سے بھر دے تاکہ اعتقاد پاک کے ساتھ وطن اور ناموس شریعت کی حفظ و حراست کریں۔

ہر چند مُناسب نہیں ہے کہ ان باتوں کو اس جلد کے خاتمہ میں لکھیں کیونکہ اس قسم کے قصے بہت ہیں جو انشاء اللہ اپنے موقع پر بیان کئے جائیں گے مگر اس مضمون کے موافق ع۔ سینہ کہتا ہے کہ میں تنگ آگیا فریاد کر۔ خودداری ان چند کلموں کے ذکر پر اکتفا نہیں کرتی بشرطیکہ قوم کے قارئین محترم طریق انصاف اختیار کرکے منصفانہ محکمہ وجدان میں سبب و مسبب کو جانچ کر اس کے بعد مُدعا کے خلاف یا موافق تصدیق و تکذیب کریں گے۔ شاہ شہید کے زمانہ میں دولت علیہ ایران کے خزانہ نے تمام دنیا کو شک وشبہ میں ڈال دیا تھا بلکہ سب کو یقین ہوگیا تھا کہ دُنیا میں اول خزانہ ہے کہ بغیر دیوان خارجی و داخلی کے بھرا ہوا ہے۔ خاقان شہید کے واقعہ ہائلہ کے بعد بعض بے غیرت و بے تمیز وزرا کی عدیم تدبیر سے اس کا بھید کُھل گیا معلوم ہوا کہ خزانہ کے لفظ میں سے اُس کا پہلا حرف یعنی (خ) اپنی جگہ پر چھوڑ دیا تھا۔ جھوٹ سچ راوی کی گردن پر ہے۔ جو کچھ موجود تھا وارث تاج و تخت

موقوف ہے ؎ میں بیگانوں کی شکایت نہیں کرتا ہوں بلکہ میرے ساتھ جو کچھ کیا اُس آشنا نے کیا کہ
ایرانیوں کے حس کو مار ڈالا اور اُن سے غیرت سلب کرلی۔ ظالموں کی قوم پر خدا کی لعنت ہو۔ ہر دولت
و وطن پرست پر لازم ہے کہ سلطنت کے کارہائے مہم میں محکمہ وجدان سے رجوع کرے اور قاضی
وجدان کی عدالت میں محاکمہ کر کے جانچے اور سمجھے اور اُن کو جنہوں نے ہم کو ذلت کی خاک میں ملا دیا
اُن کے نام کو تاریخ میں لعنت سے یاد کرے اور کسی چیز سے خوف و ہراس نہ کرے خصوصاً اس دور
میں کہ اعلیحضرت ظل الٰہی کے سایہ میں عدل کا فرش بچھا ہوا ہے اور علوم کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔
اور پہلے دربار کے عیوب کو ذات اقدس ہمایونی سب سے بہتر جانتی ہے اور ہر شخص کی خدمت و خیانت
حضور اقدس ہمایونی میں واضح اور ہویدا ہے ع۔ کیونکہ آقا خود بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے ہمیں
امید ہے کہ یہ نالے بے اثر نہ رہیں گے اور بہت جلد پورے طور سے طریق اصلاحات کی رکاوٹ کو
دور کرنے کے لئے حکم فرمائیں گے ہم سے سوائے یاد دہانی اور دولت ابدآیت کی عظمت و شوکت اور
ازدیاد عمر کی دعا کے کچھ نہیں ہو سکتا اور حتی المقدور یاد دہانی میں مضائقہ نہیں کرتے ہیں ؎ انسان کے
لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ چیز جس کی کوشش کرے ؎ اگر دامن مقصود ہاتھ آجائے تو میں غم و اندوہ
سے چھوٹ جاؤں۔ اور اگر کوشش سے میرا مقصد حاصل نہ ہو تو اس میں معذور ہوں۔ والسلام۔
یہ ضرور ہے کہ اگر اس قسم کی تحریریں جن میں رفاہ عام ملحوظ ہے بے غرضی سے لکھی جائیں
تو آخر میں اپنا اثر دکھائیں گی۔ یہ قطرے ہر شخص کے قلم سے اور یہ باتیں ہر شخص کی زبان سے جو چاہتا
ہے ٹپکتی ہیں دیر یا جلد اُس کا نتیجہ ظہور میں آئے گا۔ اگر سو کلموں میں سے ایک کلمہ بھی موثر کارگر ہو گیا
تو ہیئت اجتماعی کے لئے ہزاروں نیکیاں پہلو میں رکھتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ حکیم سنائی فرماتے تھے
کہ مجھے ہدایت نہ کی مگر ایک دیوانہ کے دو کلموں نے کیونکہ جس روز سلطان ابراہیم تسخیر ہندوستان کا
ارادہ رکھتا تھا میں ایک قصیدہ اُس کی شان میں کہہ کر لے جا رہا تھا کہ بادشاہ کے حضور میں پڑھوں۔
اتفاقاً میرا گذر ایک حمام کے دروازہ پر ہوا۔ بھٹی سے ایک آواز کان میں آئی۔ میں نے کان لگا کر
سنا کہ ایک دیوانہ نے جس کا نام لائی خور تھا اور ہمیشہ مست و خراب رہتا اور سخن مستانہ کہا کرتا تھا کہا کہ
بادشاہ کے نابینا ہونے میں ایک پیالہ بھر دے تا کہ اُسے پی کر اس کے اور اس کے خیال سے رہا ہو جائیں
ساقی نے جواب دیا کہ بادشاہ ایک مرد غازی ہے اور کافروں سے جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لائی
خور نے کہا ایسی وہ حریص ناسمجھ اور نامحمود ہے اس لئے کہ جو ملک رکھتا ہے اُس کو انتظام کے تحت میں نہیں
لایا مسلمانوں کے محاکم کو ظالم اور خود سر عاملوں کے سپرد کر دیا ہے اور اسلام کے کام کو پریشان چھوڑ
کر ہندوستان کو روپیہ جمع کرنے کے لئے دیا ہے نہ مذہب کی اشاعت کے لئے۔ پھر دوبارہ کہا۔
سنائی شاعر کے نابینا ہونے کی یاد میں ایک پیالہ بھر ساقی نے کہا۔ سنائی ایک حکیم ہے فاضل اور

مفسدت کارانہ افکار کو باطل کر کے اتنی فرصت نہ دی کہ سوائے بوئے ہوئے کے کاٹ سکیں اگر آپ کا مؤکل تاریخ کی طرف رجوع کرے اور اس خاک پاک کے خائنوں کے حال کو غور سے دیکھے تو شاید عبرت حاصل کرے اعمال سے ندامت حاصل کرے ہمارے وطن مقدس کی خدمت اس کے استقلال دائمی کی مؤید ہے۔ اس قدیمی معزز و محترم سلطنت کا مٹانا دول و ملل کی قدرت سے خارج بلکہ مخالف تاریخ عالم ہے۔ اس کی سچی شہادت یہ ہے کہ تمام دول معظم کے ارکان مجلس شوریٰ اس امر خطیر اور اس قصد مہم کے نتیجہ کی برائی کو سمجھ گئے ہیں کہ ایک ملت واحد کے بیچ میں پڑنا کوئی سہل و آسان کام نہیں ہے مگر بدبختی سے خود ایران کے وزرا اپنی باطنی قوت کی خبر نہیں رکھتے ہیں۔ تمام قوموں کے عقلمند جانتے ہیں کہ سلطنت ایران کو تسخیر اور امن کرنے اور اس کے بعد آباد کرنے کے لئے اور آخر میں اس سے فائدہ اٹھا سکیں یا نہ اٹھا سکیں کروروں نقد روپیہ اور لاکھوں فوج کی ضرورت ہے اور نیز کم سے کم نصف یا تہائی ایران کے باشندوں کی برابر اپنی قوم میں سے اس خاک پاک میں منتقل کریں اور یہ کام چنگیز خون ریز نے کیا مگر باوجود ان تدابیر کے ایرانیوں نے چنگیزیوں کو اپنے میں ڈھال لیا اور ان کی ایرانیت میں بالکل انقلاب حاصل نہ ہوا اور سلطنت ان کو ہی منتقل ہو گئی۔ یہ سب ایران کے نقشہ اور تاریخی جغرافیہ میں لکھا ہے اس ارادے کا مخالف کسی ملت و دولت کی مجلس شوریٰ میں کثرت رائے حاصل نہیں کر سکتا روس نے سو سال ہوئے صوبہ قفقار کو باوجودیکہ اس میں مسلمان اور عیسائی مخلوط ہیں لیا ہے اور ہر سال پیٹرسبرگ کے خزانہ سے کئی لاکھ روپیہ قفقار کو بھیج کر وہاں کے خرچ پورے کرتا رہا یہاں تک کہ مٹی کے تیل کی کانیں بڑی ترقی کا سبب ہوئیں اور کانوں کی بدولت سلطنت کا گریبان مصارف فوق العادہ سے رہا ہو گیا۔ ملک و ملت ایران و ہندوستان اور بزدل و عیاش ہندو کم سمجھدار نہیں جو کہ ہزاروں برس سے دوسروں کی غلامی اور بندگی کے خوگر ہو گئے ہیں مانند حبش اور زنجبار کے موروثی غلاموں کے پھر تم تو آزادی کا کیا ذکر ہے۔ جلیل القدر آقا میرزا محمود صدر المحدثین ایران جیسی ملت کو جو یک جنس و یک آئین ہیں ابھار کر حب الوطن من الایمان کے فرض سے آگاہ کر سکتے ہیں تاکہ تمام افراد ہیئت اجتماعی کے ساتھ ٹرانسوالیوں سے زیادہ اپنے وطن کی حفاظت کے لئے دامن غیرت کو کمر پر مضبوط اور سخت تر باندھیں۔ پانچ لاکھ ٹرانسوالیوں پر علاوہ جانوں کے جو انگریزوں نے اس راہ پر نثار کیں کہ بقول انگریزی اخبارات کے انگلستان میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رونے پیٹنے کی آواز نہ آتی ہو اور سوگوار نہ تھا اٹھارہ کرور پونڈ صرف کرنے سے بھی غلبہ میسر نہ ہوا تو کروڑ ملت واحدہ شجاع متدین غیور ایران پر غلبہ پانا آسان اور سہل نہیں ہے یہ شیر کی دم ہے جو کھیل میں نہیں پکڑی جا سکتی۔ کوئی وجدان نجیبت والا اس امر خطیر پر ضرر کہ منفعت سے اقدام کے لئے فتویٰ اور رضامندی نہیں دیتا۔ کلام باشندوں کے باغیرت و ہمت ہونے میں سب سے کہ مذہبی اسناد ئے دولت اور علمائے ملت کی غیرت اور یک منبروں کی تغییر و تبدیل پر

وزارت مالیہ اور جنگ کی جو روح مملکت و دولت ہیں کس درجہ تک اصلاح کی۔ اگر آپ کا مؤکل ایک شفاخانہ بھی بنا دیتا تو آپ اس کی صفائی پیش کر سکتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ سلطنت کے مالیہ کو مٹا دیا خزانہ ملت کو برباد کر دیا سلطنت کے قوائے حربیہ کو بھی تحلیل کر دیا۔ دولت و ملت کی ترقی کے راستے میں ہر قسم کے کانٹے بکھیر دیئے۔ اجانب کے تسلط کو ایران میں اس حد تک پہنچا دیا کہ اہل اجنبیوں کے مامورین کے ہاتھ میں جو ایران کی رعایا اور خود اُن کے بھائی ہیں مردہ بدست غسال ہو گئے۔

ہر قسم کے خانہ برانداز ٹھیکے کہ ہر ایک اُن میں سے ایک سلطنت و ملت کو مٹانے کے لئے کافی ہے بڑی بے پروائی سے اجنبیوں کو دے دیئے۔ تمام متعلقین بھی اُس کی بداعمالیوں میں ہمراہی کرتے ہیں گویا وطن اُن کا وطن نہیں ہے۔ کوئی شخص اپنے دشمن کے حقوق پر راضی نہیں ہوتا ہے ورنہ اس درجہ پائمال ہوتا ہے جتنا کہ یہ لوگ اپنی حکمران سلطنت کو پائمال اور اپنی اغراض نفسانی پر فدا کرتے ہیں۔ تیس سال میں کونسی دوا اینٹوں کو قوم کی حفاظت یا ترقی کے لئے تلے اوپر رکھا؟ جو آپ کہہ سکیں کہ ان تمام ظلم و ستم اور بے اعتدالیوں کے مقابلہ میں اس بنیاد کو مضبوط کیا ہے اور اس کے متعلقین میں سے کس نے کسی قسم کے نیک کام کا اقدام کیا ہے! اگر خود ذرا انصاف کرے اور اپنی جہالت و خود غرضی کو چھوڑ دے تو ان اعتراضات کے جواب میں ایک کلمہ بھی پیدا نہ کر سکے گا متمدن قوموں کی ترقیاں اسی ایک نکتہ کی وجہ سے ہیں کہ وزیر اعظم اور چیئرمین میونسپلٹی اور گورنر اور مجسٹریٹ اور بنک کے ایک حصہ کا ڈائریکٹر وغیرہ علم اور معلومات اور گویائی کے لحاظ سے ہوتا ہے اور ایران میں کوئی کام خصوصاً صدارت اور تمام سرکاری عہدوں میں ان ملاحظات کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ جو کچھ ہم نے کہا اُن سب کے دلائل اور براہین موجود ہیں اور بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ باوجود ان تفاصیل کے آپ اپنے مؤکل کی جانب سے قانوناً اور کتاباً اور وجداناً صفائی کے لئے کوئی بات باقی رکھتے ہیں؟ کیا ان جوابات پر آپ قانع ہوں گے یا نہیں؟ بے شک اس تمام بدبختی اور تیرہ روزگاری کو عدم قانون و معارف بلاتا ہے اور قانون کا مانع سوائے ایک شخص رئیس دربار کے جو آپ کا مؤکل ہے کوئی دوسرا اس دورۂ ایران میں نہیں ہے۔ تیس سال کے عرصہ میں اس مُلک و ملت کی حکومت کو ایسی حالت میں گرا دیا ہے کہ اب خود اپنے بقا و ثبات و استقلال سے مایوس ہو گیا ہے۔ اور مانند ابوسفیان کے جس نے بنی امیہ کو وصیت کی تھی وہ بھی اپنے متعلقین کو وصیت کرتا ہے کہ وقت کو غنیمت جانیں اس سے غافل ہے کہ اس خاک پاک کی حقانیت اور باطن وطن نے اس قسم کے ہزاروں خائنین اپنے اور بیگانوں کو خاک مذلت میں ملا دیا اور اُن کی

روپیہ نہ ہونے کی فریاد کریں ۔ کاش میرے کان اور آنکھیں نہ کھلی ہوتیں کیونکہ میرے جیتے جی اور عقل میرے لئے آفت جان ہیں۔

کیا کوئی شخص اس بات کا منکر ہو سکتا ہے کہ آپ کا موکل ٹکسال کے کام اور ملت و دولت کی تباہی میں کہنہ اصفہانی امین الضرب حاجی محمد حسن اینڈ کو، کا شریک نہ تھا؟ اور منافع کو نصفا نصف تقسیم نہیں کیا؟

برسوں تک آذر بائیجان کی مالگذاری کا دسواں حصہ جو کم از کم پانچ لاکھ ہوتا ہے۔ علاوہ تبریز ارومی۔ خوی۔ مراغہ۔ اردبیل۔ محال خلخال۔ قرہ داغ۔ طالش وغیرہ کی چنگی اور پاسپورٹ کے اور تمام جولاہوں۔ دھنوں۔ قصابوں۔ کلاہ دوزاور موچیوں وغیرہ کے گھروں سے کہ دو ہزاری جوتے پہ سو دینار لیتے تھے اور عام چیزیں مالیہ تھا کروروں روپیہ اپنے لئے جمع نہ کر لیا؟ اگر ایران روپیہ نہیں رکھتا ہے تو صدارت عظمیٰ کے متعلقین اور وابستگان نے یہ دولت کہاں سے جمع کی ہے کہ ہر ایک اُن میں سے دس بیس گاؤں کا مالک ہو گیا ہے۔ اگر آپ کا موکل اپنی ظاہری جائداد کو آج بیچے تو پچیس تیس لاکھ وصول ہو۔ باوجود ان تمام بے معنی بخششوں اور مصارف بے مصرف کے یہ اس کا ظاہری ذخیرہ ہے علاوہ کروروں روپیہ کے جو اجنبیوں کے بنکوں میں سود پہ چھوڑ رکھا ہے اگر اُس کے مرنے کے بعد وارثوں میں تقسیم پر جھگڑا ہو تو معلوم ہو جائے گا۔ ان منافع کے باوجود جو اس نے ملت و دولت سے اُٹھائے ایک دفعہ بھی اُس کے خیال میں نہ آیا کہ ملت و دولت کی ترقی کے لئے قدم اُٹھائے اور ایک اساس قائم کرے کہ اپنی عمدہ یادگار بھی چھوڑ جائے اور دولت و ملت بھی اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ تیس سال کی کامل حکومت میں جب کہ وُہ ہر چیز پر قادر تھا کونسا دشوار گذار راستہ اس نے ہموار کرایا؟ کونسا پتھر دولت کے پاؤں کے آگے سے ہٹایا؟ کونسی بنائے خیر مسجد مکتب اور مدرسہ کی قسم سے بنائی؟ بجائے اس کے کہ قوم کی ترقی کے مناسب شفاخانہ اور یتیم خانہ کی بنیاد رکھتا اور یتیموں اور فقرائے ملت کی اولاد کو اس دائرہ میں جمع کر کے گداگری اور فقیری اور بے وقت کی موت سے رہائی دیتا صبح جب گھر سے بگھی میں سوار ہو کر دربار کو تشریف لے جاتے ہیں تو دس تومان کے پنا باد سیر و تماشے اور اُن فقیروں کے سامنے جو اُس کے راستہ میں ہوتے ہیں خود نمائی کی غرض سے ڈال لیتا ہے اور عام لوگوں کو گداگری کی طرف بُلاتا ہے۔ میرزا تقی خاں اتابک نے (خدا اس کی روح کو خوش رکھے) تین سال سے زیادہ صدارت نہ کی۔ گداگری کو ایران سے اُٹھا دیا۔ صنائع کو کس قدر ترقی دی۔ اور ضرورتوں کے رفع کرنے کے لئے کیا کیا کوششیں کیں۔ غیروں کے تسلط کو سلطنت سے بالکل دفع کر دیا۔ ہر طبقہ کے اختیارات کو محدود کر دیا۔ لشکر کی اہمیت کس قدر بڑھائی۔

اور اپنے ولی نعمت کو نیش زبان سے ستاتا ہے اور نہایت بے باکی سے مالک کا مال اُٹھا کر بیجا مصارف اور فوق العادہ مخارج میں دے دیتا ہے تاجر بیچارہ خواہ مخواہ فوق العادہ مشقتوں کا متحمل ہو کر رات دن درگاہ قاضی الحاجات سے اپنی تجارت کی رونق کے لئے دُعا کرتا ہے اور ہمیشہ ایک درست کار آدمی کی جستجو اور فکر میں رہتا ہے۔ پل جانے کے بعد اپنی آئندہ سعادت کے لئے فی الفور اُس کو جواب دے کر کہتا ہے۔ جہنم میں جا۔ اس وقت بعینہٖ سلطنت کا کام بھی اسی مرکز پر پہنچ گیا ہے اور جناب کے موکل سنئے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور روز بروز پریشان کاری میں کوشش کرتا ہے۔ ہر روز سلطنت کی ضرورت کو پیسہ سے بڑھاتا ہے اور گھڑی سامان کر کے پائے تخت اور اطراف میں آشوب برپا کرتا رہتا ہے۔ کبھی گرانی اور بابی اور حاکم والی اور علماء حکام کے درمیان ضد اور ہمسایوں کے آگے بڑھنے سے۔ اس مسئلہ سے فراغت نہیں ہوتی کہ دوسرا کھڑا کر دیتا ہے۔ آخری عبارت میں تازی سے کہتا ہے پکڑ اور خرگوش سے کہتا ہے بھاگ ظاہر و پوشیدہ میں شور مچاتا ہے بھاگیو پکڑیو۔ اس پریشانی کی حالت میں کیا اس کی معزولی ممکن ہے؟ وہ وقت گذر گیا کہ مکر و فریب پردہ میں تھے۔ اس وقت شاہ و گدا۔ عالم و جاہل ان مکروں کو سمجھ گئے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور تمہارے قول کے موافق حضرت شہریار مانع ہیں پس وزیر صداقت پیشہ اور درست اندیشہ پر واجب و لازم تھا کہ خاکپائے ہمایوں میں عرض کرے کہ یہ وضع صحیح نہیں ہے اور قوم تمام برائیوں کو میری جانب سے سمجھتی ہے یا تو وضع کے تغیر کے لئے حکم دیجئے یا مجھے اجازت اور رخصت دیجئے تاکہ جا کر کسی مقدس گوشہ میں بیٹھ کر ذات اقدس شہریار کے لئے دُعا میں مصروف ہوں۔ استعفا دے کر گذر سے علیحدہ ہو جاتا نہ یہ کہ چند امرائے غیور شاہ پرست۔ وطن دوست۔ درست کار۔ عاقل سیاح مانند حاجی میرزا حسین خاں مشیر الدولہ کی معزولی کے اسباب اور میرزا علی خاں امین الدولہ کی جگہ کو اپنے مقام کی حفاظت کے لئے فراہم کرے۔ جو کچھ عرض کیا اس سے بہتر گواہی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ جو تم درہم و دینار کے نہ ہونے کا بہانہ کرتے ہو یہ تمہاری ہرگز قبول نہیں ہو سکتی۔ فرض کرتے ہیں کہ آج سلطنت اصلاح کے لئے ایک کرور روپیہ کی محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ تمہارا موکل ملت و دولت کی برکت سے کئی ایک کرور کے برابر کا خود مالک ہو گیا جس کو ممالک خارجہ کے بنکوں کی سپرد کر دیا ٹکسال کے کام سے بھی ایک کرور تومان اُس کے حصہ میں آ گئے۔ بیشک قوم مشکلوں میں اور خانہ خراب امین زیور غیرت سے عاری ہوتے ہیں۔ کیا پیسہ نہ ہونے کے بہانہ سے بھاگ سکتے ہیں کہ سکہ سلطنت سے جو قران امین السلطان کے نام سے مشہور ہے ملت و دولت کو پانچ کرور کا نقصان ہوا اور یہ روپیہ دو تین شخصوں میں تقسیم ہو جائے اور وہی اشخاص اصلاحات کے لئے

شخص حکومت اور آمدنی کے شوقین ہوتے ہیں۔

وکیل وجدان۔ اس سے پہلے کہ آپ یہ جواب دیں میں جانتا ہوں آپ کیا کہیں گے مگر میرا مقصد یہی تھا کہ آپ اس ناپسند اور غیر مقبول عذر کو پیش کریں مثل اور اپنی صفائیوں کے کہ جو کوئی اصلاح کا ذکر کرتا ہے فوراً جواب دیتے ہو کہ اعلیحضرت شہریار مانع ہیں اور یا روپیہ نہ ہونے کا بہانہ اور علمائے اعلام کے انکار کو دست آویز بناتے ہو اور بعض اوقات جب اس سررشتہ سے اپنے تدبیر والے ہاتھ کو کوتاہ پاتے ہو تو ہمسایہ سلطنتوں کو رکاوٹ قرار دیتے ہو۔

اولاً۔ اس تہمت سے خدا کی پناہ ہے جو ذات اقدس شہریاری پر لگائی جاتی ہے "یہ بہت بڑا بہتان ہے" کوئی عقل سلیم اس صفائی کو قبول نہ کرے گی خصوصاً اس شہریار عدالت پرور خسرو دادگر۔ بادشاہ معارف دوست۔ ترقی خواہ کے مادہ بین یعنی اعلیحضرت اقدس مظفرالدین شاہ (ہماری روح اُس پر فدا ہو) کہ اس دیندار بادشاہ کی معارف پروری اور عدالت گستری اور رعیت دوستی و ترقی جوئی سب پر نصف النہار کے سورج کے مانند واضح اور ظاہر ہے تخت موروثی پر جلوس حقانی کے دن سے ایک لحظہ اور ایک منٹ ان نکات فکر شاہانہ سے فارغ نہیں ہوئے۔ اور نہیں کہ پہلے ہی گھڑی میں دولت قوی شوکت کو دول معظمہ کے پایہ پر پہنچا دیں۔ اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ اس صورت میں اس مقصد مقدس کے اجرا میں صرف ہمت شاہانہ کو کیوں دریغ رکھتے ہیں۔ جواب میں بڑی آزادی سے کہوں گا۔ نہیں کرنے دیتے ہیں اگر کوئی معترض کہے کہ مانع کے دفع کرنے میں کیوں اقدام نہیں فرماتے ہیں۔ بڑی شرم سے عرض کروں گا اس لئے کہ متجاوز از منقلب تمام دولت و ملت کے کاموں کو اس طرح اپنے اور اپنے مددگاروں کے تصرف منقلبانہ کے تحت میں لے آئے ہیں اور صاحب اختیار کل ہو گئے ہیں کہ ایک شخص کی معزولی سے ہزار شخصوں کی معزولی لازم آتی ہے اور ایسے لوگوں کے عہدہ اور تنخواہ کو کوئی غیرت والا عقلمند قبول نہ کرے گا کیونکہ ان مفاسد کی اصلاح انفرادی طور پر ایک عقلمند حکیم کی قوت سے باہر ہے مگر قبول کرنے والا اس خیال میں رہتا ہے کہ مجنوں کا دور گذر گیا اب ہمارا دور ہے۔ ہر شخص کی پانچ دن نوبت بجتی ہے۔

اس بات کے معنی ہر شخص پر واضح ہیں کیونکہ اس مرض نے عمومیت حاصل کرلی ہے چنانچہ بعض تاجر اسی مرض میں مبتلا ہیں مثلاً ایک تاجر اپنے تمام تجارتی امور اور اختیار کو ایک کارندہ اور کلرک کی سپرد کر دیتا ہے اور اپنی آمدنی و خرچ کی تمام کتابیں اس کو سونپ دیتا ہے اور اُس کو اپنے تمام رازوں سے واقف کر دیتا ہے جونہی کہ گماشتہ نے دیکھا کہ اُس کے مالک کی تجارت میں رونق نہ رہی اور ٹوپی کھیل کی ٹوپی ہے بدرفتاری شروع کرکے اپنے مالک سے بیجا تعرض کرتا ہے

اور ناظرین اپنے وجدان سے فتویٰ دیں کہ معصوم ہے یا مجرم۔ بہتر ہے کہ ہم بھی اپنے پاس اپنے وجدان کے بنائے ہوئے محاکمہ کو قاضی قرار دیں اور غائب مجرموں کے لئے بھی وکیل مدافعت (صفائی یا ڈیفنس) قرار دیں تاکہ انصاف کی رو سے محاکمہ کیا جائے۔

"محاکمۂ وجدان"

وکیل وجدان۔ اس تمام قیل وقال اور داد و فریاد کا سبب عدم قانون اور اسباب تربیت کا ناپید ہونا مکتبوں کے بند کرنے اور کمی علم سے ہے۔ ایران اُس وقت سے کمزور ہو گیا جب سے کہ ارباب بصیرت کے قلم کا قوی ہاتھ توڑ دیا گیا اور خیالات فاسدہ کی وجہ سے عقلمندوں کو مٹا دیا اور انصاف کے رستہ کو بند کر دیا۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ یہ بدبختیاں نہ خدا کی طرف سے نہ سپہر سے نہ فلک کج رفتار سے نہ قوم کی نادانی سے اور نہ ارکین سلطنت کی کوتاہی سے اور نہ ذات اقدس شہریار سے ہیں بلکہ اس تمام ذلت وخواری کا سبب میرزا علی اصغر خاں وزیر اعظم ہے کہ جس نے باوجود بے علمی کے تیس سال تک جب کہ ایران کے لئے ہر قسم کی ترقی کا موقع تھا امور جمہور کو اپنے دست بے کفایت میں لے کر کسی ناصح کے قول وقبول نہ کیا تمام سمجھدار اور عقلمند وزیروں کو سرکار سے دُور اور کمینوں اور جاہلوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ علوم کی ترقی میں لوہے کی دیوار کھڑی کر دی۔ دوسری قومیں ہزاروں یونیورسٹیوں کی مالک بن گئیں اور لاکھوں آزاد سیاسی اخباروں اور علمی وفنی وادبی رسالوں کی مالک ہو گئیں اور علم کی قوت سے فوق العادت ثروت کی مالک ہو کر اُن کے دولتمند لاکھوں اور کروڑوں کی باتیں کرتے ہیں۔ تمام رُوئے زمین پر جو علم و ہُنر کے نور سے آج منور ہو گئی ہے ایران کو ایک بعید سیاہ وتاریک نقطہ کی حالت میں رکھا اور لوگوں کو ہر قسم کی سعادت سے محروم رکھا تاکہ قوم کے غیور لوگ دوسروں کی ترقیوں پر نظریں گاڑ کر دل پر درد سے آہ سرد نکال کر خاطر محزون اور جگر پُرخوں اور دیدۂ گریاں کے ساتھ "ہائے وطن" کہتے ہوئے تاریک قبر میں چلے جائیں۔ کیا یہ باتیں محل انکار و مدافعت ہو سکتی ہیں؟

مُدعی۔ علی العموم ہو سکتی ہیں۔

وکیل وجدان۔ فرمائیے۔

مُدعی۔ اوّل تو امور دول کی ترقی کے اسباب اور یہ سب اساس ترقی جو دائرہ معارف کی ترتیب اور مکتبوں کے قائم کرنے سے تم دیکھتے ہو پیسہ سے وابستہ ہے جو ایران میں کیمیا کا حکم رکھتا ہے۔ دُوسرے بادشاہ کی تقویت جو اب تک وقوع میں نہیں آئی اگر کوئی وزیر نیکی کے کام کا اقدام کرتا ہے تو اس کی معزولی کا باعث ہوتا ہے۔ کوئی شخص اپنی معزولی کا طالب نہیں اور تمام

اقوام کے فرزند رہے ہیں پھر کیوں اس درجہ آبروشکن قرضوں سے دوچار ہوتے ہیں؟ اس بارہ میں قصور کس کا اور کہاں ہے؟ اگر وجدان کے محاکمہ کے ساتھ انصاف کیا جائے تو یہ تمام گروہ جن کو ہم نے قصور کا سرٹیفکیٹ دے کر مورد ملامت بنایا ہے سب کے سب معاف ہیں کیونکہ ہم حق کی رُو سے اُن کی گردنوں پر قصور ثابت نہیں کر سکتے اور نہ وہ تقصیر کو قبول کریں گے۔ ان تمام بدبختیوں کا سبب بلکہ ابراہیم بیگ جوان ناکام وغیرہ کا قاتل بھی معلوم ہے بشرطیکہ ہم انصاف کے دروازہ سے داخل ہوں جو پہلا وصف حمیدۂ انسانی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ انصاف تجھ پر فرض ہے چاہے اُس میں نقصان ہو۔ اگر تجھ سے انصاف وجود میں آئے تو وہ برسوں کے قعود و سجود سے بہتر ہے۔

باوجودیکہ ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں منصف آدمی کم پایا جاتا ہے پھر بھی ہم انصاف کے خواستگار ہیں۔ جس سلطنت میں قانون ہے اگر محکمۂ عدلیہ میں ملزم حاضر و موجود نہ ہو تو محکمہ حق رکھتا ہے کہ مدعا علیہ کی عدم موجودگی میں قانون کی رُو سے حکم دے خواہ اس کے خلاف ہو یا موافق مگر حکومت اپنی جانب سے اُس کی مدافعت کے لئے وکیل مقرر کرتی ہے جو قانون کی رو سے ملزم کو قانون کی مدد سے خلاص کرائے۔ حکومت کی طرف سے مدعی عمومی جس کو یورپ کی زبان میں "پروکر" کہتے ہیں (یہ کلمہ ابھی ایران میں داخل نہیں ہوا بلکہ نوشیرواں کے زمانہ میں بھی نہیں تھا) نہایت سختی سے کھڑا ہو کر جدوجہد کرتا ہے کہ ملزم کے قصور کو ثابت کر کے قید یا جلاوطن یا جرمانہ کی سزا دے۔ اکثر ہوتا ہے کہ وکیل یا مدعی عمومی اس مسئلہ میں بات کو مذاکرہ سے مجادلہ تک پہنچا دیتے ہیں اگر مدعی عمومی بڑا عہدہ اور عالی مقام رکھتا ہے اور وکیل قانونی بادشاہ کا خانہ اماں ہے اور وکیل قاتل یا چور یا خائن سلطنت ہے باوجود اس کے مدعی عمومی حق نہیں رکھتا ہے کہ قانون سے خارج ہو کر عدالت میں اُس پر غصہ یا تیزی کرے۔ شہادتوں اور دلائل سننے کے بعد عدالت کثرت آرا کے ساتھ طے کرتی ہے کہ معصوم یا مجرم۔ ایسے ہی اگر ملزم مفلس اور وکیل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو حکومت آپ وکیل کا محنتانہ دے کر ملزم کی مدافعت کے لئے مقرر کرتی ہے۔ شاید بعض لوگ اس بات کو نہ مانیں گے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حکومت مدعا علیہ کو خود پکڑتی اور قید کرتی ہے پھر اُس کی آزادی کے لئے وکیل کو محنتانہ دے کر مقرر کرتی ہے۔ ہاں ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ یہ بھی ایک قانون مساوات و عدالت کے اسرار میں سے ہے کہ ہم ایران والے اُس سے واقف نہیں ہو سکتے ہیں جس طرح کہ سرخ اور سبز رنگ کی کیفیت کسی بیان سے مادرزاد اندھے کو نہیں سمجھا سکتے۔ الغرض کہ جو ملزم موجود نہیں ہوتا یا فقیر ہوتا ہے اور خود وکیل نہیں کر سکتا ہے محض اس لئے کہ قانون کی رو سے اس کو نجات حاصل ہو جائے حکومت اپنی طرف سے وکیل مقرر کرتی ہے تاکہ قاضی

برابر بھی بہتان، جھوٹ اور مبالغہ دیکھیں تو ہر برائی جو عنیمت کے حق میں جائز سمجھیں کہیں۔ اُن پر حلال کرتا ہوں۔

تمام معائب کے تختے اور اثبات نواقص ایک چیز سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ مُرادف ہے عدم قانون مساوات سے جو حقیقت میں تمام عیوب کا منبع ہے۔ عدم قانون اور فقدان اصول مساوات۔ عدم دانش و آگاہی۔ سدِ طریق معارف اور عدم موجودگی مکاتب منتظم۔ اور محو آزادی افکار و تحریر کو دعوت دیتا ہے حالانکہ پچاس سال پہلے ہماری قوم شاہراہ ترقی پر قدم رکھ کر اکثر قوموں سے تفوق اور برتری حاصل کرتے نمایندگان قوم کے ظالمانہ افکار اور استبداد کو جہالت کی تاریک وحشت سرائے میں قید کر دیتی اور کسی کو اجازت نہیں دیتا ہے کہ اپنی وضع اور احوال عالم سے آگاہی حاصل کرے۔

اس کے بعد کہ قوم کا مبارک ستارہ مشرق امید سے طلوع ہوا اور ذات اقدس اعلیٰحضرت ظل الٰہی (ہماری روحیں اُن پہ فدا ہوں) تیرہ ہزار سالہ تخت اور گدی پہ زینت بخش ہوئے اور ترقی ملت کے درپے ہوتے باوجود تمام رکاوٹوں کے جو خائن درباریوں کے سوء افکار سے پیدا ہوگئی تھیں اعلیحضرت شہریار کی حسن نیت نے اپنا اثر دکھایا ایک حد تک احساس بیدار ہو گئے۔ اور قوم میں ایک ترقی کی آرزو ظاہر ہوئی کہ ہمدان میں بیٹھے ہوئے احساس کی آنکھ سے پیرس کے کوچوں کو دیکھ لیا اور ترزین کی کشمکش میں انگریزوں کی تجارت کی نگرانی رکھتے ہیں اور تمنا نالام نل ساکن مراغہ کے محکمے سے جاپان کے عدالت خانہ کے اوضاع کے متوقع ہیں اور مازندران کے سپاہی سے جرمن کے لشکر کے نظم کی آرزو کرتے ہیں۔

یہ وجہ ہے کہ ہزاروں وطن کے غیرتمند اس جوان غیور ابراہیم بیگ کی مانند ترقی وطن کی آرزو میں شہید ہو گئے۔ اور وہ لوگ بھی جن کا رشتہ حیات نہیں ٹوٹا ہے دل فگار اور تن رنجور اور خاطر پریشان کے ساتھ اُن کی زبان حال یہ مقال گا رہی ہے ع۔ کہ یہ قافلہ جس کا یک لنگڑا ہے۔ کیونکہ مانع کو موجود اور مقتضی کو مفقود دیکھتے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ تمام قوموں کا عروج اور ترقی علم و دانش کی برکت سے ہے۔ تعلیم و تعلم کے محکمہ کو آراستہ کرکے سلطنت کی جانب سے اُس کی مضبوطی کے لئے اول نمبر کی کوشش اور مواظبت ہونی چاہیئے ہم ایرانی باوجودیکہ چند ہزار برس قبل جب کہ یورپ کی قوموں نے تہذیب کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ غیر معمولی اور مکمل تہذیب کے حامل تھے افسوس کہ علم و فن کو چھوڑ کر جہالت کی نحوست سے ہمارا نام وحشت میں مشہور ہو گیا ہے اور بقول مؤید الاسلام کے ع۔ انجمن کی زبان میں ہمارا نام نیم وحشی ہے۔ ہم مدقوق ہو کر رنج سے کیوں نہ مر جائیں۔ باوجودیکہ ہم جنس بشر کی دانا ترین

(۱۱۳) میں یہاں تک لکھنے پایا تھا کہ ایک عارف باخبر اور بزرگ دوست دروازہ سے داخل ہوا۔
(۱۱۴) اُس نے نصیحتاً کہا کہ اے دردمند تو وعظ و نصیحت کیوں لکھ رہا ہے۔
(۱۱۵) تو گفتگو میں اپنے کو برباد مت کر اگر تو وطن کی پرستش کرتا ہے تو اس کو پھیلا مت۔
(۱۱۶) اگر تو حُبِ وطن کا دم بھرتا ہے تو ان میں سے ایک بھی سُودمند نہ ہوگا۔
(۱۱۷) کبھی قید اور کبھی جلا وطن ہوئے تو ہزاروں کی سزا بذات خود دیکھی ہے۔
(۱۱۸) جا صبر کر کہ جب تک بادشاہ کاموں کا ڈھنگ بدل دے۔
(۱۱۹) تاکہ اُس رنگ سے حق ظاہر ہو جائے اور جو خطاوار ہے رسوا ہو جائے۔
(۱۲۰) میں نے اس نکتہ پر کلام ختم کر دیا اگر تو کاربند ہوگا تو نیک نام ہوگا۔

موقعہ ڈھونڈنے والوں کے اسباب۔ ابن السلطان کے خلاف حجت اور بہانہ بنانے والوں کا مسئلہ۔ اُس کے بُرے اعمال اور افعال کو اکتیس سالہ صدارت کی ملازمت میں طہران کے اخبار میں شمار کرنا اور علٰحدہ علٰحدہ التجا کرنا بادشاہ رؤف و مہربان کے مراحم سے۔ درباریوں کے حال کا پریشان ہونا اور اُن کا بُرا انجام جب تک پریشان نہ ہوگا کام ٹھیک نہ ہوگا،

"مجملے از مفصّل"

جوان نامُراد۔ جوہر غیرت۔ اور چکیدۂ وطن پرستی ابراہیم بیگ کے سیاحت نامہ کی دوسری جلد اُس کی زندگی کے زمانہ کے ختم کے ساتھ ختم ہوئی میں بڑے افسوس کے ساتھ تصوّر کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہوں کہ اس کتاب کے دشمن جو اوّل درجہ کے بے طرف اور ہر غرض سے خالی لکھے جا چکے ہیں اُس کے ہوا داروں اور دوستوں سے زیادہ ہو جائیں گے۔ جیسا کہ پہلی جلد میں ہر طبقہ اور صنف کے اعمال و افعال کا تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے اس جلد میں بھی کچھ حال وزراء۔ سفراء۔ کارپردازوں۔ مُلا نماؤں۔ شاعروں۔ سادات۔ طبیب۔ منجم۔ داروغہ تجار۔ بنک دار۔ انبار دار۔ مرثیہ خواں۔ درویش۔ رمال۔ افیونی۔ بازیگر۔ بابی وغیرہ کا بطور کنایہ یا صراحت لکھا گیا۔ لہذا مسلم ہے کہ اُن صاحبان کی طبیعت پر جو ذرا بھی ذاتی غرض میں مبتلا ہیں اور کسی حق بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں گراں گذرے گا اور محض کتاب کا نام سنتے ہی بے دیکھے اور بے پڑھے اُس کے مؤلف کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور چند گالیاں دیں گے۔ یہ سبب ہے کہ جو کچھ جلد اوّل کے مقدمہ میں لکھا گیا یہاں تکرار کرکے قادر منان سے اُن کی خیر و صلاح کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ ہمیں اُن سے اور کوئی درخواست نہیں۔ مگر کتاب کی تحریروں میں ذرا سے غور اور ذرا بھر انصاف کی۔ اگر اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے بال

(۸۸) اگر قانون کے ساتھ آبپاشی ہو تو پتھروں میں بھی کاشت ہو سکتی ہے۔
(۸۹) ہر خوشہ سے سودا نے اُگیں گے اور شور زمین پھول کھلیں گے۔
(۹۰) اگر تو عدل میں نوشیرواں ہو جائے اور اگر شوکت میں کیانیوں سے بڑھ جائے۔
(۹۱) اگر قانون نہیں رکھتا ہے تو کچھ نہیں رکھتا ہے ابن منی کے سامنے کھیل میں پیچ مت کھا۔
(۹۲) جو بادشاہ کہ تاج اور کمر (پٹی) رکھتے ہیں قانون سے ہی آسمان سے سر گھستے ہیں۔
یعنی بلند مرتبہ ہیں۔
(۹۳) اے بادشاہ اگر تجھے شوکت کی خواہش ہے اور دل میں آسائش ملت کی رغبت ہے۔
(۹۴) اپنی رعایا کو اولاد سمجھ۔ رعیت کے حقوق مساوی سمجھ۔
(۹۵) تو نیکبختی سے ایسا ہو جا کہ تو جسم ہو اور رعیت تیرے دست و پا ہوں۔
(۹۶) جب جسم اور اعضا دونوں مضبوط ہو جائیں گے تو دشمن سے لڑائی میں نہ ڈریں گے
(بہراسد نہ از خصم درگیر و دار)
(۹۷) اگر اس طریقہ سے ہمارا کام چلے تو ملک و ملت دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔
(۹۸) اس وقت زمانہ میں نوع بشر میں ہم سے زیادہ کوئی بدبخت نہیں ہے۔
(۹۹) ہمایوں کے حال کو دیکھ کہ وہ سب خوش دل اور خرم و شادمان ہیں۔
(۱۰۰) فقیر اور امیر باہم بیٹھتے ہیں اور بادشاہ اور وزیر رعیت پر مہربانی کرتے ہیں۔
(۱۰۱) اے بادشاہ تو بھی خلق کو خوش رکھ انصاف کے ساتھ بند غم سے آزاد کر دے۔
(۱۰۲) اپنا سر غفلت کے سرہانے مت رکھ اور عدالت کی باگ ہاتھ سے مت چھوڑ دے۔
(۱۰۳) کینوں کو اپنے آپ سے دُور مت کر۔ عقل کے نور سے آنکھوں کو منور کر۔
(۱۰۴) کہ ان کج اعتقاد دیوزادوں میں ایک بھی راست رو نہیں ہے۔ فریاد ہے فریاد ہے۔
(۱۰۵) جب تو ہنرمند کو کام دے گا تو رعیت تیرے حکم سے قرار پائے گا۔
(۱۰۶) فردوسی پاک بین نے کیا خوب کہا ہے اس کی رُوح پر خدا رحمت بھیجے۔
(۱۰۷) بدکیش سے بہتری کی اُمید رکھنا آنکھوں میں خاک ڈالنی ہے۔
(۱۰۸) اے بادشاہ خدا کے واسطے آخر انصاف کر ان کجرووں سے ایک دم راستہ صاف کر دے۔
(۱۰۹) اس ظالم فرقہ کے اعمال سے میں نہیں جانتا کہ تو سلطنت سے کس طرح فائدہ اُٹھائیگا۔
(۱۱۰) میں کیا کہوں کہ میرا نہ کہنا ہی بہتر ہے کیونکہ "دیوار گوش دارد" کا مضمون ہے۔
(۱۱۱) دُنیا میں تمام کام برباد ہو جائیں اُس دن سے فریاد کرنی چاہیے۔
(۱۱۲) غفلت کے بعد تجھے وہ گھڑی آئے گی کہ ایک لمحہ کی تجھ کو مہلت نہ دے گی۔

(۶۲) اشراف نے اس قدر بے شرمی ظاہر کی کہ یورپ کے رذیل بھی حیران رہ گئے۔
(۶۳) وطن کی آبروریزی کردی اور ایک دم نیک نامی سے گذر گئے۔
(۶۴) ہم کو شیر کے چنگل میں ڈال دیا۔ اس سیاحت کا پھل سوائے بدنامی کچھ نہ ملا۔
(۶۵) اُن کا تمام جان وتن کی راحت تھی۔ کسی نے وطن کی حالت کو یاد نہیں کیا۔
(۶۶) نہ توپ و تفنگ نہ نظم ونظام کو نہ آذوقہ کو اور نہ مہمات کے نام کو۔
(۶۷) مکاتب کی وضع پر نہ کسی شخص نے توجہ کی اور نہ سوال کیا۔
(۶۸) اُن مُفت خوار بے آبروؤں میں سے کسی نے تجارت کے متعلق گفتگو نہ کی۔
(۶۹) اُن کا تمام کام لہو ولعب تھا اور رات دن عیش وطرب میں رہتے تھے۔
(۷۰) اگر تم اس سے زیادہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو اخبار فیسکارو کو دیکھو۔
(۷۱) اے مُبارک نژاد بادشاہ خبردار ہو اور گذشتہ تاریخ کو یاد کر۔
(۷۲) اگر قرض لیتا ہے تو ملک آباد کر اُس کی حدود کی حفاظت کر اور لشکر کی پرورش کر۔
(۷۳) کوئی نہیں پوچھتا ہے کہ بادشاہ نے کیوں قرض کیا۔ زمانہ کیا جانتا ہے کہ قرض کو فرض کرلیا ہے۔
(۷۴) نہ کوئی روتا ہے کہ ہم مقروض ہوگئے یا سُود میں مغبُون ہوگئے۔
(۷۵) مگر اُس کے خرچ کو سب دیکھتے ہیں اور اُس کے ہرج ومرج میں زبان چلاتے ہیں۔
(۷۶) اگر قرض بے جا خرچ میں ہوگا تو زمین سے لے کر ثریا تک شور پہنچے گا۔
(۷۷) قوم سے لے اور قوم کو دے بیگانوں کی جیب میں مت ڈال۔
(۷۸) رعیت ہر نکتہ سے واقف ہے ہر خرچ اور ہر آمدنی کو جانتی ہے۔
(۷۹) اگر قرض کروروں ہو اُس کا ادا کرنا عقل کے ساتھ آسان ہے۔
(۸۰) مُلک پر قرض کرنا کہاں جائز ہے اگر یہ نہ معلوم ہو کہ اُس کی آمدنی کہاں سے ہے
(کُجا قرض بر مُلک کردن روا ست)
(۸۱) بادشاہ اور رعیت نفع اور ضرر اور بیش وکم میں ایک ساتھ شریک ہیں۔
(۸۲) اے ایران کے ولی نعمت اور منصف بادشاہ بیگانوں کے مُلک پر ایک نظر ڈال۔
(۸۳) اور عدالت کا دروازہ کھول رعیت پر نوازش اور مہربانی کر۔
(۸۴) سب سے پہلے علم کا چراغ روشن کر جہالت کے جسم کو سرتاپا جلا دے۔
(۸۵) فکر وقلم کی باگ چھوڑ دے اسی سے دُنیا میں تمدن ظاہر ہوا ہے۔
(۸۶) محبت اور انصاف سے رعیت پر مہربانی کر مساوات کو دُنیا میں پیشہ بنا
(۸۷) اگر تو قانون کے ساتھ خراج لے گا تو سلطنت کے سب کام ترقی پائیں گے۔

(۳۵) ایک وزیر نے جو برسوں سلطنت کے مٹانے میں نالائقی کے راستہ میں تکلیفیں اُٹھاتا ہے۔
(۳۶) جو ہمارے دین و آئین کا دُشمن ہے بظاہر ہمارا دائیں بازو والا دوست ہے۔
(۳۷) اپنے خاص لوگوں کی مجلس آراستہ کی اور اپنے دوستوں کے ساتھ گفتگو کی۔
(۳۸) مصلحت کے لئے مجلس آراستہ کی بیٹھے بات چیت کی اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔
(۳۹) یہ رائے قرار پائی کہ بادشاہ سے عرض کرنا چاہئے کہ ہمسایوں سے ایک رقم قرض لے۔
(۴۰) اور اگر وہ رہن طلب کریں تو ہم جلد اصل و سُود کے عوض میں چنگی کا محصول دے دیں گے۔
(۴۱) بادشاہ رُوس ایران کے بادشاہ کی دوستی کا یقیناً دم بھرتا ہے۔
(۴۲) اُس سے جو کچھ مانگیں گے عطا کر دے گا۔ ہمارا پُرانا حق عطا کر دے گا۔
(۴۳) ایک نے کہا کہ قوم خاموش نہ ہوگی۔ دوسرے نے کہا مخلوق کی آنکھیں اور کان کہاں ہوتے ہیں؟
(۴۴) ایک نے کہا یہ راستہ سخت اور پیچیدہ ہے دوسرے نے کہا کہ عاشق کسی بات سے نہیں ڈرتا ہے۔
(۴۵) الغرض سیر فرنگستان کے عنوان سے مُلک و ملت بے شرم ہو گئے۔
(۴۶) پُرانے دلال کو تلاش کیا۔ جلّال کو جال میں پھانسا (جلّال) جھول بیچنے والا
(۴۷) وہ بیع وطن پر راضی ہو گیا۔ خدا اس کی عقل پر خاک ڈالے اور تُف ہے اسکی بینائی پر۔
(۴۸) عجم کا سفیر کمینہ کا بچہ نکلا اور عجم کے تخت پر خاک سیاہ پڑ گئی۔
(۴۹) بد اصل سے ہرگز اُمید نہ رکھو۔ بادشاہ کی اس سے زیادہ خدمت بجالاتا ہے۔
(۵۰) تمام مُلک ایران اور تمام مخلوق کو رُوس کے ہاتھ قطعی بیع کر دیا۔
(۵۱) جب یہ منحوس شکل قبول ہو گئی اُس کے بعد پیسہ کا سوال آیا۔
(۵۲) رشوت قرض کی مقدار سے بھی بڑھ گئی کیونکہ رُوس پر حق خدمت فرض تھا۔
(۵۳) ایرانیوں سے جو کچھ چاہتے تھے وُہ انہوں نے کر دیا اور صف ماتم بچھائی۔
(۵۴) خُدا اُن کے ہاتھ توڑ دیتا جب اُنہوں نے ہم کو بدبخت قیدی بنا دیا۔
(۵۵) خُدا اُس کو اقتدار سے گرا دے جو شخص بھی اس ننگ و عار کا سبب ہوا ہے۔
(۵۶) بہرحال چند ننگ و عار کے ساتھ ہم کو زنجیر میں قید کر دیا۔
(۵۷) جب مٹھی بھر پیسے بے شرمی سے وصول کر لئے تو اُس کے لُوٹنے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔
(۵۸) دو تہائی تو ان ڈاکوؤں کی لُوٹ میں چلے گئے اور اُن میں تقسیم ہو گئے۔
(۵۹) دوسری تہائی سفر کے نام سے چلی گئی۔ اس طرح گئے کہ میرے سر پر خاک پڑ گئی۔
(۶۰) وہاں پہنچے جہاں اُن کا مطلوب تھا۔ محبوب دلربائیوں سے پُر تھا۔
(۶۱) سب کے ہاتھ سے دل لے گئے۔ دل کیا گیا دین و دنیا ر چلا گیا۔

(۹) میں خراج اس واسطے نہیں لیتا ہوں کہ اس تخت و تاج کو اپنے لئے زینت دوں۔
(۱۰) اگر میں عورتوں کی مانند کپڑے پہنوں گا تو بہادری سے دشمن کو کس طرح دفع کرونگا۔
(۱۱) اگرچہ مجھے بھی سینکڑوں قسم کی خواہشیں اور لالچ ہیں لیکن خزانہ مجھ اکیلے ہی کا تو نہیں ہے۔
(۱۲) خزانہ تو لشکر کا حصہ ہوتا ہے۔ زیور و آرائش کے لئے نہیں ہوتا۔
(۱۳) جو فوج بادشاہ سے خوشدل نہیں ہوتی ہے وہ ملک کی حدود کی حفاظت نہیں کرتی۔
(۱۴) جب دشمن گاؤں والے کا گدھا پکڑ کرلے گیا تو پھر بادشاہ دسواں حصہ خراج کیوں لیتا ہے۔
(۱۵) دشمن اُس کا گدھا لے گیا اور بادشاہ خراج تو اس تخت و تاج کا کیا اقبال رہ گیا۔
(۱۶) عاجزوں پر ظلم کرنا مُروّت نہیں ہے۔ چڑیا چیونٹی کے آگے سے دانہ لے جاتی ہے؟
(۱۷) اگر تو پرورش کرے تو رعیت درخت کی مانند ہے۔ اُس وقت دوستوں کے
مقصد کے موافق پھل کھائے گا۔
(۱۸) بیرحمی سے اُس کی بیخ و بُنیاد مت اُکھاڑ کیونکہ خدا کی قسم اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارتا ہے۔
(۱۹) وہ لوگ قسمت اور جوانی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں جو کمزوروں پر سختی نہیں کرتے ہیں۔
(۲۰) تو نے مُنصف بادشاہ سے ایسی نصیحت سُنی جو آبِ زر سے لکھنی چاہئے۔
(۲۱) اُس نے باج و خراج کے معنی اور ہر صاحبِ تخت و تاج کے فرائض بیان کر دئے۔
(۲۲) کہ خراج لشکر کے سامان کے لئے ہوتا ہے کیونکہ لشکر ملک کا محافظ ہوتا ہے۔
(۲۳) اب ذرا سا ہمارا حال بھی سُن لو اور ہمارے اقوال و افعال کی بُرائی بھی سُن لو۔
(۲۴) امیر کبیر اتابک کے بعد کہ خُدا اُس کا عقبیٰ میں دستگیر ہو۔
(۲۵) ایران کی آمدنی اُس کے خرچ سے زیادہ تھی۔ اُس کے حالات کی تاریخ کو یاد کرو۔
(۲۶) جب شاہ شہید دشمن کے ضرر سے اچھی صُورت کے ساتھ جنّت کو چلے گئے۔
(۲۷) پچاس برس میں جو مال جمع کیا تھا۔ اُس کا ۳/۵ رندلوگ اُڑا کرلے گئے۔
(۲۸) میں نہیں جانتا کہ وہ خزانے جو اس محنت سے جمع کئے تھے کہاں چلے گئے۔
(۲۹) یہ بہتر ہے کہ میں کہوں خزانہ ہی نہ تھا اور اگر تھا تو چور کس طرح لے گیا۔
(۳۰) اس کام سے پھر بھی فارغ نہ ہوئے۔ دربار میں مکر و فریب چلنے لگے۔
(۳۱) بتانِ فرنگی نژاد کی خواہش پھر اُن کے دماغوں میں بھر گئی۔
(۳۲) جس وجہ سے ہمارے مزاجوں کو عادت پڑ گئی ہے سوائے کامیابی کے کوئی علاج نہیں ہے۔
(۳۳) فکر میں پڑ گئے کہ کیا علاج کریں راستہ کا خرچ کس طرح مہیا کریں۔
(۳۴) مگر اُن کا تو قصد ہی اور تھا کہ سلطنت کے مٹانے میں ہُنر دکھائیں۔

وزارت وصدارت نہ کرے اور اسی طرح کوئی حاجی میرزا آقاسی کے حال کو یاد نہیں کرتا کہ بحر خزر
کو یاد کرے اور ہرات کا داغ جو سینہ پر کھایا میرزا آقا خاں نوری کے نام کی یادگار کے لئے
قیامت تک کافی ہے۔ یہ سب مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ نہ ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ فلاں
وزیر اسپیچ دیتا ہے کہ اگر مجلس شوریٰ قائم ہوگئی تو مجلس شوریٰ کے ممبروں کا پیٹ پھاڑ دے گی
ان بیانات کے بعد میں کہتا ہوں کہ واہ رے خیال باطل اور افکار جاہل اس سے زیادہ اس
قسم کے عقل و انصاف سے دور خیالات کے خیر و شر کی شرح و تبسط نہیں کی جا سکتی اور یہ
مجھے عجز و انکسار سے عرض کر کے کلام کو ختم کرتا ہوں۔ بادشاہ کے نوکران صادق کو چاہیئے
کہ اس دور زمانہ میں آزادی کو بیش بہا و خاطر بنا کے اور موقع کو غنیمت جان کر ہرگز باطل میں
وقت ضائع نہ کریں اور ہمہ تن اپنے وطن بیمار و مریض کے علاج اور بہبودی کی فکر میں مصروف
ہو کر اس کے علاج کی کوشش کریں اور جنبش فرزانہ مردانہ کریں شاید وزرائے وطن دوست
و بادشاہ پرست غیرت دوستی کی مدد سے وطن و ملت کا یہ مرض مزمن شفا پا جائے۔ اور یہ خدا سے
ہی توفیق ہے اور اسی پر بھروسہ ہے" الغرض جو کچھ غیرت دوستی کے لوازم ہیں بجا لائیں اور
حق کہیں اور حق سنیں کیونکہ آخر کار کلام حق اپنا اثر دکھاتا ہے۔ سعہ

(۱) اب جب کہ تیرے ہاتھ میں اختیار ہے کاموں کے سمجھنے اور سوچنے کا وقت ہے۔
(۲) شاہد علم و حلم کے پاس پنجہ جہالت سے جلد اپنا ہاتھ ہٹا لے۔
(۳) اے عقل والے چشم عبرت کھول اور اے ہوش والے اس کتاب کی قدر کر۔
(۴) اے وہ شخص کہ دیدۂ عبرت بیں رکھتا ہے دل کھولنے والوں کے حال پر نوحہ پڑھ۔

"ایک ادیب کا پندنامہ جو اس مقال کے لائق تھا منادیکھ کر حبل المتین سے نقل کیا گیا"

(۱) اے سعدی تو بات کہنے میں دلیر ہے۔ جب تیرے ہاتھ میں تلوار ہے تو فتح کر۔
(۲) جو کچھ تو جانتا ہے کہہ کیونکہ حق بات کا کہنا بہتر ہے۔ کلام مثل موتی کے ہے اور موتی پرویا ہوا ہی بہتر ہے۔
(۳) زبان کو پند و حکمت سے دھو۔ لالچ چھوڑ دے اور جو کچھ چاہتا ہے کہہ۔
(۴) اگر علم کے دشمن چوروں کی طرح سے داہنے اور بائیں گھات میں ہیں۔
(۵) تو راستی کی راہ سے کیوں بھاگتا ہے۔ یقیناً وہ تیرا تار مضبوط رسی میں سے نہ کاٹ سکیں گے۔
(۶) میں نے سنا ہے کہ ایک منصف بادشاہ کے پاس ایک قبا تھی جس کے دونوں طرف استر تھا۔
(۷) کسی نے اس سے کہا کہ اے خوش نصیب بادشاہ! دیبائے چینی کی قبا سلوا۔
(۸) جواب دیا کہ اس قدر تو بدن کا ڈھکنا اور آرام ہے اور اس سے آگے بڑھو تو زیب و زینت ہے۔

کوئی شبہ کی جگہ نہیں کہ تم رکھتے ہو۔ جواب دیا کہ تو سچ کہتا ہے مگر کلام اس میں ہے کہ بادشاہ کی ذات اقدس تو ایک شخص سے زیادہ نہیں ہے۔ جس قدر لطف و مرحمت اپنے چاکر کے بارے میں فرمائیں گے ان تمام رخنہ گروں اور دردمندوں اور حاسدوں کے مقابل میں عاجز ہو جائیں گے یقیناً اپنی ذات اقدس کی آسودگی کے لئے مجھ کو قربان کردیں گے۔ میں نے کہا کہ مخربین کا علاج تو نے وقت سے پہلے کیوں نہیں کیا۔ جواب دیا کہ مجھے ہوش ہی نہ لینے دیا کہ قوم کو بعض اصلاحات کے لئے آمادہ کر دیتا ورنہ میں کانسٹیٹیوشن قائم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سب سے بڑی رُکاوٹ روسی تھے انگریز اس وقت کمال ہمراہی ظاہر کر کے خفیہ وعدہ کرتے تھے اور ایسا ظاہر کرتے تھے کہ گویا موقع کے منتظر ہیں۔ یہ خارجی رُکاوٹ ہمارے وطن کی خاک پاک کی تاریکی کے لئے موانع داخلی کی موید ہوگئی۔ جو کچھ ہو نہ ہونا چاہئے تھا ہو گیا۔ ان دونوں رقیبوں کی تدابیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کے چند بہادر و شجاع نوکروں نے کہا کہ اگر مجلس شوریٰ بن گئی تو ہم خنجر سے اپنا پیٹ پھاڑ لیں گے۔ امریکہ ہمارے ولی نعمت بادشاہ اور اس کے استقلال کو نقصان پہنچائے ہماری غیرت قبول نہیں کرتی کہ اس کو جاری ہونے دیں اس قسم کی صریح دُشمنی کو محض غرض کی وجہ سے اپنے ولی نعمت کی دوستی بتاتے تھے۔ ان تفصیلات و تمثیلات کے بعد میں افسوس کے ساتھ گوہر فرانش پرنس ملکم خاں کے سخنان یگانہ کی تصدیق کرتا ہوں کہ کوئی سلطنت مثل ایران کے خطرہ میں نہیں ہے اور باوجود اس کے ارکان سلطنت ایسے آرام سے بیٹھے ہیں اور مال کے کاموں میں عمارت و پارک کے اسباب اور آرائش کے جمع کرنے میں تفنن کے ساتھ ایسے مشغول ہیں کہ جو شخص باہر سے اُن کی حالت ملاحظہ کرے خیال کرے گا کہ وہ معزز و محترم مہمانوں کے بندوبست میں ہیں۔ جن کو اپنی شادی میں بُلایا ہے۔ مؤرخین ایران ایک وقت افسوس کریں گے اور روئیں گے کہ اس مُلک کے وُزرا نے ایسے بڑے خطروں کے درمیان نزع کی حالت میں ملت ایران کی تنظیم اور سلطنت کی ترکیب کیوں نہ شروع کی اور وزارت کی تکمیل کو مزخرفات اور ایام بربری کی قید کے ساتھ موصوف سمجھتے رہے۔ ہزار افسوس اور صد ہزار افسوس کہ میں کتنا ہی کہوں گا سلطنت کے خودرائے وزیروں کو ایران کے خودرائے وزیروں کو ایران کے خطروں کی عظمت نہ سمجھا سکوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ اس بے قانونی اور بے نظمی کی حالت میں خطرات خارجہ کچھ دیر تک اُن کو مُہلت دیں گے مگر اندرونی بلا سے کسی وزیر کو بے خوف نہ ہونا چاہئے کہ اُس کو دست جلاد کی بدترین سزا کے سنرا کے سپرد کر دیں گے یا بڑی رذالت اور برائی سے اس کو معزول کر دیں گے۔ جیسا کہ اتابک اعظم میرزا تقی خاں امیر نظام نے کاشان کے حمام میں غسل توبہ کیا کہ پھر کوئی دولت و مملکت میں بغیر قانون و نظام کے

نقشہ کی طرف لوٹیں گے۔ مقصد اصلی یہ ہے کہ ارکان سلطنت ایران کو لازم ہوگیا ہے کہ آج کے دن سے اس نکتۂ اہم کو مد نظر سے دور نہ کریں۔ ایسے لوگ ضرور موجود ہیں کہ اس مسئلہ کے حل کرنے میں فکر سلیم رکھتے ہیں لیکن گمان نہیں کیا جا سکتا کہ ارکان سلطنت کے رئیس اول کی ذات اپنے آپ کو دوسروں کے قول و فکر کی محتاج سمجھے گی اور کسی سے سچائی اور رہنمائی کی بات سُنے گی۔ جس میں اُس کا ذاتی نفع نہ ہو اور چاہے سلطنت کے لئے بید مفید ہو سو میں کیا کہوں کہ تمام* شہر میں زندہ کہاں ہے اور دریائے زندگی کی طرف دوڑنے والا کہاں ہے۔

ہم صرف یہ تشریح کرنا چاہتے ہیں کہ ہندی بیگم یعنی معشوقیت ہندوستان اور ان دو عاشق بے قرار کی رقابت دنیا والوں کے سر پر کیا بلائیں نازل کی ہیں۔ باوجودیکہ ایران میں ایک کوس سڑک نہیں۔ ایک کالج نہیں ہے۔ کوئی صحیح تجارت خانہ فن کے لحاظ سے نہیں ہے۔ ایک درکشاپ نہیں ہے۔ قانون نہیں ہے۔ کچھ نہیں ہے۔ نہیں ہے۔ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ وہ شور دیکھنا چاہئے جو ہندوستان کے مسئلہ نے دُنیا پر ڈال دیا اور ڈال رہا ہے۔ اسوقت تک ایران کے ساتھ کیا کیا ہے! سرجان ملکم کا ہندوستان کی وجہ سے ایران میں آنا ہوا جس نے میٹھی باتوں اور جھوٹے وعدوں سے ایران کے کام کو سو سال پیچھے ڈال دیا۔ علاقہ مروہ اور ہرات کا نکل جانا بلوچستان مسقط اور تمام بر عمان اور سیستان کو الوداع کہنا بھی ہندوستان کے مسئلہ کی وجہ سے تھا اور ہے۔ اب تفصیل سے غرض ایک حد تک معلوم ہوگئی کہ آخریں پھر پہلی اسکیم یعنی پیٹر اعظم کے نقشہ کو جو ہماری خاک پاک سے ہے دوسی نظر میں رکھیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ پالٹیکس کے لحاظ سے ہمارے مستقبل کے لئے یہ مسئلہ بحث و تشریح کا بید محتاج ہے۔ افسوس کسی کو اس کی فکر نہیں ہے اور اگر کبھی کسی کے دل میں خیال گذرتا ہے اور بحث و مذاکرہ کے موقع میں رکھتے ہیں تو علاج کی فکر نہیں کرتے ہیں اور اس بارے میں بالکل فکر نہیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا علاج وقوع سے پہلے نہیں کیا۔ اور وقوع کے بعد بھی کام حد سے گذر گیا اور اس کا علاج مشکل بلکہ محال ہو جائے گا۔ بدیہی بات ہے کہ اس قسم کے دشوار و اہم کاموں کا علاج ایک سلطنت میں ایک دو شخص کے خیال سے انجام نہیں پا سکتا۔ سلطنت اور پالٹیکس کے بڑے بڑے کاموں میں ایک بڑی مجلس شوریٰ صحیح اور درست قانون کے ساتھ چاہئے جو اس وقت ہمارے پاس نہیں ہے اور اگر مجلس بنالیں تو جونہی کہ تمدن کا ذکر کریں گے اور مدنیت کی بات کہیں گے تو یہی حریفان دوست نما مانع ہو جائیں گے جیسا کہ ایک معتبر شخص لکھتا ہے۔ میں بیچارے میرزا تقی خان امیر نظام کا ہمیشہ محرم راز اور ہوا خواہ تھا خصوصاً اضطرار و پریشانی کے دنوں میں بادشاہی تحریروں کو جو غالباً اعتبار انگیز تھے مجھ کو دکھاتا تھا اور میں زیارت کرتا تھا اور میں کہتا تھا کہ اگر ایک فیصدی بھی سچ ہو تو

اور مصارف کے تحمل میں امپراطور کو منفعت ملحوظ اور منظور تھی ایک یہ کہ سائبیریا کا وسیع اور لے باپ
صحرا کا ملک آباد اور محل سکونت ہو جائے دوسرے یہ کہ اس راستہ سے مقصود حاصل ہو جائے اور
اس نقشہ کو بنا کر سائبیریا میں ریلوے بنانے کا حکم دیا۔ چونکہ اس اقدام میں صرف کثیر کی ضرورت
تھی فرانس کے ساتھ عقد اتفاق باندھا اور کل رقم فرانس سے قرض لی اور سائبیریا کی ریلوے
لائن بنانے میں صرف کیا۔ جب ریلوے نصف کو پہنچی انگریز جو شروع میں گمان نہیں کرتے تھے۔
کہ روس کو اس بھاری رقم کا بندوبست میسر آجائے گا اور اس بڑے کام کو انجام دے سکے
گا ہوش میں مگر اس وقت معلوم ہوا کہ جس کو وہ محال سمجھتے تھے وہ اتمام و انجام کے قریب تھا
اور یہ غفلت میں پڑے رہے لہذا فوراً تمہید کے درپے ہوئے کہ یورپ میں ایک بڑی بلکہ عالمگیر
جنگ چھیڑ دیں اور ضمناً روس کو اس تشبث سے باز رکھ کر اس کے اقدامات کو ناتمام چھوڑ دیں
انتقال کا پہلا سبب ارمنیوں کو قرار دیا اور ان بیوقوفوں کو اپنی حکمران سلطنت ٹرکی کے
خلاف بھڑکا دیا۔ روسیوں نے یہ بات سمجھ کر پروانہ کی۔ کئی ہزار ارمنیوں کی جانیں انگریزی
پالٹیکس کی تمہید پر قربان کیں۔ جب اس کارروائی سے مقصد حاصل نہ ہوا تو بات آگے نہ بڑھی۔
یونان کو اُبھار کر ٹرکی و یونان میں جنگ کرا دی پھر روسیوں نے اس باریکی کو سمجھ کر پروانہ کی عزیزانہ
طریقہ سے یونان کو نصیحت کی اور لڑائی بند کرنے کی حمایت تدابیر کیں۔ پھر انگریزوں کا مقصد
حاصل نہ ہوا تو کریٹ کے مسئلہ کو آگے رکھ دیا اس میں ایک حد تک انہیں کامیابی حاصل
ہوئی کیونکہ انگریز بہت عرصہ سے جزیرہ کریٹ کے بارے میں متفکر تھے کہ ایسا نہ ہو روسیوں
کے ہاتھ میں پڑ جائے چنانچہ چند سال پہلے یہ خبر پھیلی تھی کہ سلطنت ٹرکی نے جزیرہ کریٹ کا
عثمان پاشا سفیر پیٹرسبرگ کے واسطہ سے دس کروڑ منات یا قفقاز کے ایک ضلع کے عوض
میں روسیوں سے تبادلہ کر لیا یا کر رہی ہے تحقیق کرنے کے بعد انگریزوں نے قدم سعی بڑھا کر
جس وسیلہ و تدبیر سے ممکن ہوا معاملہ کو درہم و برہم کر دیا۔ چونکہ روسیوں کو بحر سفید میں کشتیوں
کے ٹھہرنے اور کوئلہ کے بھرنے کے لئے ایک جائے پناہ کی ضرورت تھی جس کا دریائے ہند اور بحر اصفر جاپان
سے دسترس ہوا اور ضرورت کے وقت بحر پالٹیک اُس کے مقصد سے دور تھا یہ وجہ تھی کہ کریٹ کو
ٹرکی کے نقشہ سے نکال کر اپنی حکومت میں شامل کرنا چاہتے تھے سلطنت انگلشیہ کو اپنی تدبیروں
سے مایوس ہونے کے بعد کوئی چارہ نہ رہا سوائے اس کے کہ میکاڈو شہنشاہ جاپان کے دامن پر توسل
کا ہاتھ بڑھا کر اتفاق کی خواہش کی اور عہد نامہ کیا کہ روسیوں کو منچوریا اور تبت کے راستہ سے
ہندوستان کی طرف بڑھنے سے دفع کرنے میں اُس کی مدد کرے۔ اگر سلطنت جاپان کو ہندوستان
کی مضبوط دیوار قرار دیں گے تو اس صورت میں روسی ہندوستان پر حملہ کرنے میں پیٹر اعظم کے

رکھتا ہوں سے شاید کسی دن کوئی صاحب دل رحم کرکے اس مسکین کے حق میں دُعائے خیر کرے۔

"باز گو از نجد و از یاران نجد"

اس سیاحت نامہ کی جلد اول کے خاتمہ میں ایک وطن کے دانشمند کے قول کی بنا پر ایک مقالہ (آرٹیکل) "ایران کی پالٹیکس کیا ہے؟ کشتی سلطنت کہاں جارہی ہے؟ اور روسیوں کے خیالات کہ مُراد پلنگ صحرا اور نہنگ دریا سے ہے کیا ہیں اور دراصل ایران کی پالٹیکس کس درجہ پہ ہے؟" کے عنوان سے تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔ اب ضروری معلوم ہوا کہ اس بات کی وضاحت کے لئے اُن کے خیالات کی تبدیلی کو جو اس آخری زمانہ میں ظاہر ہوئے ہے اس جلد کے خاتمہ میں کسی قدر تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا معشوقہ ہندوستان نے ان دو صاحب اقتدار سلطنتوں کے بیچ میں کل دنیا کے سر پر عموماً اور ایرانیوں پر خصوصاً کیا کیا بلائیں نازل کی ہیں۔ یہ تمام قتل و غارت اور جنگ و آشوب و فتنہ جو اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے حملہ ہندوستان یا اس کی مدافعت کے نام سے ہوا ہے۔ چنانچہ سابق میں انگریز مصر میں آئے اور نپولین نے اُن کو باہر نکال دیا اور اب انہوں نے تسلط پایا ہے۔ یہ ہندوستان کا دروازہ کھولنے یا بند کرنے کے لئے ہوا ہے۔

سیباسٹاپول اور قفقاز کی لڑائیاں اور چند مرتبہ سلطنت ترکی کا نقصان کوئی اور سبب نہیں رکھتا تھا مگر حملہ یا مدافعت ہندوستان۔ پیٹر اعظم کی وصیت کے بموجب جو اس نے روسیوں کو کی۔ کسی نہ کسی صورت سے ہندوستان کو حتمی فتح کر لینا چاہئے اور یہ خیال کیا ہے کہ کبھی روسیوں کے دماغ سے باہر نہ نکلے گا چاہے دُنیا زیر و زبر ہو جائے۔ دوسری طرف انگلش قوم نے اپنے فرد فرد پر فرض عین سمجھا ہے کہ ہندوستان کی بقا کے راستہ میں جو انگریزوں کے شرف و سیادت کا باعث دنیا میں ہوا ہے کسی قسم کی جانفشانی سے مضائقہ نہ کریں گے۔ اور ہندوستان کی حفاظت کے لئے کوشش کریں گے اور ہمیشہ پیٹر اعظم کے نقشہ کو ہندوستان کی جانب حملہ میں رکھ کر اس کے باطل کرنے کے لئے چلائیں گے اور اُس کے سامان اور عبور و مرور کے راستہ کو یاد کرتے رہیں گے۔ یہ مسئلہ ہر شخص نے پڑھا یا سُنا ہے اور اس کے موضوع کو اچھی طرح جانتا ہے۔ البتہ اسی آخری زمانہ میں الگزینڈر امپراطور روس نے پیٹر اعظم کے نقشہ کو اپنے حال پر چھوڑ کر ایک نیا نقشہ اور نئی اسکیم بنائی ہے کہ اصل راستہ کو چھوڑ کر ہندوستان پر حملہ کرے اگرچہ یہ راستہ غیر معمولی اور دشوار گذار اور صرف کثیر کا حامل تھا لیکن اس زحمت

ترقی کا دروازہ قوم کے سامنے کھلا ہوا دیکھوں گا لہذا میں اپنے عقیدہ پر عمل کرتا ہوں منافی ذاتی کا نہیں کرتا ہوں۔ یہ بے شبہ تحریریں مجھ بے علم شخص کی شہرت کا باعث نہ ہوں گی اور نہ یہ میرا مقصد ہے میں بے غرض باتیں جو اغراق و مبالغہ سے مبرا ہیں کہتا ہوں اور سوائے خُدا کے کسی سے خوف وہراس نہیں رکھتا ہوں اور اگر مخلوق سے مجھے کوئی نقصان پہنچے گا تو افتخار کا باعث ہوگا نہ انکسار کا کیونکہ جو کچھ اسلامیت و انسانیت و حب وطن کی راہ میں پیش آئے گا وہ اچھا ہوگا ؎

ترک مال اور ترک جان اور ترک سر معشوق کی راہ میں پہلی منزل ہے۔

اور یہ بات میں بآواز بلند کہتا ہوں جن لوگوں نے مجھ کو پہچان لیا ہے جانتے ہیں اور جو لوگ مجھے نہیں پہچانتے ہیں میں اُن سے اپنا تعارف کراتا ہوں۔ یہ لکھنے والا محض طبقہ عوام سے اور محض جاہل بے پڑھا اپنا سے وطن سے ہے۔ پڑھا نہیں۔ مدرسہ نہیں گیا۔ چراغ کا دھواں نہیں کھایا۔ اُستاد کی گوشمالی نہیں دیکھی۔ اور علم کی بخشش کے شیریں چشمہ سے حلاوت نہیں چکھی بکر و خالد کے مباحثہ میں نہیں رہا۔ نہ زید کو مارا اور نہ عمرو سے ڈنڈے کھائے۔ میرے دین و آئین کو اس کتاب کی تحریروں سے استنباط کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے "کلام متکلم کی تعریف ہوتا ہے"۔

خدا کی پرستش کے بعد وہی قانون دین مبین اسلام) میرا مذہب پرستش وطن اور حب وطن ہے۔ اُس کی محبت اور دشمنی میں ثابت قدم ہوں۔ اُس کے دُشمن کا دشمن اور اس کے دوست کا دوست نہ کسی سے کوئی غرض رکھتا ہوں۔ اور نہ کسی سے رنج۔ ؎

(۱) میرے قول کی سچائی کا خدا گواہ ہے۔ مجھے مخلوق کے رد و تصدیق سے کیا ڈر ہے۔

(۲) میں تو یار کا عاشق ہوں کفر و ایمان سے مجھے کیا کام ہے۔ میں تو برہنہ مفلس ہوں مجھ کو زوال و سلطان سے کیا کام ہے۔

(۳) میرا قبلہ و محراب اس ابروئے دلدار ہے اس دیوانہ دل کو اس سے اور اُس سے کیا کام ہے۔

(۴) میں بہر صورت جو کچھ ہوں سو ہوں۔ میں جانتا ہوں اور دوست جو کچھ ہوں سو ہوں۔

قارئین محترم سے میری استدعا ہے کہ مجھے اور میری بے ربط تحریروں کو دیکھ کر صورت میں نہ ہو جائیں۔ قول کی سچائی پر نظر کر کے معنی کو سمجھیں "جو کہا گیا ہے اُس کی طرف دیکھو اور جس نے کہا ہے اُس کی طرف مت دیکھو" کے کلیہ کو ہاتھ سے نہ دیں ؎ قائل کا شرف اور رذالت کلام میں کچھ نہیں پیدا کرتا تو بات کو دیکھ کہ اُس کا ڈھنگ کیا ہے۔ بات کہنے والے کو مت دیکھ۔

اگر میری بات میں مبالغہ اور جھوٹ پائیں تو مجھے طعنہ اور لعنت کا مستحق سمجھیں اگر اُس کی سادگی اور سچائی کا اقرار کریں تو جو کچھ ہم وطنوں کا انصاف ہے میں اپنے حق میں اسی کی امید

ملک وملت مدام وقوام نہیں رکھتا جیسا کہ آج کل تمام بڑی بڑی سلطنتیں جد وجہد کے ساتھ اس اصول کی پیروی کرتے ہیں "جس شخص نے کوئی شے طلب کی اور کوشش کی اُس کو پا لیا اور جس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور لجاجت کی کُھل گیا" بدیہی بات ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے پاتا ہے اور جو شخص جد وجہد کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو ضرور کُھل جاتا ہے۔ آمر کی حُسن نیت پر موقوف ہے کہ تمام امور کو شوری کے موقع پر مذاکرہ کے لئے رکھ دے۔ جس چیز کا نفع عام ہے نہ کسی خاص کا ذاتی نفع اس کو اجرا کریں۔ اگر کسی ضروری بات میں عام لوگوں کی اصلاح کے لئے کوئی بات کسی کو دکھائی دے تو مجلس کے تمام ممبروں کو چاہیے اُس شخص سے عداوت باطنی ہو اُس کی دشمنی کا خیال کر کے اس کا قول رد نہ کرنا چاہئے اور جہالت کر کے اس کی مصلاح والی بات سے انکار کرنا نہ چاہئے ورنہ بہت جلد اپنے عمل کی جزا پائیں گے بلکہ اُن کی اولادیں بھی سرایت کرے گی "دُنیا اور آخرت کا نقصان" ہوں گے۔ ہرگز دُنیا اور آخرت میں نیکی نہ دیکھیں گے۔ ہزاروں ایسے اشخاص کا انجام دیکھا اور سُنا ہے ؎

(۱) میں نے مانا کہ اس امر شنیع کو تو نے خلق سے چھپا لیا مگر خُدا سے کب چھپا سکیگا جو سمیع و بصیر ہے

(۲) جنت اور دوزخ جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے اگر تو سمجھے تو سب تیرے ہی مشہود ہیں۔

(۳) قیامت میں جو کچھ تیری کمی بیشی ہوگی وہ آج تیرے سامنے کمی و بیشی موجود ہے۔

(۴) تیرے سامنے آئینہ ہمیشہ موجود ہے۔ تیرے عیب تجھ کو بال بال دکھا رہا ہے۔

(۵) اے بیٹے تیرے قول وفعل نیک ہونے چاہئیں اور تمام سربسر اخلاق ہونے چاہئیں۔

(۶) جو راحت ورنج تیرے اقبال میں ہے سب تیرے اقوال وافعال سے ہیں۔

(۷) جب تیرا خلق خدا کے خُلق کے مطابق ہوگا تو بے شک اپنی مُراد پالے گا۔

میں نے کہا کہ آپ کا فرمانا تمام صحیح اور متین ہے اور غرض سے خالی ہے مگر باوجود ان تمام مراتب کے نا امید و مایوس نہ ہونا چاہئے۔ کام میں نقصان اور ہمارے پیچھے رہ جانے کا سبب یہی ایک منحوس کلمہ دیتجے کیا اور مجھے کیا ہے غیرت وحمیت والوں کو نہ چاہئے کہ یہ کلمہ زبان پر لائیں "ظالم کے سامنے حق بات کہنا افضل اعمال ہے" کلمہ حق کہنا چاہئے اور خُدا سے اُس کا بدلہ مانگنا چاہئے ؎ تو نیکی کر اور دجلہ میں ڈال دے کہ پھر خدا تجھ کو اسکا بدلہ بیابان میں دے دیگا۔ اگر غم طوفان میں نوح علیہ السلام کی طرح تجھے صبر ہے تو بلا دُور ہو جائے گی اور ہزار برس کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

"اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوطی کرو اور جہاد کیلئے مستعد رہو۔ اور خدا سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ میں قوی اُمید کرتا ہوں کہ اس بادشاہ کے عہد میں عدل کی آیت پڑھوں گا اور

اسباب شریعت و رعیت کی حفاظت کے لئے اور تجربہ کار لوگوں کو مہیا کرنے اور امور سلطنتی و قومی کو ان کے ہاتھ میں سپرد کرنے اور وزرائے عاقل و دانا و امین کے اقتدار سے ہے حکم دیا ہے۔ اور خائن سے مساوات کی رعایت کے ساتھ احتراز کرنے کو کہا ہے۔ یقیناً ملک و ملت عادلانہ اور صائب تدابیر کے ساتھ باقی رہتا ہے اور سلطنت رونق پاتی ہے سلطنت کی شوکت بڑھتی ہے ملک سرسبز ہوتا ہے ارزانی و فراوانی ظاہر ہوتی ہے۔ بلاہائے مبرم اور وبا اور طاعون کی بیماری ناپید ہوجاتی ہے۔ بادشاہ کی نیکی اور عدالت کا پھیلنا تمام مخلوقات کے ذروں میں ساری و طاری ہوجاتا ہے یہاں تک کہ وحوش و طیور اور حیوانات بری و بحری کو مانوس اور رام کرلیتا ہے۔ اس کے برعکس ظلم و غفلت زمین گھاس کے ریشوں کو خشک کردیتے ہیں۔ ہر قوم کی ہستی کی بنیاد کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتے ہیں۔ دولت و ملت کے زوال کا سبب ہوتے ہیں جیسا کہ پچھلے لوگوں کی تواریخ و آثار میں دیکھا اور سنا گیا ہے۔ اگر ہم گذرے ہوؤں کے تراجم حال کو پڑھیں تو معلوم ہوسکتا ہے کہ ہر عہد اور زمانہ میں اقوام و ملل نے اپنے ہاتھ سے بلاہائے مبرم کو اپنی طرف کھینچا ہے یعنی بڑے کام چھوٹوں کو اور چھوٹے کام بڑوں کو سپرد کئے اور دونوں اپنے کام سے بے بہرہ ہو گئے۔

آپ نے ضحاک کے حالات اور فریدوں کے سلطنت حاصل کرنے کو ضرور پڑھا ہوگا۔ اگر نادر کی باقی خصوصیتیں مثل اس کی بہادری اور ہمت کے ہوتیں اس کی سلطنت کبھی زوال نہ پاتی اور اس کے خاندان سے سلطنت نہ جاتی۔ اگر ہر شخص کے فرائض اس کی لیاقت اور قدرت کے موافق مقرر ہوتے تو اس وقت ہر بے وقوف جانتا کہ حدود ایران کہاں سے کہاں تک ہیں۔ ان تمام زحمات کے بعد آقا محمد خان مرحوم کو جہاں کشائی میں کیا پھل ملا کہ بیرونی دشمن کے علاوہ اندرونی بھی بنالیا۔ یہ تمام بلائیں قانون مساوات کے نہ ہونے سے ہیں کہ ایک قوم کے جان و مال اور عزت و آبرو کو برباد کر دیا ہے۔ سے مبارک فریدون فرشتہ نہ تھا مشک اور عنبر سے خمیر نہیں کیا گیا تھا۔ داد و دہش میں وہ شہرت پائی تھی تو بھی انصاف کر فریدون تو ہی ہوجائے گا۔

ہر صنف کے لئے ترقی اور اپنا فرض ادا کرنے کے واسطے اسباب و آلات کی ضرورت ہے چنانچہ درزی کو قینچی اور سوئی کی خراط کو آرہ اور لکڑہارے کی اسی طرح مملکت داری اور لشکر آرائی کے لئے اس زمانہ میں مدرسہ فنون متداولہ اور قانون مساوات اور نظام و عدل اور انتظام کی ضرورت ہے۔ جس شخص نے ان اصول کے ساتھ عمل کیا مقصد کی گیند لے گیا اور جس نے نہ کیا بیابان ناکامی میں مرگیا۔ خواہ مسلم ہو خواہ کافر خواہ صنم پرست ہو خواہ صمد پرست بغیر عدل کے

بچہ لباس نظامی امیر تومانی پہنتا ہے ہر وزیر و امیر اور پلٹن کے افسر عالم و فاضل کوئی ہو بغیر استثنار
کے اراکین سلطنت اور شاہزادگان عیور سلسلۂ جلیلہ قاچاریہ کو خاص و عام کے سامنے ہزار ہا
طرح کی گالیاں دیتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔ یہ آپ کا فوجی قانون ہے اس حال کے
ہوتے ہوئے آپ توقع کرتے کہ کام کیوں درست نہ ہونے؟ بے شک نہیں ہوسکتے اور نہ ہوں
گے کیونکہ آپ قانون نہیں رکھتے سب بے قانونی بے ترتیبی ہے۔

اگر ہم نہیں کہ انگزینڈر روم نے قانون ترتیب دیا تو ہماری غلطی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ
تیرہ سو برس پہلے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسد اللہ الغالب علی بن ابیطالب
علیہ السلام کی جانب دست بیعت دے کر فرمایا "اے لوگو جان لو اور آگاہ ہو کہ میں اپنے
فرزندوں حسنؑ و حسینؑ کو ایک بنی بریدہ غلام پر برتری نہیں دیتا ہوں۔ میرے نزدیک امور
شریعت میں حبشی غلام اور قریشی سید میرے لئے یکساں اور حقوق میں مساوی ہیں"، حضرت
عمر فاروق نے میدان عام میں اپنے بیٹے کو سزا دی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ قانون مساوات
امپراطور روس پانیوین اعظم وغیرہ شریعت غرائے اسلام سے لیا اور ان مقامات بلند پر
پہنچے مگر ہمارے لئے چنگیز کا قانون یادگار رہ گیا جب تک ہم شریعت کے قانون کی اطاعت نہ کریں گے ہمارے
کام مختل اور پریشان رہیں گے۔ اگرچہ بعض لوگ اس بارے میں اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ معاذ اللہ
خدا کی مرضی یونہی ہے یا ہماری تقدیر میں یہی ہے۔ یہ بات کسی عقلمند کے نزدیک پسندیدہ اور
معقول نہیں اور عقلاً و نقلاً یہ ہے کہ "جس شخص نے کفر کیا اس کا عذاب اُس پر ہے اور جس نے
نیکی کی وُہ اس کے نفس کے لئے ہے" "تحقیق خدا نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کو مسخر کر
دیا" پس معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے جو قادر مطلق ہے ہر چیز کو اسباب کے ساتھ پیدا کیا
ہے "منع کیا اللہ نے امور کو بغیر اُن کے اسباب کے جاری نہ کرو" اور باوجود اس عظمت
و قدرت کے بغیر اسباب کے کوئی چیز پیدا نہیں کی اور نہ پیدا کرتا ہے سوائے معجزہ کی قسم کے۔
حضرت ختمی مآب فرماتے ہیں ۔ گھروں میں دروازوں سے داخل ہو اور رزق
اُن کے اسباب طلب کرو۔

پیغمبر خدا نے اپنی اُمت کو سُستی بیکاری اور کاہلی سے منع فرمایا۔ ہر قوم کی رفاہ
حال اور دوام سلطنت اور بقائے دولت کے اسباب کو عدل و داد کے وجود سے وابستہ
قرار دیا ہے۔ بغیر عدل کے کوئی چیز دوام و ثبات نہیں رکھتی ہے۔ سلطنت کے حال سے
غفلت کرنا اور قوم کے حال سے بے خبر رہنا بہت سے مفاسد کا باعث ہے۔ عدل و داد
کے لئے کہ مُراد بیداری و ہشیاری اور ملک و قوم کی فکر میں رہنے اور مقاتلہ و جنگ و جہاد کے

معلوم نہیں کہ تجھ کو خود فائدہ پہنچے گا یا قوم کی پریشانی دور ہوگی۔ شاید تو ہلاکت میں پڑ جائے۔ اگر تو نے دیکھا اور سنا ہے کہ اہل مغرب نے اس قسم کے اوراق منتشر کر کے قوم اور سلطنت اور وطن اور اپنے وطن نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے اور ثروت حاصل کر کے قوم میں یادگار چھوڑ دی ہے تو صحیح ہے مگر ایران یورپ سے مختلف ہے۔ تو نے فرنگیوں کی نقلید کی ہے مگر اس سے غافل ہے کہ اس گفت و شنید سے بہتر رمز و کنایہ اور صراحت اور بطور ناول و ڈرامہ کتابیں۔ تاریخ۔ اشعار۔ رباعیاں لکھ کر اوقات صرف کی ہے کہ حد بیان سے باہر ہے۔ میرے عقیدہ سے اس کے عوض میں ایک جملہ لکھ دے کہ اگر تجھ کو اصلاح مملکت ایران کی آرزو ہے تو قانون مساوات۔ قانون مساوات۔ قانون مساوات۔ آخر تک قانون مساوات جس قدر بھی زیادہ کہے گا۔ اُس کا مفاد یہی ایک جملہ ہے اور بس۔

ایک دن میں پیٹرسبرگ میں نیواسکی کے پارک میں ایک دوست کے ساتھ جا رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک جوان بلند قامت تخمیناً سترہ اٹھارہ سال کا سولجروں کا اوور کوٹ پہنے ہوئے جس کو روسی مشینل کہتے ہیں جو بانات کی قسم میں روس کے بنے ہوئے کپڑوں میں سب سے سستی ہے اور خاکی رنگ تھا بڑے ادب سے اپنے دونوں پاؤں ملا کر کھڑا ہو گیا۔ اور داہنے ہاتھ کو کان تک بلند کر کے ایک فوجی افسر کو جو ایران کے فوجی عہدوں کے موافق سلطان کا درجہ رکھتا تھا سلام کیا۔ اور وہ سلطان جیسا کہ قاعدہ ہے ہاتھ اُٹھا کر گویا جواب دے کر بڑی بے پروائی سے گذر گیا اور ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی "مرخص" ہے۔ جوان دس بیس سیکنڈ کھڑے رہنے کے بعد راستہ پر ہولیا اور چلا گیا۔ میرے دوست نے مجھ سے پوچھا۔ اس جوان کو جسے فوجی کوٹ پہنے ہوئے دیکھا تو نے پہچانا۔ میں نے کہا۔ نہیں۔

کہا یہ امپراطور وکیلی قسانزکا بیٹا شاہزادہ الگزینڈر و یچ امپراطور کا دوسرا بیٹا ہے اور وہ سلطان ما قسموں کے ایک بنئے کا لڑکا ہے۔ اگر امپراطور کا بیٹا اُس کو سلام نہ کرتا تو اس عام گذرگاہ میں حق مؤاخذہ رکھتا تھا کہ سلام کے لئے کیوں نہ کھڑا ہوا۔ فوجی قاعدوں کی رعایت سے یہاں تک نوبت پہنچی ہے۔ اگر تو غور و فکر کرے تو تعجب نہ کرے گا کیونکہ اس جوان کا باپ مجسمہ قانون ہے۔ اپنے باپ کو بھی یہی آداب بجا لاتا ہے۔ یہ کندھوں کی علامت سے دیکھتے ہیں کہ کونسا مقدم ہے ورنہ دربار کے موقع پر یہ شہزادہ ہے اُنہی شاہی اور رعیتی احترامات کے ساتھ اُن میں رعایت کیا جاتا ہے۔

اب یہ تو تو نے دیکھ لیا۔ آ بد بخت ایران کی طرف۔ منجملہ جس کا لقب عزیز السلطان ہے کس مصرف کا ہے اور کون ہے؟ کیا کیا ہے؟ معلوم نہیں۔ اتنا جانتا ہوں کہ ایک بارہ برس کا

خلاف کو لازم پکڑیں جیسا کہ فرمایا ہے۔ ۵ علم کو مہد سے لحد تک حاصل کرو۔ علم دو ہیں۔ علم طب اور علم دین۔ اور یا کتب کے زیادہ کرنے کی کوشش کریں۔ اگر عالمان بے عمل اور بے معرفت سے یہ سخن ترشح ہو تو ذاتی منافع کے اقتضا سے کہ رفیق دزد اور شریک قافلہ ہیں۔ کبھی حاکم کے شریک اور کبھی رعیت کے ساتھ حصہ دار۔ مدعی اور مدعا علیہ کو ایک دوسرے پر بھڑکاتے ہیں اور ہمیشہ فساد کی فکر اور افتتاش کے طالب رہتے ہیں بعید نہیں۔

کیا یورپ کی ترقی کو ان کے علم کی بدولت نہیں جانتے ہو اور یا کہتے ہو کہ جاپان نے یہ سلطنت کی سطوت واقتدار اور دولت اپنے اجداد سے وراثت میں پائی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان دو باتوں میں سے کس پر اعتبار کرنا چاہئے اگر ہم وراثت کے قائل ہوں تو دیکھتے ہیں کہ تیس سال قبل تمام کتب تواریخ میں جاپان کا نام ونشان بھی نہیں ملتا اور تمام دنیا کے نزدیک کالمگانیسا منسیا تھا حالانکہ آج سلاطین روئے زمین کی سطوت ودولت اور نام ونشان میں درجہ اولیٰ حاصل کر لیا ہے۔ اگر صناعی اور ریاضی کے اسکولوں کے قائل ہوا تو کیوں علمدگی اختیار کر کے ترقی کے فیض سے محروم ہیں۔ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارا دنا و مہربان بادشاہ امرا اور وزرا کے اعمال وافعال ونیت سے بے خبر ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ رافت و مرحمت اور حیا خسرو دیگر اوصاف ملوکانہ پر غالب ہے حالانکہ سلاطین عظام میں مہر وقہر توام ہونا چاہئے اور عدل کے معنی بھی یہی ہیں کہ لطف کی جگہ لطف اور قہر کی جگہ قہر کام میں لایا جائے اس کے برعکس چلنا خلاف عدالت ہے اس لئے کہ سلطان حقیقی خداوند عالم رحمان اور رحیم بھی ہے اور جبار وقہار بھی بہشت بھی پیدا کی اور دوزخ بھی۔ انتظام عالم بغیر بادشاہ کی سیاست کے ممکن نہیں اور نہ بندوبست ہو سکتا ہے۔ سیاست سے مراد سرداروں اور گردن کشان عالم کو بادشاہ کی اطاعت وفرمان کی رسی میں لانا ہے تاکہ راستی سے آگے نہ بڑھیں اور چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں بموجب اس کے کہ تم سب گڈریے ہو اور سب اپنی رعیت کے معاملہ میں جواب دہ ہو" اور فرماتے ہیں "اگر بادشاہ نہ ہوتا تو بعض لوگ بعض کو کھا جاتے" اور بادشاہوں کے اقوال میں سے ہے "کوئی ملک بغیر لوگوں کے نہیں ہوتا اور لوگ بغیر مال کے نہیں۔ مال آبادی کے بغیر نہیں ہوتا اور آبادی بغیر عدل وسیاست کے نہیں ہو سکتی" ۵ وہ بادشاہ کیا ہی اچھا ہے جو عقل کی رو سے کتاب سیاست میں غور کرتا ہے۔ جس کی تلوار گلشن سلطنت کو آب سیاست سے تروتازہ رکھتی ہے۔

بہرصورت میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اپنے اوقات عزیز کو بیکار ضائع مت کر۔ ان زحمتوں اور تحریروں سے سوائے نقصان کے کچھ فائدہ نہیں اور ان اوراق پریشان کے سیاہ کرنے سے

کنجڑے کی بیوی کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تو پھر بھی ضروری ہے کہ عورت صدر میں بیٹھے اور مرد اُس کو سلام کرے اور اُس سے نیچے بیٹھے۔ مثل مشہور ہے کہ ہمارے بے تربیت یافتہ جوان مسلمانوں کا روزہ بھی کھاتے ہیں اور ارمنی کا پرہیز بھی۔ نہ اس کی مراعات کرتے ہیں نہ اس کو اعتبار کرتے ہیں ؎ ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں۔ بے ادب خدا کے فیض سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب نے نہ صرف اپنے ساتھ بُرائی کی بلکہ تمام دُنیا میں آگ لگادی۔

مطلب ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ کیا ایک شخص ان رُوسی کے پہلوانوں یعنی وزرائے خود غرض کے جواب میں نہیں کہتا ہے "اے وزیر صاحبان! علماء کب امور سلطنت میں اصلاح کے مانع ہوئے؟ تم نے کب قانون مساوات کو محکمہ عدلیہ میں جاری کیا کہ وہ مانع ہوئے؟" جلال الٰہی کی قسم۔ وہ لوگ جو عالم ربانی اور فاضل صمدانی ہیں اور آج اُن کا امر و نہی ملت ناجیہ پر واجب ہے مثل اسلامی حاجیوں کے۔ حاجی میرزا حسین۔ حاجی میرزا خلیل اور آخوند ملا محمد کاظم خراسانی وغیرہ مدظلہم نے ہرگز ایسے امر کے اجرا کی کہ جس میں عام قوم کی رفاہ حال اور اصلاح احوال ہو اور سلطنت کی قدرت و شان میں زیادتی ہو ممانعت نہیں کی اور نہ کبھی کریں گے۔ اگر سلطنت قدم بڑھائے تو دیکھا جائے گا کہ یہ بزرگوار سب سے پہلے سلطنت کے مؤید ہوں گے۔ سلطنت نے کب ان علمائے اعلام سے اس بات میں مشورہ کیا اور ملک و ملت کی اصلاح کے لزوم کو علماء کے دلنشین کر کے خواہش کی کہ باقتضائے زمان و تحمل دوراں ایسے ایسے اصول کے ساتھ حفظ نوامیس شریعت و حقوق ملت و قانون مساوات کو اجرا کرنا چاہئے کہ علماء نے کہا کہ یہ شریعت کے منافی ہے بلکہ علماء حقہ نے فریاد کی ہے کہ قانون مساوات حقیقت میں شریعت غرّائے اسلام ہے۔

چونکہ اعیان و حکام مانند حاجیوں کے ظلم و تعدی پر مائل ہیں جب تک جس طرح جی چاہے گا مالیہ وصول کریں گے اور ایک خچر والا فلاں خان چوک اور بازار میں ایک باعزت تاجر کی داڑھی پکڑے گا اور بے سبب اس کے سر پر گھونسے مارے گا۔ اور کوئی مانع نہ ہوگا۔ ممانعت علماء کا بہانہ میدان میں لاتے ہیں حالانکہ علماء اگر موقع پائیں تو سب طبقوں سے پہلے اصلاح میں کوشش کریں اور ظلم و تعدی کی جڑ مسلمانوں میں سے اُکھاڑ دیں اور اُس ظلم و طغیان کے شجرۂ شنیعہ کی جگہ نہال عدل و انصاف کو کہ مُراد مقدس قانون مساوات سے ہے لگائیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم قانون مساوات کے قبول کرنے سے گردن نہ پھیرے گی اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم کو مکتب کی ضرورت نہیں۔ افسوس کس قدر کذب آشکار اور قول باطل ہے۔ اس صورت میں ہم کو چاہئے کہ یا تو یورپ کی ترقیات و تمدن کے منکر ہوں اور دُنیا کی قدرت و سطوت و ثروت و صنائع سے بے خبر رہیں اور مخبر صادق کے فرمائے ہوئے کے

ہر موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ یکایک ایک جنرل نے مجھ سے کہا۔ میں نے آپ کے شاہ کو دیکھا عالم
اور تربیت یافتہ نہ پایا۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کو کہاں سے اعلیحضرت بادشاہ کی بے علمی معلوم
ہوئی۔ کہا فلاں بادشاہ کے ساتھ ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو کرتا تھا۔ میں نے فی الفور کہا معلوم
ہوتا ہے کہ وُہ بادشاہ بھی عالم و باتربیت نہ تھا کہ ایشیائی زبان نہ پڑھی تھی اور تربیت نہ پائی
تھی کہ اپنا عزیز مہمان بغیر واسطہ کے مکالمہ پر قادر ہوتا۔ اُس کی زبان کیوں نہ جانتا تھا۔ تمام میز پر
اور گاڑی والوں کو ہنسی آگئی۔ حق حق۔ خوب کہا۔ خوب کہا۔ آفرین آفرین۔ اس سوال و جواب
کی شرمندگی و خجالت سے جنرل موصوف کو بیٹھنے کی تاب نہ رہی۔ بڑی شرمندگی سے اُٹھا اور
چلا گیا اور ان منصف عقلمندوں کی سرزنش سے بچ گیا۔ دو مہینے کے بعد میں نے اخبار میں اس
مجلس کی کیفیت اور جنرل کے ساتھ اپنا مکالمہ اخبار میں پڑھا گویا گاڑی میں کسی اخبار کا نامہ نگار
بھی موجود تھا۔ اہل ایران کی حاضر جوابی اور ذکاوت کی تحسین و تعریف کی تھی۔ بارے ہماری
غرض رعایت قواعد سے تھی جو ہر ملت و مذہب کے عقلاء و حکما اور بزرگوں کے نزدیک مستحسن ہے
جس قدر ہم میں قواعد اور امور خصوصی کو اہمیت نہ دے کر رعایت نہیں کرتے ہیں برخلاف اس کے
اہل فرنگستان اہمیت دیتے اور اس کے ترک کو خلاف ادب اور منافی انسانیت سمجھتے ہیں۔ مثلاً
ہمیں حکم ہے کہ بڑا چھوٹے کو۔ عالم جاہل کو۔ مالدار فقیر کو۔ راہرو بیٹھے ہوئے کو۔ سوار پیادہ کو۔
گھوڑے کا سوار گدھے سوار کو سلام کرے۔ ہم نے سب کو برعکس قرار دیا ہے۔ ہمارے اعتبار کی مراتب
ہر جگہ اور ہر موقع پر یہ روزگار اور بے پیر پیسہ ہے اور دوسرا نہیں۔ معمولی بات ہے کہ اگر کوئی شخص
اتفاقاً بعض بزرگوں کی نسبت تغافل کرتا ہے یا اس اُلٹے کام کے اقدام کے ترک کو نہیں سمجھتا ہے تو اس
کے لئے حقارت کا باعث اور عداوت کا سرمایہ ہو جاتا ہے۔ اس غفلت پر ناصحین و واعظین اور رؤسائے
قوم سے اس قدر رسوم قبیحہ و مذمومہ ہمارے آداب میں داخل اور قانون و رسوم عادیہ کے تحت میں آگئی
ہیں اور اس قدر ممدوحہ متروک ہو گئے اور قاعدہ کے تحت سے نکل گئے کہ اچھائی کو چشم حقارت سے
دیکھتے ہیں اور بُرے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ان عادتوں کا ترک کرنا ہمارے لئے محال ہو گیا ہے "عادت
مثل طبیعت ثانیہ کے ہو جاتی ہے" ہم میں بہت سی بُری عادتیں طبیعت ثانوی بن گئی ہیں۔ اگر اس
قسم کی اول الذکر باتوں کی تشریح کی جائے تو جُدا گانہ کتاب بن جائے۔ خدا ہم سب کو صراطِ مستقیم پر
ہدایت اور رہنمائی کرے۔

ان سطور کے لکھنے سے غرض یہ تھی کہ بڑے افسوس کے ساتھ ہم جس قدر اپنے قومی قاعدہ
اور قانون کی پروا نہیں کرتے ہیں اہل فرنگستان اُسی قدر اپنے قومی رسوم و عادات کی رعایت
کرتے ہیں اور معتبر سمجھتے ہیں اور محترم جانتے ہیں اگر کوئی شخص دس لاکھ پونڈ کا مالک ہو اور

ہی کیوں نہ ہو۔ وہ چیز کتنی ہی بے مصرف اور بے قدر ہو اپنے مالک کی طرف راجع ہے۔
پانچویں۔ عورتوں کے پاس سیگار پینا جائز نہیں مگر اجازت حاصل کی جائے۔
چھٹے۔ کسی عورت کے پاس لاؤ بالیانہ اور بے تمیزی سے بیٹھنا جائز نہیں ہے یعنی بٹن کھلے ہوئے اور کرتے کا چاک کھلا نہ ہو اور کسی عورت کے سامنے جوتا اتارنا اور محض جوراب پہنے رہنا جائز نہیں۔
ہر موقع اور ہر جگہ میں خواہ آشنا ہو خواہ بیگانہ عورت کی خدمت اور احترام کو تہذیب سمجھتے ہیں مثلاً راستہ یا مکان میں کوئی چیز عورت کے ہاتھ سے گر پڑی فی الفور چاہئے کہ جھک کر اٹھائے اور عورت کو دے مگر بڑے وقار و تمکین کے ساتھ نہ یہ کہ اس خدمت کو گفتگو کا وسیلہ چاہے مگر یہ کہ عورت کی جانب سے اس کی گفتگو کی خواہش ہو اور اگر عورت شکریہ ادا کرے تو جواب میں صرف ایک کلمہ قابل تشکر یہ نہیں، پر اکتفا کرنا چاہئے۔ ہر موقع اور مجلس میں عورت سے پہلے کسی چیز کو نہیں چھونا چاہئے۔ ہر جگہ اور ہر مجلس میں صدر میں بیٹھنا عورت کی شان میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ داخل اور خارج ہونے میں چاہئے عورت پیشقدمی کرے اگر عام موقعوں پر نوکر کوئی چیز لائے تو لازم ہے کہ اشارہ کیا جائے کہ اول عورت کو دے۔ اگر عورت کے پاس بچہ ہو تو اس کو پیار اور مہربانی کی جا سکتی ہے مگر اس کی ماں کی طرف نہ دیکھ کر بچہ کو بوسہ لیا جائے۔ ماں کے سامنے بچہ کا بوسہ لینا جائز نہیں مگر محبت و دوستی کے موقعہ پر اس کا ہاتھ چوم سکتے ہیں۔ جمائی لینا اور منہ کھولنا اور انگلی سے ناک صاف کرنا۔ اور خلال سے مسوڑے صاف کرنا سینہ سے بلغم نکالنا زمین پر تھوکنا آخ کرنا۔ عام اور خاص مجلسوں میں عورت اور مرد کے سامنے ممنوع ہے۔
کسی شخص کو تو نہیں کہا جا سکتا خصوصاً عورت کو اور عورت کا نام نہیں لے سکتے۔ کھانا کھانے کے وقت بڑے ملاحظہ کی ضرورت ہے مثل بعض شخصوں کے کہ جب کشتی میں خوراک کی رقم دے دیتے ہیں تو اس وجہ سے جتنا ممکن ہوتا ہے بہت صرف کرتے ہیں کہ نقصان میں نہ رہیں۔ اگرچہ کچھ کہتے نہیں ہیں مگر اس کے عیوب عام قوم کی طرف راجع اور عاید ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جوان لوگ جب کسی کے پاس پہنچتے ہیں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کی توقع رکھتے ہیں حالانکہ قواعد فرنگ میں سوء آداب ہے۔ بہر صورت اگر اپنے بعض قومی اور مذہبی خصوصیات کی رعایت کریں تو ہر قوم و مذہب کے عقلا کے نزدیک معقول و پسندیدہ ہے۔

حکایت

ایک دن میں ریل میں پہلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً دس بیس لیڈیاں اور جنٹلمین بھی

علاقہ یا سروکار نہیں رکھتی ہیں۔ امید وار ہوں کہ اگر ان میں کوئی منفعت پیدا ہو گیا اور فکر و غور کیا
تو واقعات کی صحت بچشم خود مشاہدہ کرکے مجھ کو دعائے خیر سے یاد کرے گا۔

صاف ظاہر ہے کہ جب تک ان باتوں کو خرافات سمجھتے رہیں مجھ کو دعا کے عوض گالیاں
دیں گے مگر جونہی کہ کہنے والے کی غرض کو سمجھ گئے خواہ مخواہ مجھ کو دعائے خیر سے یاد کریں گے
خدا سب کو ہدایت دے۔ ہر شخص کی نیکی و بدی اس کی طرف لوٹتی ہے یہ لوگ اپنے اعمال کی
جزا پاتے ہیں۔ اگر اچھے ہیں تو اچھی اور بُرے ہیں تو بُری" ؎ اگر بہ سرشت آدمی برسوال
حوران بہشتی کا ہمدم رہے اور اس با معاشرت میں رات دن جبرئیل سے فنون و ادب پڑھتا ہے
تو میرا یہ عقیدہ ہے کہ آخر کار سوائے بدی کے اُس سے کچھ ظاہر نہ ہوگا۔

"نصیحت سود مند"

ایرانی نوجوانوں میں جنہوں نے فرنگستان میں تربیت پائی ہے اور جن کا ذکر گزر چکا ہے
باوجود اس کے کہ ان کی تربیت اور تحصیل سے وطن اور اہل وطن کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہوتا
اور سوائے فرانسیسی زبان بولنے کے اُن میں علوم نافعہ کی کوئی چیز اور حصہ نہیں دیکھا گیا بلکہ
اکثر فرنگ کے عمدہ قوانین سے محروم اور بے بہرہ ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جو چھوٹے
بڑوں کی ملاقات کے وقت بونژور (گڈ مارننگ) کہہ کر ان کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھاتے ہیں ان
کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر ان کے آداب کی رعایت نہ کی جائے تو انسان کو تربیت سے خارج سمجھتے ہیں
اول یہ کہ کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ بیگانہ سے جس کے ساتھ شناسائی نہ رکھتا ہو گفتگو اور صحبت
کا دروازہ کھولے مگر کوئی واسطہ درمیان میں ہو جو تعارف کرائے یا ریل اور کشتی کے سفر میں کوئی
ضرورت پیش آئے اور کسی چیز کا بہانہ کیا جائے۔

دوسرے کسی کو مناسب نہیں ہے کہ اُس شخص کی طرف جو عہدہ یا بزرگی کے سبب سے اُس سے
زیادہ ہو ہاتھ بڑھائے کیونکہ ابتداءً چاہئے کہ بڑے کی جانب سے خواہش اور چھوٹے کے حق میں
احترام کا اظہار ہو مگر سلام چھوٹے کو کرنا چاہئے اور یہ لحاظ عورتوں کے بارہ میں واجب ہے۔
اگر عورت کو اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھائے تم ہاتھ دے دو گے تو گویا اُس کے حق میں
تم نے حقارت کی۔

تیسرے۔ اگر عمداً یا سہواً راستہ میں کسی سے ملو اور اس سے ٹکر لگ جائے۔ تو
چاہئے کہ معافی مانگو۔

چوتھے۔ بغیر اجازت کے کسی کی چیز کو نہ چھونا چاہئے چاہے کاغذ کا ٹکڑا یا بے مصرف اخبار

اور ہیں ان کی حقیقی عزت کا طالب ہوں ؎ ہم خدا سے توفیق عمل چاہتے ہیں۔

اگرچہ اُن کو زبان کا علم حاصل ہوگیا ہے مگر ہمیں پُرانا تجربہ ہے۔ عام عقلمندوں کا قول ہے اور نیز ہر قوم کے عقلا کے نزدیک جو شخص محضر سلاطین ہیں اور اپنے عہدہ کے فرائض ادا کرنے میں اپنے دین و آئین اور قوم پرستی اور عہدہ اور قوم و سلطنت کے منافع کو نظر میں رکھے اور اپنے مذہب کی طرفداری میں مضبوط ہو جس کو یقیناً اُس شخص سے جو ان مراتب کی رعایت نہ کرے اور لاابالیانہ زندگی بسر کرے ہزار درجہ عزیز تر اور محبوب تر ہے۔

تمام قوموں کی تاریخ میں ثبت و ضبط ہے کہ عثمان پاشا ترکی فوج کے کمانڈر نے پلونا کی قلعہ داری میں بڑی جد و جہد اور کوشش کی اور روسیوں کی اسی ہزار فوج کو قلعہ میں قتل اور زخمی کر دیا۔ اس کے بعد جب دشمن نے اسیر کرلیا تو اس کو بادشاہ الگزینڈر دوم کے حضور میں لائے۔ اُس کے حق میں فوق العادت مہربانیاں کیں اور فی الفور قیدی کمانڈر کی تلوار اپنے ہاتھ سے اُس کی کمر میں باندھی اور نوازشات شاہانہ کا مورد بنا کر اُس سے فرمایا۔

جو سردار اس غیرت و حمیت و صداقت سے اپنی سلطنت متبوعہ کی راہ میں خدمت و جانفشانی کرے انصاف و مروت سے بعید ہے کہ اُس کی کمر بے شمشیر ہو جائے حالانکہ عثمان پاشا نے اپنے اسیر ہونے سے چند روز قبل ایک دن میں روسیوں کے بیس ہزار فوج کو توپ و تفنگ کے آتشین گولوں کا نشانہ بنا کر اُن کی ماؤں کو سوگوار بنا دیا تھا۔

شرف کے معنی یہ ہیں کہ دشمن بھی تعریف کرے اور دوست بھی اُس کی دولت خواہی کو پسند کرے اور یہ شرف حاصل نہیں ہوتا ہے مگر اپنے متعلقہ فرائض کے ادا کرنے سے۔ شاہ شہید نے (اللہ روشن کرے اُس کی خوابگاہ کو) فرنگستان میں اہل ایران کو جن کا سردار حاجی محمد رحیم آقائی اصفہانی تھا خطاب کر کے فرمایا: اپنے قومی لباس اور آداب کا لحاظ رکھو اور مت بدلو خصوصاً ٹوپی کو جو قومی نشان اور تمہاری عزت ہے کبھی نہ بدلنا۔ جنت مکان شاہ عباس صفوی ماضی نے جب بیری بیگ یوزباشی کو سفارت کی غرض سے پائے تخت اسپین کو بھیجا تو اس کی واپسی پر حکم دیا کہ فوراً پھانسی دے دیں۔ چند قصور کی باتوں میں سے جو اُس کے متعلق بتائی گئیں سب سے بڑی یہ تھی کہ سفیر موصوف نے فرنگستان میں لباس تبدیل کر دیا تھا۔ بادشاہ اسپین کی بیوی کی تعزیت میں ایرانی لباس اُتار کر فرنگی لباس پہنا تھا۔ مامور کو نہ چاہیئے کہ کسی چیز سے اندیشہ کرے اور کسی شخص سے ڈرے۔ چاہیئے کہ قومی آداب کو اجرا کرے اور اپنی سلطنت کا لباس پہنے قومی رسوم کا اس قدر پابند ہو کہ اپنی سلطنت کی ثبات و صلابت و سطوت میں اضافہ کرے۔

ان حکایتوں کے بیان کرنے سے نصیحت مقصود ہے ورنہ فرنگی مآب جوانوں سے کوئی

دستانہ بائیں ہاتھ میں تمام اور داہنے ہاتھ میں نصف پہنے ہوئے چھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے قوم
کے دیدار کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ نوکر ہیں مجبوراً ایرانی ٹوپی سر پر رکھتے ہیں جب کبھی کسی
پیشہ ور یا تاجر سے راستہ یا باغ میں ملتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ ٹوپی سر سے اُتار کر جیب میں
رکھ لیں کہ ایسا نہ ہو ایرانی اس کو سلام کر لے اور میڈم کے سامنے اُن کی شان گھٹ جائے۔
اگر غور سے دیکھا جائے تو مصنوعی صورت مصنوعی نگاہ۔ بول چال مصنوعی فرنگیوں کے طریقہ
سے۔ جرمنی مونچھیں تاؤ دی ہوئی چند بال لب کے نیچے چھوٹے ہوئے مثل اہل فرنگ کے اور
جہاں تک ہو سکا اپنے آپ کو مجسمہ فرنگی بنا کر اُن کے تمام اعمال ظاہری کی تقلید ہے۔ دوسرو
لعنت اس تقلید پر ہو۔

حالانکہ فرنگ کے آداب میں سے سوائے زبان کے اُس میں اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ ہرگز
کسی کا خیال فرنگیوں کے علوم و فنون کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ اُن کے علم سے جو کچھ وطن
میں یادگار لائے ہیں عیاری کو جمع کر کے اپنی چالاکیوں میں اضافہ کر کے لائے ہیں۔

چونکہ فرنگی مآب ہے نہ کہ فرنگی آدھ گھنٹہ تک کمرہ میں زینت میں مشغول رہتا ہے اور
چند مرتبہ آئینہ دیکھتا ہے تب کہیں سنگھار ختم ہوتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو پسند کرکے
کہتا ہے اوہ کیسا خوش قسمت عاشق ہے جس کا میں دلبر ہوں۔ خیال کرتا ہے کہ مونچھوں کو اوپر
چڑھانے یا چند بال ٹھوڑی میں چھوڑ دینے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے اور مقعد کو کاغذ
سے صاف کرنے سے آدمی جرمنی یا فرانسیسی بن کر اُن کے تمام افتخارات کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس
سے غافل ہے کہ علم کی سب سے پہلی خوبی ہر قوم اور ہر ملت میں اپنی قوم کے ساتھ مہربانی اور عالم انسانیت
کی خدمت ہے نہ یہ کہ چند فرانسیسی کے کلمہ جاننے اور اُن کی رذیل صفات حاصل کرنے سے اپنے ہم جنسوں
کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ بے چارہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یورپ کی زبان جاننے میں شرف نہیں
ہے ورنہ بوشہر کے ملاح جو اکثر زبانیں بولتے ہیں اُن پر شرف رکھتے ہیں فخر اُن کے علوم و فنون کے
جاننے میں ہے۔ صرف مونچھوں کو تاؤ دینے سے جرمنی نہیں بن سکتے جرمنیوں نے یہ افتخارات
توپ سازی اور تیر اندازی سے حاصل کئے اور پیرس کی فتح سے جمع کئے ہیں اور فرانسیسی ہونا
اُن کے علوم صنعت اور ڈپلومیسی اور غیرت ملی و قومی میں ہے کہ ایک دن میں پانچ کرور فرانک
دشمن کو گن کر اپنے ملک سے نکال دیا نہ چند بال ٹھوڑی میں چھوڑ دینے سے اگرچہ یہ باتیں
ہم نے کچھ تیزی سے کہی ہیں اور بدیہی ہے کہ بعض فرنگی مآبوں کے مذاق میں یہ شہد جیسی باتیں
حنظل کا مزہ دیں گی مگر بڑی عاجزی و انکساری سے عرض کرتا ہوں کہ میں کسی کی ذات سے غرض
نہیں ۔۔ رکھتا ہوں خصوصاً اپنے ہموطنان محترم سے سوائے نصیحت کے کچھ مقصود نہیں

اہواز کا بند باندھنے کے لئے اس قدر رقم کثیر دے کر باہر سے مہندس بلایا جاتا ہے؟ حاجی خان کی جان کی قسم کہ ان میں سے کسی ایک کے لئے نہیں ہے۔ اور نہ ہوا ہے۔ اور نہ ہوگا سوائے اس کے کہ سلطنت کو بھکا کر اس بے نظمی کی حالت میں رکھا ہے۔ اور کوئی معنی نہیں رکھتا ہے ہم بیچاروں کی بدبختی کو دیکھو کہ اس وقت تک تمام اختیار عربی دانوں کے ہاتھوں میں رہا ہے یہاں تک کہ بہشت جہنم بھی ان کی رائے مبارک پر موقوف تھے اور جس کو چاہیتے تھے دے دیتے تھے۔ اب ہم فرنگی دانوں کے مطیع ہیں حالانکہ وہ فرنگی زبان جاننے کے سوا کوئی ہنر نہیں رکھتے ہیں۔ کہ نظر حقارت سے ہمارے مذاق کے لئے اس قسم کی زبان کھولتے ہیں۔ دونوں فرقوں سے سوال کرنا چاہیئے کہ حضرات! ان علوم کا عمل کہاں ہے؟ اس وقت تک عوام کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ فرنگستان میں پڑھنے سے اہالی ایران کو کیا فائدہ ہوا اور ہوگا؟ تم نے سُنا ہے کہ جن لوگوں نے عالم تمدن میں قدم رکھ کر اولاد وطن کو پہلے فرنگستان بھیجا جاپان کی طرح سے۔ مگر دس سالہ بچوں کو بلکہ جوانان با استعداد کو اور اُن کو بھی اپنے ملک کے علوم یعنی عقائد اور اپنی قومی زبان کی صرف و نحو کی تکمیل کے بعد پچیس برس کی عمر میں علوم و فنون خارجہ کی تکمیل کے لئے بھیجتے تھے۔ اس سن و سال میں نہ اپنے قومی عقیدہ سے ہٹتے تھے اور نہ آداب فرنگ اُن میں اثر کرتے تھے۔ دس برس کا بچہ جو نیک و بد کے سمجھنے کی قوت اور کفر و اسلام کی تمیز نہیں رکھتا ہے جو باہر کے مکتبوں میں اپنے مذہب و دین کے بطلان کے لئے دلائل و ثبوت دیکھتا ہے تو چونکہ محاکمہ پر مقتدر نہیں ہے اُس کے سینہ میں وہ نقش جم جاتا ہے کہ کسی فرہاد کے تیشہ کی مدد سے نہیں مٹایا جاسکتا اور اپنے قوم کے آداب و اطوار اور خورد و خوراک اور رفتار و گفتار اُس کی نظر میں ذلیل معلوم ہو کر مذاق اور تمسخر کرتا ہے۔

پہلی خدمت جو وطن کی کریں گے اپنے خاندان میں نفاق ڈالنا ہوگا۔ علیحدہ کمرہ میں قیام ہوگا اور ماں اور باپ سے ملنے کو مکروہ سمجھے گا اور اُن کی صحبت سے نفرت کرے گا۔ یہ مسلمات سے ہے کہ بچپن سے پانی کے بجائے کاغذ استعمال کیا ہے اور یہ کام اُس کی طبیعت ثانوی بن گیا ہے اس کا ترک کرنا اُس کے لئے محال ہوگا اور آداب اسلامیت سے دور و مہجور ہوگا۔ ایسا شخص کس صورت سے سلطنت اور قوم کی خدمت کرے گا؟ قومی محبت اور بادشاہ پرستی کو کس عقیدہ سے ظاہر کرسکتا ہے؟

تحقیق شدہ ہے کہ جونہی کسی ارکان پر چھا گیا تو پھر کیسی قوم؟ کیسی دولت؟ کیسی سلطنت سب کو جہالت اور بے غیرتی کے پانی سے دھو ڈالے گا چنانچہ ان بے غیرتوں میں سے بعض زنانہ دیکھتا ہوں کہ تحصیل علم کی واپسی پر جس شخص پر ان کا بس چلتا ہے اپنی شان اور فرعونیت جماتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے لوگوں سے دولت و ملت کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی اور ان مصارف اور نقصانات سے جو اس کے واسطے اٹھائے گئے سوائے ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا چنانچہ اُن کا نمونہ ہر شہر میں موجود ہے۔ اور کسی کے لئے شک و شبہ کی گنجایش باقی نہیں ہی تیس سال سے زیادہ ہوتے ہیں کہ ہر سال ولا دولتی کی ایک جماعت ممالک خارجہ کو بھیج رہے ہیں۔ دیکھئے کیا حاصل کیا ہے؟ اور کیا جمع کیا ہے ہمارے ان کے وجود سے ملک و قوم کو کیا فائدہ پہنچا ہے؟ چند شخص مثل ناصر الملک اور مشیر الملک اور ممتاز السلطنہ اور معین السلطنہ فرزند مجد العلا السلطنہ کے یہ لوگ بھی ایران سے سرمایۂ دانش لے کر فرنگستان کو گئے ظاہر ہو گیا کہ اگر اپنے علم و تجربہ کے بعد کام میں لائیں اور ملک کو قانون کے ماتحت لائیں تو ممکن ہے کہ ان کے وجود سے ملک اور قوم کی خدمت ظہور میں آئے۔ اگر وزیر زادوں امیر زادوں اور تجارت پیشہ لوگوں میں سے جنہوں نے تحصیل علم کی اور کر رہے ہیں جانتے ہو اور ان کا وجود ملت و دولت کی خدمت کے لائق ہو تو بتاؤ۔ اس قدر مخارج و مصارف کے عوض میں کہ اس وقت دو سو سے زیادہ آدمی فرنگستان اور روس اور ترکی میں مشغول تحصیل ہیں اور سب ملا کر ہر شخص چھ سو سات سو خرچ رکھتا ہے جو سالانہ تین کرور تومان سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس تین کرور سے پانچ چھ عمدہ مدرسے خود طہران اور ایران کے عمدہ آب و ہوا کے مقامات میں کھولے جا سکتے ہیں جو سوسائٹی کی ترقی کے اسباب میں پہلا سبب ہے اور ان مدرسوں میں سے ہر ایک میں کم سے کم چار سو طلبا تحصیل علم کر سکتے ہیں اور اس قدر روپیہ بھی اپنے ملک میں رہے نیز لڑکے اپنے عادات و رسوم اور اپنے اجداد اور قوم کے آداب کے ساتھ علم فرنگ کی تحصیل کر کے اپنے مذہب و طریقہ کو بھی خلل نہ پہنچائیں اور تعصب ملی ضائع نہ کریں یہ ادنیٰ اور آسان ہے۔ اس وجہ سے ممکن ہے کہ مدرسے بھی کھولیں اور کتابیں بھی ترتیب دے کر معلم باہر سے لائیں جس طرح کہ اور کاموں میں فرنگستان سے آدمی کرایہ کئے ہیں معلم بھی یورپ سے حاصل کریں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے وزراء نے ایک غرض مخصوص پر جو انہوں نے اپنے دل میں بٹھا رکھی تھی مبنی سمجھکر ان کاموں کا اہتمام کیا جو ان ناحق مضرتوں میں مبتلا ہوتے ان کی تحصیل سے قوم کو سوء فائدہ نہ پہنچا اور دولت و مملکت کو انہوں نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ تیس سال تعلیم فنون جنگ کیلئے تھی۔ اس وقت تک کیا وجہ ہے۔ کہ کرنیل طیار نہیں ہوتے اگر طیار ہو گئے تو اجنبی کرنیل کو رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

اگر ریاضی پڑھی ہے تو کیوں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو جنگی اور کسٹم کے حساب کو دیکھ سکے۔ اگر علم حقوق حاصل کیا ہے تو کیوں ایران کی عدالت میں ایک ہالینڈ کا باشندہ فرنگستان کی زبان میں جج کرتا ہے حالانکہ محکم اپنے قانون کی رو سے دیتا ہے۔ اگر مہندس ہو گئے ہیں تو کس لئے

اگر ان کو اپنی نادرست رائے پر چھوڑ دیں تو بجز عیب کے اُن سے ظہور میں نہ آئے گا چنانچہ اس وقت تک ایران کا کام اُن کی سوء نیت اور زشت تدبیر سے مختل اور پریشان رہا ہے۔ بہت سے خیانت کاروں کو اپنے اعتماد کا معتمد ظاہر کرکے بہت سی خدمتوں کو پامال کیا ہے اور کارگزاری دکھائی ہے بادشاہ کے بہت سے اوامر و نواہی زمین میں پڑے رہے بہت سے قوم اور سلطنت کے درد بے علاج رہ گئے اور سلطنت ایران کی برابر کسی سلطنت کے احکام رفاہ حال ملت کی آسائش کے بارے میں صادر نہیں ہوتے اور کسی کے بھی ایران کے برابر اجرا ہونے سے ساقط نہیں رہتے اور مانع ہوتے ہیں کہ فریادیوں اور بیچاروں کا ہاتھ دامن شاہی تک پہنچے۔ نہ مظلوموں کی آہیں گوش مبارک اعلیحضرت ہمایونی تک پہنچتی ہیں اور نہ اعلیحضرت ہی ستم رسیدوں کے حال سے واقف ہوتے ہیں، دولت و ملت اُس وقت ایک دوسرے سے کامیاب ہوں گی جب کانسٹی ٹیوشن کے اصول درمیان میں واسطہ ہوں گے اور بادشاہ کا حکم مجلس کے لئے صادر ہوگا۔ ورنہ یہ قافلہ حشر تک لنگڑا ہے۔ وزرائے ناانصاف کی کارگزاری اس میں کہ سلطنت کو اسی حالت میں رکھیں اور جب کبھی اصلاح کی گفتگو درمیان میں آئے تو کہہ دیں کہ "قربان جائیں! علما رمانع آتے ہیں" اور اگر مدارس کا ذکر ہو تو کہہ دیں کہ "یہ مکتبیں شورش کا باعث ہوتی ہیں" اور یا عرض کردیں "کہ رفتہ رفتہ طلبار کو تحصیل علم کیلئے ممالک خارجہ میں بھیجتے ہیں۔ ہم کو اسباب مہیا نہیں ہیں" میں ہرگز گمان نہیں کرتا ہوں کہ وزرا اس بارہ میں سہو کرتے ہیں بلکہ دیدہ و دانستہ ان اعمال کو روا رکھتے ہیں کہ اطفال نوآموز کو آداب ملیت اور تعصب قومیت سے محروم اور اوامر و نواہی شریعت سے غافل رکھیں۔ یہ مسلم ہے کہ دس سال کا بچہ جس نے ابھی قومی زبان بھی نہیں سیکھی اور اپنے اجداد کے آداب سے بے خبر ہو جس نے دین کی کتاب سے الف بھی نہیں پڑھا۔ شرف قومی نہیں پڑھا زبان کی صرف و نحو نہیں دیکھی فارسی حاصل نہیں کی اسلام اور کفر میں تمیز و تشخیص نہیں کرسکتا جب فرنگستان جائیگا تو فرنگیوں کی شریعت و عادات و زبان اُس کے صفحہ خاطر میں جو ہر نقش و کدورت سے پاک آئینہ ہے نقش کالحجر کی مانند نقش ہو جائے گی۔

اور وطن کو لوٹنے کے بعد اس سے کیا نیکی اور بہتری کی اُمید کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ اپنے ماں اور باپ کے آداب و لباس اور کھانے سونے اور عادت و انسانیت کا مذاق اُڑائے گا اور اپنی قوم کی رفتار و روش سے نفرت اور ناپسندیدگی ظاہر کرے گا۔ سوائے قوم میں تاریکی پھیلانے اور اپنی لامذہبی و بے دینی پر فخر کرنے کے اُن وجود سے کونسا نتیجہ ظاہر ہوگا۔

نے ایسا اور ایسا کیا اور لعنت و رحمت کے آثار اس کے نام میں باقی رہ جاتے نہ لقب میں اب مجبوراً کہتے ہیں کہ امین السلطان نے خیانت کی اور بغرض محال اگر ایک امین السلطان ایسا ہو کہ خیانت نہ بھی کرے تو وہ بُرے لقب کی نحوست سے تاریخ میں بدنام ہوگا۔

ابتدا سے لے کر آج تک کوئی حکمران ایران کے بادشاہ کی مانند رعایا اور وزراء کے حق میں صاحب حکم اور مقتدر نہیں ہوا جس کی ایک ابرو کے اشارہ پر ان کی معزولی و بحالی اور حیات و ممات موقوف ہو۔ مثلاً اگر ممالک خارجہ میں کسی وزیر کی خیانت ثابت اور تقصیر واضح ہو جائے تو چند روز لگیں گے کہ مقدمہ چلانے کے بعد منصوب یا معزول ہوگا کیونکہ پہلے اس کی خیانت کی تحقیق ہونی چاہئے اور پھر اس کی بجائے ایک شخص صاحب علم و معرفت و عدل و انصاف تلاش کیا جائے تاکہ اس کی جگہ پر مقرر ہو۔ مگر ایران میں دس شخصوں کو معزول کیا جا سکتا ہے اور اُن کی جگہ ویسے ہی بہتر رکھے جا سکتے ہیں کیونکہ ایران کے پیش خدمتوں کی عقل اور علم وزراء سے کمتر نہیں ہوتی اور وہ بھی انہی میں سے مقرر ہوئے ہیں۔ بلاشک اس زمانہ میں بہترین اسباب ملکداری و ملت پروری اور توسیع حدود و فتوحات انسان حسن قواعد و قوانین سالم پر موقوف ہیں نہ کہ کثرت اسباب قتل و غارت اور سطوت و صلابت پر۔ آج قانون اور حکم اقدس ہمایوں نخل مرگ اور قضائے مبرم کے برو منع و شریف پردیسی و دیسی اعلیٰ و ادنیٰ کے لئے یکساں جاری یہاں تک کہ شاہزادگان عظام کے لئے۔ اور اس عیب بزرگ پر جا بجا یہی ایک مصرعہ سے پردہ پوش ڈھکتے ہیں کہ۔ جو عیب بادشاہ پسند کرے وہ ہنر ہے حالانکہ ہر قوم کے نزدیک اور ملت کی لغت میں عیب عیب ہے اور حسن حسن۔ اس لئے کہ جن و انس کے پیدا کرنے والے نے عیب کو عیب بتایا ہے اور پسند نہیں کیا خواہ بادشاہ سے سرزد ہو خواہ فقیر سے اور ایسے ہی بادشاہ کو سلطان آفرین نے رائے سلیم و عقل قویم و درایت عمیم بخشی ہے کہ روئے زمین پر اپنی رحمت و رافت کا سایہ پھیلائے اور فطرت علوی کے اقتضا سے منزہ عیب سے متنفر رہے تاکہ مخلوق کے عیوب کا قلع ہو لہٰذا سب سے بڑا شبہ دربار فلک مدار کے نوکروں کے دماغ سے نکال دینا چاہئے کہ اُن کے مدارج عالیہ یعنی لقب اور منصب اور شان پر ترقی پانے سے یہ مقصود نہیں کہ ان کی مدد معاش اور آمدنی میں توسیع ہو بلکہ اُن کی تجربہ کاری اور قابلیت و درستکاری سے ہے۔ مزید کہ ولی نعمت کے اس اعتماد کی بجائے اپنے آپ کو سبب افتخار و سرفرازی سمجھیں۔ اپنی نوکری کو آمدنی کا وسیلہ سمجھ کر اپنے ولی نعمت کے حقوق سے آنکھیں بند کر لیں نہ کم کو روکیں نہ زیادہ کو منع کو جان کر نہ خلق سے شرم کریں نہ خدا سے ڈریں اپنے آپ کو ہما ایہا الطلب بنا کر اپنے ناشائستہ افعال اور نادرست کاموں پر فخر کریں فقیروں اور ضعیفوں کے حال پر رحم نہ کریں۔

کوتاہ کیا جاسکتا ہے۔ پہلا طریقہ یعنی بادشاہ کی ذات پر رعایا کی شورش اگرچہ اقرب بمقصود ہے مگر میں اپنی شاہ پرستی کی راہ سے عین خطا اور خطائے عین سمجھتا ہوں۔ جو شخص کہ ان فکروں اور خیالات میں رہتا ہے اُس کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ آج ایران کے لئے کوئی ضرب المثل اندرونی شورش کے مضر نہیں جو قوم وسلطنت کے لئے عام بلاؤں اور آفات کی دعوت کنندہ ہے اس لئے کہ دشمن ہمارے تین طرف سے خصوصاً محرک اس وسیلہ پر آنکھیں لگائے بیٹھے ہیں اور موقع کے منتظر ہیں روپیہ خرچ کر کے گھات میں اُن کے کان آواز پر ہیں نہایت حرص و آز سے ایسی آواز کے امیدوار ہیں۔

وطن کی دوستی اور محبت اس بات کی مقتضی ہے کہ جس طرح چاہئے مضبوط قلعہ اور زبردست دیوار شورش داخلی کے لئے بنا کر کسی شخص کی آواز بادشاہ کے خلاف نہ نکلنے دیں اور دشمن خانہ برانداز کے افکار کی ترقی کے مانع ہو جائے۔

اس سے زیادہ شرح وبسط کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہر سفیہ جاہل اور طفل ناکامل بھی جانتا ہے کہ اگر ملت ایران اپنے آپ کو اس بلائے مبرم سے محفوظ رکھے تو بمقتضائے وقت اور بموجب طبیعت جغرافیہ عالم موجودہ سلطنت کو کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ اس نکتہ کو بھی جاننا چاہئے کہ بادشاہ کے شریک ہو کر وزرا مقرر کریں بادشاہ خود محدود ہو جائے گا۔ موجودہ گڑبڑ کی اصلاح اور خارجی وداخلی لوٹیروں کا علاج بادشاہ قدر قدرت قوی شوکت اور صاحب تخت وتاج کے خیالات اور اپنی قوم کے حقوق پہچاننے پر ہے۔ جس طرح ممکن ہو بادشاہ کو سمجھانا چاہئے کہ روا نہ رکھے اور راضی نہ ہو کہ لٹیروں کا مظلمہ تاریخ کے ورقوں میں اسکے نام نامی ہمایوں پر لکھا جائے۔ چونکہ نوک قلم اور اپنے اور بیگانے کی زبان پر دو لفظ ایران اور ایران کے بادشاہ کی نیکی وبدی اور حسن و قبح کے جاری ہیں ورنہ غلام اور لوٹیروں کا جنھوں نے اپنا وقت گذار دیا اور اپنی امید کی جگہ بنائی نہ نام باقی رہے گا اور نہ کوئی نشان اور یادگار رہے گی چنانچہ اس وقت تک ایران کے حکام اور وزرا و امرا کا کتب تاریخ میں کہیں نام نہیں آیا سوائے اس کے امین السلطان و امین الملک وفلان الدولہ وبہمان السلطنہ وفلان فلان ملک وملک سے خیانت کی اگر سو سال کے بعد بھی اُن کا ذکر آئے گا تو کہیں گے کہ اعتماد السلطنہ یا فلان الدولہ نے ملک وملت سے کمینہ پن کیا۔ یہ امر بدیہی ہے۔ کہ لقب بکثرت ہو گئے ہیں اور خائنوں کا نام درمیان میں سے اُڑ گیا ہے لہذا کوئی شخص اپنی ذات سے نہیں پہچانا جاتا۔ اسی وجہ سے ایک فرنگی کہتا ہے کہ ایران میں لقب بدنام ہے کیونکہ آدمی اپنے نام سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ ایران کے لوگوں کے نام لقب کے ماتحت ہو کر ایکدم گم ہو گئے ہیں۔ اگر لقب نہ ہوتا اور نام مشہور ہوتا تو مورخین لکھتے رحیم خاں پسر کریم خاں یا میرزا علی اصغر خاں پسر ابراہیم آبدار

ابنائے جنس کے مقابل ہیں؟ اُس زمانہ میں جب کہ ہند اور چین اور افریقا اور یورپ کے لوگ وحشت کی وادیوں میں مثل حیوانات کے بسر کرتے تھے۔ علم و جہالت میں۔ عدل و ظلم میں نیک و بد میں تلخ و شیریں میں۔ خوب و زشت میں تمیز نہ تھی سب نظروں میں یکساں تھے۔ اب ہم پر فرض ہے کہ اُن حیوانات لاعلم کی تہذیب کو دیکھ کر رشک کریں نہ یہ کہ اپنے اجداد کی تیرہ صدی پیشتر کی تہذیب پر فخر کریں۔ اگر ہم میں عقل و خرد و انصاف ہو تو سلطنت انگلشیہ کی قدرت اور ملت کے مقابل میں بادشاہ کیان کو یاد نہ کریں۔ جاپان کے انصاف کے سامنے نوشیرواں کے انصاف کا ذکر نہ کریں۔ امریکا کی حکومت کے مقابل کیخسرو پر فخر نہ کریں۔ یہ جن کا ہم نے نام لیا ارسطو دنیا کے وحشی ترین لوگ تھے اور دو یا دس سال گمنام ترین جنس خصوصاً سلطنت جاپان کہ جس کا نام و نشان کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے یہاں تک کہ جام جم کے جو اس آخری عہد میں لکھی گئی ہے سلطنت جاپان کا نام تک نہیں لیا اور اب دنیا کی بڑی سلطنتوں میں اس کا شمار ہے اور شریف سلطنتوں میں منسوب کی جاتی ہے۔ اس گمنام سلطنت کو دربار کے مدبر وزیروں امیروں نے صاحب شہرت و عظمت نہیں کیا بلکہ نام گرے لے زمین کی قوموں میں اپنے جبلی اور ذاتی نفع کے طالب رہے ہیں وہ بھی بلاشبہ خود اسے اور مغرب دولت و ملت اور ہمیشہ مال جمع کرنے اور سلطنت کو گراتے رہے ہیں مانند وزرائے ایران کے۔

یہ سلطنتیں جو اب ترتیب پا گئیں اور صاحب قدرت و شوکت ہوگئی ہیں اُن کی بنیاد نہ سلاطین نے اور نہ امرائے کرام نے رکھی بلکہ دو شقوں سے باہر نہیں جب کہ یہ قوم سعادت بدی اور نیک بختی سرمدی کو پہنچی اور ظلم کو عدل سے اور ظلمت کو نور سے مبدل کر دیا۔

ایک تو یہ کہ قوم ظلم و جور کی تاب نہ لائی اور اُن کی طاقت طاق ہوگئی جان سے ہاتھ دھو کر عقلا اور حکما کی رہنمائی میں سلطنت پر شورش کی اور طوق ذلت کو گردن سے نکال پھینکا اور غلامی کو آزادی سے بدل ڈالا مثل ملت فرانس اور اسپین کے۔

دوسرے یہ کہ بادشاہاں خوش عقیدہ اور نیک طینت اُن میں پیدا ہو گئے جن کی سرشت میں من جانب اللہ شجر عدل و انصاف بارور ہو گیا۔ دامن ہمت کمر پر باندھ کر عزم راسخ کے ساتھ وحشت و بربریت کے درخت کہن سال کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا۔ خود سروں کے جو بادیۂ گمراہی کے دیو اور بیشہ جہالت کے بھوت تھے سر اُڑا دئے اور زمین وحشت میں تہذیب کا بیج بو دیا۔ عدل و احسان کے ابر سے آبیاری کی مثل بطرکبیر اور میکادو اور سلطان محمود وغیرہ کے۔ فقط ان دو صورتوں میں دولت و ملت کی اصلاح ہو کر تہذیب کا درخت بار ور ہوا ہے اور بس۔ اور اب دیکھنا چاہئے کہ کس سعی و کوشش کی مدد سے دراز دستوں کے ہاتھ کو حقوق دولت سے ایران میں

ہے جو ماں کے دودھ کے ساتھ جسم میں داخل ہوئی ہے اور جان کے ساتھ نکلے گی۔ بقول ایڈیٹر پرورش کے یہ سب جانوروں سے جدا ہیں کہ آب شور کی قدر نہ جان کر ملک کے سمندروں جیسے منافع کو بغیر زور پڑے اور بغیر زر لئے ہاتھوں سے دے دیے۔ یہ انہیں جنابوں کی اولاد ہیں۔ جنہوں نے ایک شور اور دھمکی میں ہرات کو حوالہ کر دیا اور ہماری حاکمیت کے حق کی فنا کو افغانستان سے بقائے وزارت میں قبول کر لیا۔ اُن کی اولاد ہیں جنھوں نے ایک بھاری لشکر کو تین ہزار وحشی ترکمانوں کے حوالہ کر دیا۔ اُن کی اولاد ہیں جنھوں نے تیس ہزار تومان رشوت میں تیس کرور تمبا کو کا ٹھیکہ دے دیا اور وہ کیا جو انسان کے حوصلہ سے باہر ہے۔ اگر شرح کی جائے۔ تو یہ مثنوی ستر من کاغذ ہو جائے۔

مرحوم میرزا تقی خاں امیر افواج نے چاہا کہ سفارش اور رشوت خواری سلطنت کے محکمہ میں سے موقوف کر دے۔ تم نے دیکھا کہ اُسے کیا بدلہ دیا کاشان کے حمام میں زندگانی سے غسل تو بہ دیا۔ تو وزرا کو اُن امور کے اقدام کی دعوت دیتا ہے کہ میرزا تقی خاں کی مانند اُن کو زندگی سے محروم کر دے۔ یقین جان کہ ایران میں آج جن لوگوں کا دسترس ہے میں ایک شخص کو بھی نہیں جانتا کہ ان خیالات میں تمہارا شریک ہو۔ اگر اتفاق سے کوئی وزیر اس قسم کے اُمور کا اقدام کرے گا فوراً اُس کی لعنت پر متفق ہو کر اور شرعی و عرفی خطائیں اُسی وطن پرست کے خط اور مُہر سے جعل بنا کر اُس بے گناہ کا سر تمام خیر خواہوں کا آویزۂ گوش بنا دیں گے تاکہ دوسرے اپنے حق اور مرتبہ کو پہچان لیں۔

صرف اس قدر کہ ایران اور ایرانیوں کے افتخار کے لئے ہر صفحہ کے شروع میں کیانی اور پیشدادی بادشاہوں کا ذکر کیا ہے دولت و ملت کو اُن کی رفتار و کردار کے لئے دعوت دیتا ہے کیا معنی رکھتا ہے کہ ایران کو منع کرتا ہے کہ مثل ملت یونان کے اپنے باپ دادا کی ہزار سالہ ہڈیوں پر پھول کر تسکین قلب حاصل نہ کریں۔ اور الا پتا ہے کہ گذرنے والے گذر گئے اور آنے والے نہیں آئے اب حاضر کا ذکر کرنا چاہئے۔ وہ زمانہ گیا جب عجم دنیا کو طعنہ دیتا تھا اور عرب عجم پر فخر کرتا تھا۔ آج کا دن اور ہے اور یہ زمانہ کچھ اور ہے میں نے مان لیا کہ تیرا باپ فاضل ہے باپ کے علم میں سے تجھ کو کیا ملا ہے۔

اپنے اصل و نسل پر تفاخر کرنا اور خود بے ہنر ہونا مثل اُس فضلہ کے ہے جو غذائے لطیف سے پیدا ہوتا ہے۔

اس امر میں کہ تہذیب کے اصول فیلسوفان یونان اور حکمداران ایران سے دنیا اور دنیا والوں میں پھیلے کوئی گفت و شنید کا موقع نہیں مگر کیا تہذیب ؟ کس وقت اور کس زمانہ میں ؟ کن

ان صاحبان القاب اور اسامی بے معنی بلکہ غیر مستحق القب و منصب سے اپنی دولت سے نابید ہو گئے ہیں۔

خداوند تعالے اپنی درگاہ نیک اور خاص بندوں کے طفیل میں اس بادشاہ دولت پناہ کے لئے اسباب سعادت و نیک بختی فراہم کر کے خود اس کی امداد فرمائے اور ہمایوں اقدس کی مقدس آرزوں کو اپنی پوشیدہ مہربانیوں سے حضرت کی آرزو اور مقصد کے موافق موفق فرمائے۔ کہ سب سے بڑی بادشاہ کی آرزو اور سب سے اہم مقصد آبادی مملکت اور آسائش رعیت اور حفظ شریعت ہے۔ الغرض خود غرضوں کی حمایت کا منتظر اور دشمنان خانگی کی ہمراہی کا اُمیدوار نہ رہنا چاہیے ان کو گویا خدا نے پیدا کیا ہے کہ شرق میں آمدنی پیدا کریں اور مغرب میں خرچ کریں ورنہ سوائے نقصان کے ان سے اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ بعض وطن پرستوں کی اُمید صرف الطاف خداوندی اور عنایات شاہنشاہی پر ہے اس لئے شہنشاہ بلند اختر خدا کے لئے ہمت کرتا کہ میں تمھارے آسمان جیسے خاک ایوان کو بوسہ دوں۔

جس وقت کہ میں اوراق کی ترتیب اور ابراہیم بیگ کے سرانجام کار کے نمبروں کی تنظیم اور اُس کے نتیجہ تعصب میں مشغول تھا ایک دوست صادق اور محب موافق گھر میں آئے میری حالت کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ میں کس کام میں معروف ہوں بے تامل کہا کہ اوراق پریشان اور تحریرات سرگردان جو میز پر بکھری ہوئی پڑی ہیں کیا ہیں اور کیا خیالات ہیں؟ میں نے کہا عیاں را چہ بیاں۔ کہا۔ اے برادر جان مجھے تیری عقل پر بہت تعجب آتا ہے کہ جس قدر سن رسیدہ ہوتا جاتا ہے۔ احمق تر ہوتا جاتا ہے بجائے اس کے کہ اس قدر زحمات شاقہ کی پاداش میں جو دولت وطن کے لئے تو نے گوارا کی ہیں اور راحت و آرام چھوڑا ہے تجھ پر رحمت بھیجیں اور تیری تحریروں کی تعریف کریں میں نے اپنے کانوں سے سُنا کہ ایک جماعت تجھ پر لعنت بھیجتی ہے اور تیری باتوں کو مزخرفات اور لاطائلات بتاتے ہیں کیا تجھے اور کوئی شغل اور کام نہیں ہے؟ اس بیجا مشقت سے تیرا مقصد کیا ہے؟ میں نے کہا میں کمانے والا ہوں اور بے شغل و کار نہیں ہوں۔ کہا پھر اپنے آپ کو ان بے فائدہ مطالب کے پیچھے جن سے کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں معطل کر دینا کیا معنی؟ کیا یہ باتمیز عقلمندوں کا کام ہے؟

اگرچہ خوشگوئی سے زیادہ پسندیدہ بسبب حصول نعمت میں کوئی نہیں ہے مگر خاموش آدمی آفتوں سے محفوظ رہتا اور سلامتی سے بہتر کوئی نعمت نہیں ہے۔

اور ان بے معنی باتوں کے لکھنے کا نتیجہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے دشمن پیدا کر لینا ہے کیونکہ رشوت خواری۔ رعیت کو لوٹنا۔ تحفے لینا پیشکش لینا اور آمدنی پیدا کرنا بزرگان ایران کی عادت

ایسا عمل اور کارِ خیر چھوڑ جائے کہ جس کے ذریعہ سے ہمیشہ اُس کا نام نیکی کے ساتھ لیا جائے۔
(۱) اے ہمیشگی اور بقائے دوام عمر کے طالب آدمی کا نام ذکر خیر سے باقی رہتا ہے۔
(۲) حکم و سلطنت ملک و مال و جاہ سب ہیچ ہیں کیونکہ انسان کا نتیجہ آخر میں فنا ہے۔
(۳) میں نے جس قدر فکر کی اور خیال دوڑایا انسان کی زندگی کا ماحصل نام نیک ہے۔
اگر ہم آخرت کے قائل ہوں تو کم سے کم بہتر یہ ہے کہ موت سے ڈرتے رہیں اور یاد کرتے رہیں کہ موت یقیناً پیش آنے والی ہے۔
اگر کوئی قائل اعتراض کرے کہ ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں کہ وقت موعود غیر معلوم ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ صحیح ہے تو ایک منٹ بعد یا بیس سال بعد ہم کو موت آ دبائے گی پھر کیوں اس بات کے ہوتے ہوئے ہر لحظہ زر و مال کے تدارک اور ذخایر کے جمع کرنے اور قوم کی لعن و طعن حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اس بات کے طالب نہیں ہوتے کہ دُنیائے فانی کو چھوڑنے کے بعد ہماری اولاد کا کم سے کم لوگ احترام کریں گے اور کہیں گے۔ خدا بخشے اُس باپ کو جو ملت و وطن کے رستہ میں بڑی زحمتیں اُٹھا کر ابنائے وطن کی آسایش و ترقی میں عام خیرات و مبرات سے باقیات صالحات یادگار چھوڑ گیا۔ قواعد مستحسنہ کی بنیاد ڈالی جن کے فوائد عام سوسائٹی کو پہنچتے ہیں۔
تواریخ میں لکھا ہے کہ ایک دل آگاہ بادشاہ کے سامنے لوگوں نے ایک عقلمند کی بڑی تعریف کی یہاں تک کہ بادشاہ اُس سے ملنے کا طالب ہوا اور اُس کو بُلوایا۔ عالم نے بادشاہ کی زیارت کا فیض حاصل کر کے دعا اور ثنا کے موقع پر کہا "بادشاہ کی عمر ہزار سال تک باقی رہے" بادشاہ عالم کی اس محال گوئی سے مکدر ہو گیا۔ فرمایا کہ میں نے تیری بڑی تعریف و توصیف سُنی تھی مگر تو نے پہلے ہی محال بات کہی جو اہل علم و معرفت کی روش سے دُور ہے۔ عالم نے جواب دیا کہ اے بادشاہ میری دُعا تیرے لئے عمر طبعی کے واسطے نہ تھی کیونکہ انسان کیسا ہی جاہل و نادان ہو جاتا ہے کہ ابنائے بشر کا ہزار سال زندہ رہنا محال ہے مگر میری دُعا بادشاہ کے نام نیک کی بقا کے لئے ہے کہ عدل و داد کے ساتھ جمہور ملت کے فائدہ کے لئے اُس سے آثار حسنہ بروز و ظہور کریں تاکہ ہزار سال تک وہ آثار باقی رہیں اور عام مخلوق بادشاہ دادخواہ کے نام نیک اُن آثار حسنہ کے وجود کے ساتھ یاد کرے۔ بادشاہ اس جواب سے خرم و مسرور ہوا۔ خواطف خسروانہ اور عطایائے ملوکانہ سے اُس کو نوازکر سربلند اور سرافراز کیا۔ داد بیداد اُن خیالات سے جو ان وزرائے شاہ پرست کے دل میں مرکوز ہیں جو ملت ایران کو مثل مُرغی کے بچہ کے جانتے ہیں جو اپنی ماں کے پستان سے دُودھ نہیں پیتا اور نہ پیئے گا۔ یہ وجہ ہے کہ عام وطن خواہ

بھی بہتر اور شریف ہو جائے اور نیز ہیئت اجتماعی کی بلکہ پیغمبر خدا کی خدمت ہو جائے کہ فرزندان
آل رسول اکرم سوال کی ذلت سے فارغ ہو جائیں اور زندگی کے دن عزت و شرف میں بسر
کریں مگر کیا فائدہ وزرا کی نحوست سے نہ ایران میں کارخانوں کی ضرورت ہے نہ سپاہی کی نہ
مہندس نہ معمار کی ۔ ضروری ہے کہ آوارگی اور بیکاری سے خدمت قوم سائل بھک اور فقیر اور
افیونی ہو کر قہوہ خانوں کے گوشوں اور مساجد کے کونوں اور حماموں کی بھٹیوں میں رات کو دن کریں
اور اس بیکاری کے صدقہ میں روزانہ سینکڑوں عرضیاں قربان حضور مبارکت گردم کی حضور وزارت
مآب میں پیش ہوں۔ بیشک ایسی آمدنیوں کے لئے ایسے ہی خرچوں کی ضرورت ہے کہ دینے والا
اور لینے والا دونوں مسئول اور مورد غضب خداوندی ہوتے ہیں الغرض نہ وزیر کی کنجوسی قوم کے
حال کو نقصان اور نہ امیر کی سخاوت پبلک کو فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ جمہور کی رفاہ حال میں
اضافہ کرتی ہے ؎ میرے چہرہ سے آنسو پونچھنے سے کیا فائدہ ہے۔ ایسا علاج کر کہ میرے
دل سے خون نہ آئے۔

وزیروں کو بادشاہ کا یار صادق اور معاون و مددگار ہونا چاہئے۔ دولت کا نام بلند کریں
اور قوم کی عزت حاصل کریں اور اس فخر و مباہات پر فرمائیں ؎

(۱) زندہ جاوید کون ہے؟ وہ جو کہ نیک نام زندگی بسر کر گیا۔ جس کے پیچھے اُس کا ذکر
خیر اُس کے نام کو زندہ کرتا ہے۔

(۲) قارون مر گیا جو چالیس خزانے رکھتا تھا نوشیرواں نہیں مرا جو نام نیک یادگار چھوڑ گیا۔

اگرچہ سخاوت اوصاف حسنہ میں اول مرتبہ رکھتی ہے اور خدا کے نزدیک اُس کا اعتبار بہت
اور اُس کا اجر زیادہ ہے مگر جاننا چاہئے کہ کیونکر اور کہاں سے حاصل کی جائے اور کس طرح بخشش
کرنی چاہئے؟ یہ بھی جاننا چاہئے کہ وزراء کا کام عدل و داد سے رونق پاتا ہے۔ عدل کی ایک
ساعت ساٹھ سال کی عبادت اور لاکھوں کی سخاوت سے بہتر ہے کیونکہ عدل سے سلطنت
قائم رہتی ہے رعیت کا مال بڑھتا ہے۔ عام لوگ عدل کی دولت و برکت سے مقتدر اور غنی
ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ مسلم ہے۔

کہ آمدنی انسان کو سخی رکھتی ہے۔

مگر ایسا اکثر ہوتا ہے کہ اہل ثروت سخاوت کر کے فقیر ہو گئے اور لینے والے کے پاس بھی کچھ نہیں
بچا۔ "اعتدال رکھو کیونکہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے"۔ ہزار افسوس کہ ایران کے مقتدر لوگوں میں
ایک شخص بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جو دنیا و مافیہا پر لات مار کر نیک نامی کا طالب ہو اور اُس
کا نام نامی صفحہ روزگار پر عقل و صحت کی رو سے باقی رہ جائے یعنی ابنائے وطن کے لئے

کو تمام دنیا کے لوگ مرنے کے بعد بھی پہچانیں گے اور اُن کو اپنے زمانہ میں بھی سوائے چند لالچی عربوں اور گداؤں کے جو اُن کی سخاوت اور کارگذاری کی مدح میں لگے رہتے تھے کوئی اور نہیں پہچانتا تھا۔ آج جو تہائی ایران سائل اور درویش اور فقیر ہیں جو ہر قسم کے پیشہ اور کام سے ہاتھ کھینچ کر لوگوں کے ہاتھوں کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہیں۔ ہمارے وزراکیوں ایسی تدبیر اور ایسی روش اختیار نہیں کرتے کہ تمام قوم کے افراد کو باہم مربوط کر کے سب کو حفظ وطن میں شریک کر لیں تاکہ تمام قوم حفظ شریعت غرّا کے لئے کمربستہ ہو جائے سادات ذوی الاحترام صحیح المزاج قوی البنیہ قوم کے ساتھ مل کر اپنے جد کے دین کی محافظت میں کندھوں پر بندوق کیوں نہیں رکھتے؟ اُن میں سے توپچی کیوں نہیں بنتے؟ کیا اُن کے جد نے ہزاروں مخالفین کو شریعت غرّا کی حفاظت کے لئے نہیں گرا دیا؟ کیا حفظ ناموس ملت و وطن مقدس کے لئے دست مبارک میں نیزہ نہیں پکڑا تھا اور اپنی اولاد کو شمشیر ہائے بُرّاں کے مقابل میں نہیں بھیجا؟ اور حالانکہ اُن کے جد نے فرمایا ہے "میں اولین و آخرین کا سردار ہوں اور میں عرب و عجم کا سردار ہوں" کیا امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے نور چشموں کو ہر غزوہ میں اعدائے دین کے مقابل میں نہیں بھیجا؟ "قوم کا سردار اُن کا خادم ہوتا ہے" سردار کو لازم ہے کہ اپنے زیر دستوں اور محکوموں کے حفظ جان و مال میں خود داری نہ کرے تا کہ اسم بے مسمٰی رکھتا ہو۔

اتحاد ملت کی تنظیم و تربیت میں وزیر صاحب رائے اور صاحب تدبیر کی ضرورت ہے جو سمجھے اور جانے کہ کس طرح قوم کو حفاظت وطن کے لئے ہمرائے اور ہمدست کیا جا سکتا ہے افسوس کہ ہمارے وزرا اس میں بہتری سمجھتے ہیں کہ رعایا کو سست اور گدا بنا دیں اور اپنی سخاوت اُن پر خرچ کریں وہ بھی بے موقع اور غیر مستحق کو۔ کوئی مسلمان حقانیت خمس اور مال امام کا منکر نہیں ہو سکتا۔ مگر مستحق خمس کون ہے؟ اور کس کو پہنچنا چاہیے۔ ہزارہا سادات ستر سالہ چھ سات بچوں کو لئے ہوئے ایران کے ہر شہر کے گوشوں میں پڑے ہیں اور سوال کرنا نہیں جانتے اور بڑی غیرت و پریشانی سے رات کو دن کرتے ہیں کوئی اُن کی پروا نہیں کرتا مگر بدمعاش سادات بذلہ گو ظریف اور مسخرے جو ہر کام اور ہر پیشہ پر قادر اور توانا ہیں مکاری سے ہر جگہ جاتے ہیں۔ اور کسی چیز میں مضائقہ نہیں کرتے ہیں جو کچھ سامنے آتا ہے اُس کو خوش آمدید کہنے والے ہیں اور ایسے خبایات کے مرتکب ہوتے ہیں کہ انسان کو شرم آتی ہے اُن کو "آل رسول" کہتے ہیں ہر کس و ناکس کے سامنے صدگونہ فسق و فجور کے عامل ہو کر ہزار باتیں جو اُن کی شان اور مرتبہ کے مناسب نہیں کہتے اور سنتے ہیں صرف پانچ تومان کے لئے۔ کاش یہ سلسلہ کوئی مروتی اور صاحب رکھتا ہو جو مفت خواروں کو ذلالت اور بے شرمی سے روکے۔ خود اُن کی زندگانی

افسوس کہ وزرائے خود غرض نے جو حقیقتاً اس کے سزاوار اور شائستہ ہیں کہ اُن کا شمار خائنین دولت وملت میں ہو ان فرامین ملوکانہ کو اہمیت نہ دے کر "گویا کہ دیتے" سمجھے بلکہ مانع ہوئے کہ اُن کا اجرا ہو۔ یہ ہے کہ ہم نے مختصر اور بے ربط اور بے ترتیب اس خطبہ کی طرف اشارہ کیا کہ بادشاہ نے ایسا کہا تھا ہم کیسی بدبخت و ناانصاف قوم شمار کئے جائیں گے اگر اس ملتفتِ شاہانہ کا شکر حق ادا نہ کریں گے بادشاہ کا اسی قدر ممنون و متشکر ہونا چاہئے کہ اصلاحات کو مانع نہ آئے اور حالانکہ وہ شاہنشاہ فرماتے ہیں کہ ہر قسم کی ترقی کے اسباب کے سہل کرنے میں موجود اور تمہارے ساتھ شریک اور ہمراہ ہوں اور ہر قسم کی جانب داری اور امداد کو حاضر ہوں اور خودداری نہ کروں گا۔ اے باانصاف لوگو۔ تمہارے وزراء بھی ایرانی رعیت کا ایک طبقہ ہیں پس جو غفلت اُن سے ہوئی ہے وہ تمہاری غفلت ہے اس وقت جب کہ زمانہ نے مساعدت کی اور خدا نے ایسا مہربان و رؤف بادشاہ مرحمت فرمایا تم نے کیا کیا اُن میں سے ایک کام بتاؤ تو۔ ملت بے علم کا وبال اور گناہ وزراء اور علماء اور صاحبان اثر و اقتدار کی گردن پر ہے جو کروروں کے مالک اور ہزار کرور والے ہو گئے ہیں اور عمارات عالیہ کے مالک ہو گئے ہیں جس میں فرنگستان کا بیش قیمت فرنیچر موجود ہے۔ اس نعمت کے وزراء نے اپنی ولی نعمت کی کیا خدمت کی ہے؟ سوائے اس کے کہ ملل و دول اور تاریخ عالم میں اس خواری و ذلت کو اس بادشاہ جمجاہ ترقی خواہ اور عادل کے نام نامی پر لکھوائیں گے۔ اور قسمن میں اپنے نام کو بذل عطا و سخا میں شہرت دیتے ہو اور قوم کے ہزاروں حق ضائع کرتے ہو اور ان کی دولت کے ناجائز طریقہ سے مالک ہوتے ہو۔ ان سب کا وبال تمہاری گردن پر ہے۔ یہ جو تم اپنی ایک ہزار ایک نعمتوں کو مکاروں اور غیر مستحقین کو بخشتے ہو تاکہ تمہارا نام سخاوت میں مشہور ہو جائے اس سے تمہاری فضیلت نہ بڑھے گی۔ تو مر جاتے۔ نہ زنا کر اور نہ صدقہ دے۔

کیا وزیر کی سخاوت قوم کے حق میں مستحسن ہے یا درایت؟ کیا انصاف اور امانت اور دانائی اور احقاق حق اور رائے صائب اور نیکوکاری اور عاقبت اندیشی اور دور اندیشی اور دُور بینی اور حفظ حقوق و ناموس جو آج عالم تمدن میں خودنمائی کر رہے ہیں وزیروں کی سخاوت کا نتیجہ ہیں؟ آخر وزراء کی سخاوت نے جو اپنے خلفا سے ممالک اسلامیہ میں رہ گئی سوائے اس کے کہ نصف عربوں کو گداگر بنا دیا اور کیا فائدہ بخشا۔ کیا سمارک کی درایت کا یہ نتیجہ نہ ہوا کہ تمام جرمنی قوم کو آگاہ کر دیا کہ سب سپاہی بن جائیں تاکہ دُشمن کے حملہ کے وقت وطن کی مدافعت کریں۔ تاجران معتبر اور صاحبان ثروت سپاہی پن پر فخر و مباہات کرنے لگے۔

عربوں کو برامکہ اور اُن کے مانند لوگوں نے شاعر اور سُست اور بدیہہ گو بنا دیا۔ لیکن تواریخ میں بسمارک کا نام باقی رہ گیا اور برامکہ اور اُن جیسے لوگوں کا نام فنا ہو گیا۔ بسمارک

کے حصول میں مانع ہوئے مگر یہ بھی جاپان کی پولیٹیکل اور مدبرانہ چال تھی جو اُن سے بڑی قابلیت سے اُس موقع پر ظاہر کی یعنی اپنے حقوق ثانیہ سے صرف نظر کرکے ازسرنو ان درازدستوں کی کوتاہی کے بندوبست میں کوشش کی۔ یہ وجہ تھی کہ ایسی سعی و کوشش کی کہ تھوڑی سی مدت میں بڑی قوت کے ساتھ اُس جگہ لوٹ گیا جہاں سے اُس کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ یورپ کا لشکر تمام نادم و پشیمان ہوکر نہایت پریشانی میں ممالک چین سے اوٹ جائے گا چاہے چندسال تک گنج شانگھاں کے سر پر بیٹھے رہیں۔ اب میں امپراطور جاپان کے اس لکچر کے معانی کی تشریح و تحقیق کرتا ہوں کہ یہ وجہ ہے جو اخبارنویس کے پرچوں اور متمدنین عالم کے مجالس خاص و عام کے نظام ناموں میں ملت و دولت جاپان کی ترقی فوق العادہ لکھی گئی ہے اور ضرب المثل ہوگئی ہے۔ کیا خود بادشاہ نے سوائے اس لکچر کے اور کوئی کام کیا؟ یا تمام امور دولت کو ایک ایک کرکے اپنے زیر نگرانی لے آیا؟ یا جاپان کے مدرسوں میں معلمی کی اور خود کارخانے کھولے اور ریشم کے کپڑے بنے؟ یا زراعت و فلاحت کی؟ نہیں واللہ۔ ان میں سے کوئی کام بھی بذات خود نہیں کیا بلکہ یہ نام نیک ورشہرت بے پایاں اس وجہ سے حاصل کی کہ قوم کے علوم و ترقیات کے حاصل ہونے کی ترقی میں حارج نہ ہوا اور اپنے ٹھاٹھ کے اصراف سے صرف نظر کی ترقی خواہ اور ننگ و نام والے بادشاہوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ راضی ہوجائیں کہ امور دولت و ملت مجلس شوریٰ میں فیصل ہوں اس سے زیادہ مرحمت و جانبداری ملک و ملت کے حق میں بادشاہ کی ذات محترم سے نہیں ہوسکتی۔ یہ بات تھی کہ اول جلوس میں وارث تاج و تخت کیان اعلیحضرت عدالت خواہ مظفرالدین شاہ خلداللہ ملکہ نے کہ وہ شہنشاہ دل آگاہ دین و آئین اُس ملک کا آراستہ کرنے والا اور ایران جنت نشان کا پہلا بادشاہ ہے جس نے عدالت گستری اور رعایاپروری سے کہ شہریار بلند پایگاہ کی فات ہمایوں کی سرشت ہے کلام دُرنظام سے فرمایا۔

کام بہت پیچھے پڑے ہیں اب اصلاح اور ترقی کا زمانہ ہے سعی و کوشش کرو جس صورت میں بھی دولت و ملت کی ترقی کا سبب پاؤگے میں تقویت و جانبداری و مراعات میں خودداری نہ کروں گا۔ زراعت کی تشویق اور تجارت کی رونق کے لئے حکم دیا کیا امر اور کیسا حکم؟ اگر غور سے ملاحظہ کیا جائے تو دوزرا سے خواہش والتماس فرمایا۔ اس بادشاہ ترقی خواہ کی فرمانے کی طرز پر انسان کا دل کباب ہوتا ہے اور رقت فوق العادہ طاری ہوتی ہے اگر یہ فرمائشیں اجرا ہوگئی ہوتیں تو اب تک قوم اُن کے نتیجہ کی لذت چکھ لیتی۔ شاعری کے صحیفے اور کتابیں اُس خطابہ ہمایوں سے آراستہ ہوتیں اور قافیہ و سجع کے لباس سے پیراستہ اور موزون و مقفیٰ تار بیخ ہوکر شاہانہ فرمائشات کی شان اور رتبہ امپراطور جاپان میکادو کے لکچر سے ہزار درجہ بالاتر ہوجاتا۔

چمکا اسی قوم کے لئے اسباب ترقی اس طرح فراہم ہوگئے کہ اس وقت تک کسی قوم اور سلطنت کے لئے میسّر نہیں ہوئے کہ اپنے کام کی ابتداء سے ہی ممالک غیر کی احتیاج سے آزاد ہوگئے اور اس باغیرت قوم کو جس قدر جنگ جدال کے اسباب توپ و بندوق بارود اور کارتوس کشتیوں اور ریلوے لائنوں اور انجینیروں اور استادوں کی ضرورت تھی سب اپنی قوم میں سے مہیا کئے یہاں تک کہ اپنے کا رخانے اپنا لوہا لکڑی تختہ کیل اپنے معلم معمار مزدور اپنے نان و نمک و پوشاک و ظروف سب اپنا ہوگیا۔ بغیر اس کے قلیل و کثیر کے ممالک خارجہ کے محتاج ہوں اور اپنے ملک کی ثروت سے رنڈیوں کے کیسہ بھریں سب کو اپنے آپ ہی سے مہیا کر لیا کہ اس قدر خوش بختی و اقبال آج تک کسی سلطنت کے حصّے میں نہیں آیا۔

انگریزوں کو ضرورت ہے کہ لکڑی باہر سے خریدیں تو کشتیاں بنائیں۔ روس بھی محتاج ہے کہ گیہوں باہر سے لائے تو روٹی کھائے۔ فرانس کو ڈیڑھ سو سال ہوئے کہ ریشمی کپڑے بُننے میں مشہور ہے مگر ابریشم کے لئے خارجہ کا محتاج ہے۔ اس شیرخوار قوم نے بہت جلد ریشم بُننے میں فرانس کو خوبی اور ارزانی میں پیچھے ڈال دیا اور وہ بھی اپنے ابریشم سے۔ اگر انسان تھوڑی سی عمل میں فکر کرے تو جان جائے گا کہ زمانہ قلیل میں جدوجہد اور اتحاد ملک و ملت کی وجہ سے کس قدر ترقی کرسکتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ جس کام پر ہمت بندھ جاتی ہے اگر کانٹا بھی ہوتا ہے تو گلدستہ بن جاتا ہے۔

ان سب کو کرامت پر حمل کرنا چاہئے کیونکہ خدائے قادر نے اس مشت خاک کو کس قدر قابلیت اور استعداد بخشی ہے کہ "ہم نے بنی آدم کو اعزاز دیا" کے خلعت شریف سے مشرف اور سرفراز ہوا ہے۔ پس اللہ اُن کو برکت دے جو سب خالقوں سے اچھا ہے" اُنہی کے لئے فرمایا ہے۔

شہنشاہ فرانس کی فرمائش بھی بجنسہٖ اس کے ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ نپولین کے اقوال میں سے جو اُس کی تاریخ میں درج ہیں ایک یہ ہے کہ لفظ "ناممکن" کو کتب لغت میں سے خارج کر دینا چاہئے یعنی دنیا میں کوئی کام نہ ہونے والا نہیں ہے تمام کام انسان کی ہمت پر موقوف ہیں اگر چاہے تو موقع پر ان کا اجرا کر سکتا ہے اور لفظ "نہیں" کسی موقع اور مقام پر استعمال نہ کرے بلکہ نون نافیہ کو آب ہمت و غیرت سے دھو ڈالے۔

جاپانی قوم نے ایک دم اُن کاموں کے چہرہ سے جو پوشیدگی میں محفوظ و مستور کر رکھے تھے پردہ اُٹھا کر جنگ چین میں چینیوں کو جو انھیں اپنا ذلیل غلام سمجھتے تھے اپنی خداوندی کا مقر کر دیا اور نیز دنیا کو اپنی مالک رقابی ظاہر کر دی ہر چند دول یورپ کے متعدد خطوط ان کے

کے راستہ میں بنادیں اور اُن کے شر سے اپنی حفاظت کریں اور یہ مضبوط دیوار نہ بن سکے گی مگر علوم کی کثرت اور آزادیٔ افکار و قلم سے کیونکہ یہ اوّل و آخر کا مسلہ ہے کہ ہر نیک بختی اور سعادت علم سے حاصل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ترقی کی پہلی سیڑھی عدالت ہے کسی بُرے کام پر پردہ مت ڈالو۔ مجالس و محافل میں عیوب پر بحث کرو اور اخباروں میں لکھو اور نہ کسی سے ڈرو اور نہ کسی کو ڈراؤ یہاں تک کہ اُس رُکاوٹ اور بُرائی کو دور کردو۔ اپنے معبود سے ڈرو نہ کہ بتصدیان امور سے اگر آدمی کو اپنا عیب معلوم ہوجائے گا اور اُس سے واقف ہوگا تو ضرور اس سے بچے گا۔ اس کے بعد امپراطور کے مفصل خطبہ نے جس کا مختصر یہاں لکھا گیا آزادی کی موجودہ تقویت کے ساتھ قوم کے ضعیف قوای کو جمع کرکے خرد و ربین کی رہنمائی سے خونہائے افسردہ کو بڑی سُرعت کے ساتھ جاری کردیا گویا یہ امپراطور کا لکچر دم عیسٰی تھا جس نے مُردوں میں تازہ رُوح پھونک دی۔ جاپانی ملک و ملت کو زندہ کردیا۔

مانند بہار بہاریں کے سبزی کے آثار بخش دیے۔ پہلا کام جو قوم و سلطنت سے تو ام صادر ہوا یہ تھا کہ تیس عقلمند اور صاحبان ہوش و ذکا کو ممالک خارجہ کے پایۂ تخت کو سرکاری طور سے بھیجا تاکہ اُن کے تمام سول و ملٹری بری و بحری کاموں کی ترتیب کو دیکھ کر اور سمجھ کر اپنی ملکی ترقیات کے لئے صحیح دستور العمل حاصل کریں۔

ہر ہیئت کے لئے ایک رئیس مقرر کیا۔ پھر دول خارجہ کی مملکت داری کی تحصیل میں اپنے عقائد و مشاہدات و ملاحظات کو جھوٹ اور سچ سے اُس پر اضافہ کرکے اپنی مجلس شوریٰ ملی کی بنیاد ڈالی۔ مجلس نے رد و قبول اور جرح و تعدیل کے بعد قوانین دول میں سے جو کچھ اُن کی وضع کے منافی و مخالف تھے ترک کیے اور خود ایسے قانون کہ آج کے مہذب لوگوں کے قوانین کا جوہر سمجھے جاتے ہیں ترتیب دیے۔ پہلا کام یہ کیا کہ آدم سازی کے کارخانے کھولے۔ جاپان کے جنگلی اور وحشی آدمیوں کو اُن کارخانوں میں ڈھال کر تھوڑی سی مدت میں ایسی تعلیم و تربیت دی کہ انگریزی امیر البحروں سے بہتر اور جرمنی کے توپچیوں سے ممتاز اور امریکا کے اُستادوں سے زیادہ قابل ان کارخانوں سے نکلے کیونکہ غیرت ذاتی اور ایشیائی ذکاوت جبلی اُن کی طبیعت اور خمیر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کوئی انتہا نہ تھی کہ کب تک تربیت کریں گے۔ جس وقت کہ اُن گاؤں کے مالکوں نے تربیت کے اسباب موجود پائے تو وُہ فن اور شکلیں جو ملک کی حفاظت۔ تحصیل معاش۔ رفع امراض مضرۂ زراعت و فلاحت اور تمدن ہیئت ملیہ کے لئے ضروری تھیں اور جن کا کمال سالہائے دراز سے یورپ میں ٹھیرا ہوا تھا تھوڑی سی مدت میں بوجہ احسن بڑی مفاخرت کے ساتھ سیکھ کر اُن کے نتائج کو عرصۂ شہود میں رکھ دیا۔

جد و جہد کے نتیجہ اور طبیعت کی غیرت و حمیت کے ثمرہ سے نقشہ مملکت ایک دم تبدیل کر دیا۔ ملک کے گڑھوں کو طرح طرح کے باغوں میں تبدیل کردیا۔ باشندوں کی سعادت کا تاج

اور اپنے اسلاف و اجداد کے جو ہمیشہ شخصی منافع اور احترامات ذاتی کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔
میں قومی منافع کے لئے کوشش کروں گا اور اس کے بعد علم و معرفت کا بادل برسنے لگے گا اور جہالت کے
بدبخت لشکر کو نیست و نابود کر دے گا۔ اور سب منافع قومی کو اغراض شخصی پر مقدم رکھ کر اتفاق کے
سایہ میں سعادت ہیئت اجتماعیہ کو حاصل کریں۔ میں صاف دل سے تم سے عہد و پیمان کرتا ہوں کہ ہمیشہ
قوم و سلطنت کی بھلائی کو مقدم رکھوں گا اور اپنی شخصی شئونات کو فنا کر دوں گا۔ سلطنت اور ملک و
ملت کے حقوق کی حفاظت کے منافع میری سلطنت و شوکت و عزت پر لوٹنے والے ہیں جس وقت
میں اُن کے مراعات و احترامات فائقہ میں کاہلی اور سستی کروں گا اور اُس کی طرف کو بیکار رکھ چھوڑ دوں
گا تو میرا احترام و تشخص باقی نہ رہے گا کیونکہ سلطنت ہیئت اجتماعیہ ملت سے مراد ہے۔ ہر فرد ملت
سلطنت کا نمائندہ ہے مگر صرف بادشاہ کی ذات کو سلطنت نہیں کہہ سکتے بلکہ لفظ سلطنت کا اطلاق
ہیئت اجتماعیہ پر ہوتا ہے ملک کے کام اس وقت نظم میں آتے ہیں اور مملکت اُس وقت متمدن
شمار کی جاتی ہے کہ سلطنت اور قوم میں مغائرت باقی نہ رہے۔ جب رُوح اور جسم مل جائیں گے تو متحد
اور یک دل و یک جہت ہو کر نیت پاک اور شوائب اغراض سے خالی خیال کے ساتھ ایک دوسرے
کا ہاتھ پکڑ کر امور دولتی و ملتی کے استحکام اور دفع دشمن اور آبادی و رونق وطن میں کوشش کریں گے۔
اور اگر ملت کی ہیئت مجموعی پراگندہ ہو جائے تو بالطبع شیرازہ اوراق دولت بکھر جائیگا اور سلطنت
ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ بادشاہ منصب عظمیٰ اور لقب مخصوص سے ممتاز ہے اور اب جب کہ یہ
منصب جلیل اور لقب جمیل رب جلیل کی جانب سے میرے مادہ میں عطا ہوا ہے تو اگر میں حمایت
وطن اور رعایت ملت میں سستی اور کاہلی کر دوں تو عند اللہ اور عند الناس مسئول اور شرمندہ ہوں گا۔
استبداد میرے آبا و اجداد کو اس وظیفہ مقدسہ پر عمل کرنے سے مانع آتا تھا اور اب میں لانتاً
اپنے اجداد کا قائمقام ہوا ہوں اس موہبت عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ کے شکرانہ میں اپنے اسلاف کے بیجا
دعاوی سے ہر باب میں چشم پوشی کر کے آئندہ کار ہائے ملکی و ملتی کو شورائی اور رائے ملت سے جاپانی
قوم کے ایک تجربہ کار گروہ کی زیر نگرانی محول اور مجری کروں گا اور کوئی قوم سے متعلق کام شروع
نہ کروں گا اور کسی کو حقوق نہ دیئے جائیں گے جب تک دار الشورائے ملتی اس کی قرارداد مرتب
کر کے مجلس وزرا میں نہ بھیجے گی اور مجلس وزرا بھی اگر اصلاح ملت و دولت دیکھے گی تو دستخط کر کے
رئیس جمہور کے پاس کہ میں ہوں بھیجے گی تاکہ دستخط کر کے اُن کے اجرا کا حکم دوں۔ کیونکہ مجھے
قرائن خارجیہ سے معلوم ہوا ہے کہ اہالی مغرب زمین ہم کو آرام سے نہ بیٹھنے دیں گے اور دندان طمع
ہمارے ملک و مال کے لئے تیز کئے ہوئے ہیں پس ہم کو لازم ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ اس خیال
باطل میں پڑ کر ہمارے روز روشن کو شب تار سے مبدل کر دیں ایک مضبوط دیوار اس سیل خانماں برانداز

اپنے جلب منافع کی کوشش کرے گی اور گمان ہے کہ ضرر رساں بدعتیں ایجاد کریں گے۔ تریاق کے استعمال کے وقت سم قاتل کام میں لائیں گے اور لڑائی کے وقت صلح کریں گے اور بزم کے وقت رزم کی تمہید کریں گے پس شرع وطبیعت کے قانون سے چونکہ انسانی جماعت کو چاہیئے کہ تعاون وتناصر سے اپنی حوائج پوری کریں اسی طرح ادارۂ امور سلطنت کو بھی ہیئت کاردان و باکفایت کی ضرورت ہے جو امور ملکی و مہام سلطنتی کی تدبیر و ترتیب کے لیے عقل کو جمع کریں اور شرکت کریں تاکہ بادشاہ کے قیادت میں مشروطیت کے عنوان سے آزادی اور اتفاق آرا کے ساتھ پبلک کی مشکلات کے حلال ہو جائیں کیونکہ جماعت کی رائیں خطا اور خلل سے دور اور فنا و انقراض سے محفوظ ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اگر ایک شخص درمیان سے چلا جاوے تو جو کچھ ذکاوت اور دانائی رکھتا ہے اپنے ساتھ لے جاتا ہے مگر جماعت کسی وقت فنا پذیر نہیں ہوتی سو ایک جاتا ہے دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے۔ میکادو کے ان حکیمانہ تصورات نے یہ نتیجہ بخشا کہ ایک دم غرور وجلال کا پردہ گر گیا اور جمال سے برقع اٹھ گیا صورت خنداں اور دل شاداں کے ساتھ دربار عام کیا اور سول و ملٹری حکام کو اپنی مجلس میں بلایا۔ رعایا اور تمام طبقوں پر مہربانی کی تمام مخلوق کو متحیر کر دیا کیونکہ کسی شخص کے تصور میں بھی نہ آتا تھا کہ یہ ممکن ہے کہ اپنے خداوند کے جمال کو بے پردہ دیکھ سکیں گے۔ بعض کو خواب اور بعض کو خیال کسی کو یقین کسی کو شبہ مجسم تھا کیونکہ یہ بات کسی کے تصور میں بھی نہ آتی تھی کہ بادشاہ والاجاہ اپنے آپ کو ان کے سامنے بے پردہ اور بے نقاب کر دے گا۔ اور اس سیاہ روزگار قوم کو نور آزادی کی جھلک سے منور کر دے گا اور سب کو اپنے سریر سلطنت کی پیشگاہ میں بلائے گا اور ان کے ملک وملت کو سعادت ابدی سے ملا دے گا۔ سلطنت اور رعایا کی رائے کو حریت و آزادی مرحمت فرما کے امور میں شرکت کے فیض سے برخوردار کر دے گا۔ اپنے فریضۂ مشروعہ میں کہ فقط وطن اور ابنائے وطن کی دست اندازی بیگانہ سے حفاظت مقصود ہے ہمت شاہانہ اور حمیت ملوکانہ کے ساتھ قدم رکھے گا اور کسر نہ کرے گا اور ہیئت اجتماعی کی آزادی میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک نثار کر دے گا۔ وہ سر کیا اچھا ہے جو اس راہ میں چوگان سعادت ہو گیا ہے اور وہ خون کیا اچھا ہے جو اس کار مقدس میں بہے۔

جونہی کہ جاپان کے بادشاہ جوان بخت مُتسوہیتو نے اس مہربانی کے شمول سے اپنے امرا اور رعایا کو خوش وخرم دیکھا اور سمجھ گیا کہ وہ کس بادۂ فرح بخش کے نشہ سے سرخوش ہو گئے ہیں تو موعظۂ حسنہ اور نصائح سودمند کے لئے لب کھولے سب کو عدالت اور محبت و اتفاق کی جو سلطنت و دولت کی مضبوط بنیاد اور بقائے رعیت وملت ہے نصیحت کی اور اپنے احسان کی ایک دوسرے کے ساتھ وصیت فرمائی اور ذہن نشین کر دیا کہ دولت وملت کی فنا جہل و نفاق کے نامسعود لشکر کے ہاتھ میں ہے اور اسی طرح بقائے دولت وملت علم و اتفاق کے لشکر ظفر اثر کے ہاتھ میں ہے میں امید کرتا ہوں کہ برخلاف ماضی

کر دیا اور بغیر کسی پروا کے اپنے اجداد کے اقوال و کردار ناشائستہ کو مجلسوں میں بیان کر دیا کہ ہمارے اجداد فیلسوف اور دانا اور شاعر نہ تھے۔ ہمارے شعرا اُن کو مدح کے وقت فیلسوف کہتے بلکہ جہاں آرا اور فرزند خدا بتاتے اور اُن کے بارے میں مبالغہ کو حد سے بڑھا دیتے تھے۔ اس بُت ممدوح کو غلطی میں ڈال دیتے تھے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مجاز کو حقیقت سمجھنے لگے چنانچہ نوکران بارگاہ اور مقربان درگاہ سے گفتگو کے وقت چہرہ پر نقاب ڈال لیتے تھے۔ ایک برتن میں دو مرتبہ کھانا نہ کھاتے اور ایک کپڑا دو دفعہ نہ پہنتے تھے۔ اب میں تم کو پہلی بشارت دیتا ہوں تاکہ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ آج کے دن سے میں جاپانی قوم کے افراد میں سے ایک فرد ہوں۔ اور آج کی تاریخ سے آئندہ میرے اور تمھارے درمیان سوائے برابری اور برادری کے کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ اس جوان بادشاہ نے عقل کہن سے معلوم کر لیا کہ قوم کے ساتھ جو بمنزلہ اولاد ہیں کبر و غرور سے پیش آنا طریقہ انسانیت و تہذیب سے دور ہے۔ اور اس دورزماں میں تکبر کا درخت سوائے شرمساری اور رسوائی کے دوسرا پھل نہ دے گا۔ اقتضائے جہانداری کشورستانی ہے اور وہ بغیر علم و عمل کے ممکن نہیں اور یہ بغیر فضل و ہنر کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایک دم اپنے اوقات کو جہل و خود بینی کے لشکر کو اپنے دربار سے نکالنے میں مصروف رکھا اور لشکر عقل و تمدن کو اپنی جگہ بٹھایا۔

اپنی قوم میں مساوات اور غمخواری کے قانون جاری کئے اور سلطنت سے نفاق و شقاق کے درخت کی بیخ و بنیاد اُکھاڑ پھینکی کیونکہ قرنوں سے جہالت کے یاجوج ماجوج نے ترقی و تمدن کے راستہ میں نادانی کی دیوار بنا رکھی تھی اور بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی ایک دم عقل کے سکندر کی مدد سے مضبوط دیوار بنائی اور تعلیم و تربیت اور صنائع و فنون پھیلانے کے لئے معلمان ماہر اور استادانِ چابکدست لایا اور اس وسیلہ سے اپنی سلطنت اور حکمرانی کو آراستہ کیا تاکہ اُس کا نام آئندہ نسلوں کی تاریخ کے سرلوح رہے اور ثابت کر دیا کہ ایشیا کے ملکوں میں بھی قوانین مساوات بین الناس اور آزادی ممکن الوقوع ہے نہ ممتنع الوقوع بلکہ یورپ سے زیادہ جلد اصلاح پذیر اور مستعد قبول ہیں جو کچھ اُس کی خاطر مظاہر میں مرکوز تھا تھوڑے عرصہ میں جاری کر دیا اور شخصی حکومت کو مشروطہ سے تبدیل کر دیا پہلے تو اپنے آپ کو خدا کے درجہ سے بندہ کے درجہ پر اُتار دیا اور اپنے ہمسایہ سلاطین کا خداوند گار ہو گیا اور کرۂ ارض کے حکمرانوں کو حیران کر دیا اور یہ بات تمام دنیا والوں کے ذہن نشین کر دی کہ قواعد حکمرانی عدل و انصاف کی رُو سے سلطنت شخصی کے منافی ہیں۔

ایک شخص واحد چاہے مجسمۂ ہوش و زیرکی اور چکیدۂ عقل و دفکار اور تمدن و انسانیت میں کیسا ہی دُھلا ہوا ہو غلطی سے بری نہیں ہو سکتا۔ ناچار جمہور کے کاموں کے فرائض سے عاجز آئے گا اور ایک جماعت جو اس کے کاموں کے فرائض سے عاجز آئے گا اور ایک جماعت جو اس کے گرد ہے

(۲۰) ۶۵- عراق سے مژدہ صحت آگیا اور حسن اتفاق سے اچھا علاج نکل آیا۔
(۲۱) ۶۶- کہ مسیح ثانی کے انفاس سے ہمارے طاؤس نے دم پھیلائی ہے
(۲۲) ۶۷- تیرا یار بیمار بستر پر سیدھا ہو گیا خدا کی مہربانی سے وہ آگیا جس کی خواہش تھی۔
(۲۳) ۶۸- اب تو یا حق کہو کہ مدد آگئی اُٹھ تاکہ تیرا ہاتھ اُس کے دامن تک پہنچے۔
(۲۴) ۶۹- اُس کے ہاتھ پاؤں اور سر پر بوسہ دے نیز اُس کے انفاس جان پرور پر۔
(۲۵) ۷۰- یہ وہ طبیب ہے جس کو تو چاہتا تھا۔ میرے قول میں جھوٹ نہیں ہے۔
(۲۶) ۷۱- اے عاشق اُٹھ کہ تقدیر کے ہاتھ نے ایران کے لئے نئی کتاب لکھی ہے۔
(۲۷) ۷۲- تیسرے سین میں عاشق جواب دے گا۔ مجھے قوی امید ہے کہ پسند آجائے گی۔
(۲۸) ۷۳- اے جہاندار اے روشن دل۔ اس قسم کا عشق سیکھنا ضروری ہے۔

خاتمہ

چونکہ ہر کتاب کے لئے ایک خاتمہ درکار ہوتا ہے لہذا اس کتاب مستطاب میں جو حُبِّ وطن کی طرف راجع ہے جاپانی سلطنت و قوم کی ترقیات کے بیان سے زیادہ مُناسب کوئی خاتمہ نہیں دکھائی دیا۔ اس مقام پر چند باتیں ملحوظ ہیں۔

اوّل۔ رضا خاں مازندرانی کی بعض باتوں کی جو میں نے بیان کی ہیں تصریح کروں گا۔

دوسرے۔ ظاہر ہے کہ بنی آدم کی طبیعت اور قوت میں ہے کہ جس کام میں کوشش سے ہاتھ ڈالتا ہے انجام دیتا ہے اور میرا مقصد اصلی بادشاہ ایران اور امپراطور جاپان کے درمیان فرق ظاہر کرنا ہے تاکہ لوگ جاپان کا سر و سامان امپراطور کے باعث اور ایران کی پریشانی شاہنشاہ ایران کے باعث نہ سمجھیں۔ جاننا چاہیئے کہ جاپانی قوم ظلمت جہل اور خرافات دنیہ میں غرق اور خوئے بہیمت مطلقہ میں گرفتار اور بالکل انسانیت سے واقف نہ تھی اور عالم علم و تمدن میں کوئی راہ نہ رکھتے تھے۔ تمام اسلاف بے مغز کی خرافات و موہومات اور افسانہ ہائے دروغ اور پُرانے قصوں کے پیرو تھے۔ اپنی نوع کے ترقی کرنے کو جو اشرف مخلوقات ہے تمدن کے قبول کرنے اور عالم انسانیت کی خدمت کرنے اور تہذیب و سیاست کے رموز و حقائق کو کشف کرنے کے لئے نہ جانتے تھے بلکہ تمام جہالت پرست قوموں کی طرح سے اپنی خلقت کو تن پروری اور کامرانی کے لئے سمجھتے تھے۔ جونہی کہ سلطنت موجودہ میکادو کی اعظم کو ملی اور بے معنی طریقے زائل ہو گئے اور پندرہ سال کی عمر میں اعلیحضرت تخت پر بیٹھے اور ضروری اصلاحات کو جو اس وقت کے اقتضائے کے موافق تھے جاری کیا۔ اپنے اجداد کے دو ہزار سالہ عقائد و افکار کو ایک دم پھینک کر کمال سُرعت سے اپنے حسن افکار اور ثمرات نیکو کاری کو ظاہر

(۱۶) ۳۸ - اگر کوئی کہے کہ اُس کا یار بیوفا ہے ورنہ کہیں معشوق عاشق سے جُدا ہوتا ہے۔
(۱۷) ۳۹ - میں اس سے کہہ دوں گا کہ یار خلاق کرتا ہے جو چیز اُس کی راہ میں الگ ہے وہ باقی کر دیتا ہے۔
(۱۸) ۴۰ - اگرچہ بظاہر عاشق سے جُدا ہو گیا مگر باطن میں اُس کا ہاتھ وفا کے ہاتھ میں ہے۔
(۱۹) ۴۱ - اے عمو اگر غور کر کے دیکھو تو یہی ہمارے عاشق کی آرزو تھی۔
(۲۰) ۴۲ - کہ اپنی جان جاناں کی راہ میں فدا کر دے تا کہ اُس کی فنا اُس کو بقا دے دے۔
(۲۱) ۴۳ - ایسے عاشق کب مرتے ہیں۔ وہ مُردہ کب ہے جس کا نام زندہ ہے
(۲۲) ۴۴ خصوصاً وہ عشق جو ہوس پر مبنی نہ ہو۔ یکسی رومی اور ترک اور خطا کے معشوق کے لئے ہو۔
(۲۳) ۴۵ - عشق وُہ چمکنے والی روشن خاک ہے جس کے پھول خونہائے پاک سے رنگ پاتے ہیں۔
(۱) ۴۶ - اُن غیور اسلاف کی خوابگاہ کہ جس میں سے شیر بھی عبور نہ کر سکتے تھے۔
(۲) ۴۷ - اُس خاک کا عشق جس سے میں پیدا ہوں اور جس کے فراق میں روز و شب مثل نَے کے نالے کرتا ہوں
(۳) ۴۸ - اُس خاک اور اُس ملک کی آزادی کا عاشق ہوں۔ اس مُلک کے حُسن استقبال پر عاشق ہوں۔
(۴) ۴۹ - اُس ملک اور اس کے قانون پر عاشق ہوں۔ اُس ملک کے لیلیٰ و مجنوں پر عاشق ہوں۔
(۵) ۵۰ - مُلک پر عاشق ہوں مگر اپنے ملک پر سینہ چاک رکھتا ہوں مگر اپنا چاک۔
(۶) ۵۱ - مُوسیٰؑ اور طور اور قبس پر عاشق ہوں۔ تختہ اور روز با ور جو کیدار پر عاشق ہوں۔
(۷) ۵۲ - میں عاشق ہوں لیکن اُس کو چہ پر عاشق ہوں۔ دیکھو میں عشقبازی کے لائق ہوں۔
(۸) ۵۳ - میں عاشق ہوں اور یقیناً عاشق ہوں۔ میری زبان آتشین میری دلیل ہے۔
(۹) ۵۴ - ہائے ہائے وہ عاشق دل باختہ جس کو سر دیا کا ہوش نہ تھا۔
(۱۰) ۵۵ - جس نے رشتۂ امید منقطع کر لیا تھا اور جس کے علاج میں تدبیریں کی گئیں۔
(۱۱) ۵۶ - اطبائے عیسیٰ نفس سے میں اس سودمزاج کے دفع کرنے کے لئے علاج پوچھتا پھرا۔
(۱۲) ۵۷ - یہاں تک کہ مظفر شاہ دیندار طبیب مہربان اور واقف اسرار یار نے۔
(۱۳) ۵۸ - علاج کے لئے آستین چڑھائی اور زحمت سے اُس کی نبض دیکھی۔
(۱۴) ۵۹ - کہا کہ میں نے اس کا مرض اور علاج معلوم کر لیا میں اس کو مرنے سے بچا لوں گا۔
(۱۵) ۶۰ - پہلے تو اُس کے علاج کے لئے سیدھا کھڑا ہو گیا پھر اس کا کمان جیسا قد سیدھا ہو گیا۔
(۱۶) ۶۱ - ہماری ندی میں آب رفتہ واپس آگیا کہ اُس کے گل رو سے رنگ بُو ظاہر ہو گیا۔
(۱۷) ۶۲ - تھوڑا تھوڑا عصا کا سہارا لیا اور امید خدا میں قدم اُٹھایا۔
(۱۸) ۶۳ - میں اس وقت مصر کو سفر کروں گا تا کہ اُس عاشق کی قبر پر جا کر خبر کروں۔
(۱۹) ۶۴ - کہ اے عاشق اُٹھ قیامت آ گئی۔ اے طوطی پھر شکر ریزی کر۔

(۱۱) وہ بول چال ترک کر دینا اور بستر غم پر تین سال پڑا رہنا۔
(۱۲) وہ مادر دل سوختہ کے نالے جو اُس کے دولہا بننے کی منتظر تھی۔
(۱۳) وہ شریف محبوبہ کے قصے اور اُس کا وصل حبیب کے فراق میں جلنا۔
(۱۴) وہ شمع کی مانند شام ہجر میں جلنا کہ ایک دن اُس سے ہجر کا نام مٹ جائے۔
(۱۵) وہ نالۂ یا حق یا مدد کرنا کہ شاید کوئی بادشاہ اُس کی امداد کرے۔
(۱۶) وہ سب سے چشم امید بند کر لینا اور رات دن موت کا راگ گانا۔
(۱۷) وہ یار کو نگاہ حسرت آمیز سے دیکھنا کہ گور میں ہم کنار اور ہم آغوش ہوگا۔
(۱۸) اے ماہ میرے وصل کی طمع مت رکھ جب تک کہ میرے وصل میں حصہ نہ ہو۔
(۱۹) میں نے وطن کے عشق کی راہ میں جان دے دی اگر تو اہل وفا ہے تو میرے پیچھے آ۔
(۲۰) وہ اُس کے عاشق دلدادہ کا ثبات۔ وہ عاجز محبوبہ کا حال۔
(۲۱) کبھی اُس کی جان جاناں سے متحد تھی اور کبھی اُس کے خون انجماد سے اُس کا خون۔
(۲۲) اُس کی عروق میں منجمد ہو گیا اور بے جان ہو کر گر پڑی۔ جانان کے جسم کی بنیاد میں جان رکھ دی۔
(۱) ۲۳ کہہ دو کہ مجنوں کے قصوں کو تازہ کر دیا اور عشق کہن کے چہرہ پر پوڈر مل دیا۔
(۲) ۲۴۔ جب فصاد نے چاہا کہ اُس کی فصد کھولے تو وہ لرزنے لگی کہ اُس کی فصد کھولنے کا ارادہ رکھتا ہے۔
(۳) ۲۵۔ کہا اے عمو میں تیری بیٹی ہوں میری فصد کھول۔ کہا تو لیلیٰ کے قصے کہتی ہے بیہودہ مت بک۔
(۴) ۲۶۔ کہا یہ میرا ہاتھ تیرے ہاتھ میں ہے۔ کہا میری آنکھیں تیری بہبودی میں لگی ہوئی ہیں۔
(۵) ۲۷۔ میں کیسی لیلیٰ ہوں، اور میری لیلیٰ کون ہے۔ ہم دو قالب اور ایک روح ہیں۔
(۶) ۲۸۔ جب لیلیٰ کی جان نکل گئی تو میری جان نکل گئی۔ میں کیسے زندہ رہوں جب میری جان نہ رہی۔
(۷) ۲۹۔ پرانے عشق کی کتابوں کو بند رکھو کیونکہ اس تحریر میں نیا قصہ ملے گا۔
(۸) ۳۰۔ عشق بادشاہ ہے اور تمام عاشق بادشاہ ہیں۔ اپنے عاشق کو بے شبہ پہچان لے۔
(۹) ۳۱۔ تیرے عاشق نے تمنائے وصال میں فکر و خیال میں جان دے دی۔
(۱۰) ۳۲ معشوق کی راہ میں جان ہار دی کبھی اس کا وصل جدائی سے موافقت کرتا تھا۔
(۱۱) ۳۳۔ اپنے جاناں کی بیماری کے غم میں اُس سینہ فگار نے راہ عشق میں جان دے دی۔
(۱۲) ۳۴۔ ایسا معشوق اور ایسا عاشق کس نے دیکھا ہے جب سے کہ محبت آفرین نے عشق پیدا کیا ہے۔
(۱۳) ۳۵۔ ہمارا عاشق خاک وطن کا عاشق تھا۔ وطن کی تربت پاک اُس کا قبلہ گاہ تھی۔
(۱۴) ۳۶۔ اُس نے امید منقطع کر لی اور جان سے ہاتھ دھو لئے مگر اب اُس کا یار تندرست ہو گیا۔
(۱۵) ۳۷۔ وہ یہی جانتا تھا کہ اُس کی جان چلی جائے گی اسلئے چاہا کہ اپنے معشوق سے پہلے چلا جاوے۔

(۲) میں برسوں انتظار کرتی رہی ہوں کہ ایک دن تجھ کو آغوش میں لوں۔
(۳) اے میرے حبیب تجھ کو عشق ایران نے مار ڈالا مجھ کو بھی اپنے سے عشق میں کم مت سمجھ۔
حاجی مسعود آئے۔ غصہ سے محبوبہ کے گیسو پکڑ کے گھسیٹا اور کہا اٹھ میرے آقا کا گلا گھونٹ دیا۔ محبوبہ نے فریاد کی دُور ہو اے قاتل حمزہ۔ اے جلاد رُو سیاہ۔ تیرا خیال ہے کہ رُوح کو جسم سے علیحدہ کر دے۔ پھر گر کر اُس کو آغوش میں لے لیا اور ترکی اشعار پڑھنے شروع کئے۔ یہ ہنگامہ طلوع صبح تک رہا۔ ہمسائی عورتیں عرب کے قاعدہ سے چیخیں مارتی اور نوحے کرتی ہیں۔ یہ ایک نمونہ محشر تھا اور یہ جگر سوز سین آشنا اور بیگانہ کے دلوں میں آگ لگا رہا تھا۔ ماجدہ ناکام۔ ہائے میرے بچے۔ میرے جوان بیٹے۔ سکینہ بے حس بیہوشی کے عالم میں بال نوچ رہی تھی۔ دیواروں سے سر مار رہی تھی اور ہائے بھائی کہہ رہی تھی۔ مجھ کو یتیم چھوڑے جاتے ہو۔ ادھر حاجی مسعود نے سر میں ایسا گھونسا مارا کہ عقیق کی انگوٹھی سر میں گھس گئی۔ سیاہ رخساروں پر سُرخ خون بہنے لگا۔ یا مولائی کہہ رہا تھا اور آنسو بہا رہا تھا۔ یہ بندہ یوسف سر کھلا کپڑے پھٹے اور کرتا دامن تک چاک کئے۔ سر اور سینہ کوٹتا ہوا۔ ایک طرف حکیم دونوں ہاتھ بغل میں دبے حیران و سرگردان۔ ہم سلسلہ وجد کرنے۔ محبوبہ یا محبوبی! یا حبیبی! یا مولائی کہتی ہوئی ابراہیم سے لپٹی ہوئی تھی۔ حاجی مسعود کہتا ہے۔ کہاں ہے حکیم باشی ایران۔ ایران۔ ایران۔ پندرہ منٹ بعد نہ محبوبہ کی آواز آئی نہ ابراہیم بیگ کا سانس۔ حکیم نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ دوہتڑ سر پر مار کر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دونوں ختم ہوگئے۔

م م م م

(۱) بیماری کے بعد تین سال تک تکلیف میں رہتا۔ اگر بغیر حیلہ کے نیند آجاتی۔
(۲) آستین میں سے دست محبت اوپر کو اُٹھا اور پھر رفتہ رفتہ پردہ اوپر چلا گیا۔
(۳) دوسرے پردہ میں عشق کے قصّے اور عاشقوں کی گفتگوئیں اور عشق کی عادتیں ہیں۔
(۴) معشوقوں کے راز اور وہ عاشق کُشی۔ وہ عاشقوں کی صحت بیماری کے ساتھ۔
(۵) وہ اپنے معشوق کے پیچھے بحالت زار ہر شہر و دیار میں سفر کرنا۔
(۶) وہ معشوق کا قصہ اور اس کی بیماری۔ عاشق کا ماجرا اور اُس کی دوستی۔
(۷) وہ علاج کے لئے اس کے اور اس کے پاس جانا اور نااہلوں کے دھکے مُکے کھانا۔
(۸) وہ شخص محترم کے خواب کا قصہ جو اس وقت باغ ارم میں آرام کر رہا ہے۔
(۹) وہ جدید امیدوں سے نااُمیدی۔ پھر دوبارہ مایوس ہو جانا۔
(۱۰) وُہ نااُمیدی کے بستر پر زرد رو ہو کر گر جانا کہ میں اس کا بیمار ہوں۔

آنکھوں کو پونچھ ڈالا مگر مریض کی حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ چار دن گذر گئے۔ محبوبہ کی حالت ظاہر ہے۔ تفسیر و بیان کی ضرورت نہیں کہ کس طرح گریہ وزاری میں مشغول ہے۔ پانچویں دن صالح آفندی نے مشورہ کیا اور کہا۔ کل میں تین چار حکیموں کو لاؤں گا۔ وہی شیخ یوسف السید اور دولت اور دوا ور طبیب آئے۔ دیکھا اور علیحدہ علیحدہ معائنہ کر کے دوسرے کمرہ میں چلے گئے۔ درجہ حرارت چالیس سے زیادہ ہے۔ فرانسیسی زبان میں کچھ بات چیت کی اُن حکیموں میں سے ایک نے جو شناسائی نہ رکھتا تھا۔ مجھ سے پوچھا کیا آپ مریض کے باپ ہیں؟ صالح آفندی نے کہا نہیں۔ یہ معلم اور بجائے باپ کے ہیں۔ کہا کہئے کچھ ہرج نہیں۔

صالح آفندی نے کہا۔ یوسف آقا میں نے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ پچیس فیصدی صحت کی امید ہے۔ میں نے سر پیٹ کر کہا۔ امان۔ اللہ امان۔ یہ کیسی بیماری ہے؟ شیخ یوسف السید نے کہا اب ایران میران نام لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے اُس وقت کہا تھا کہ کوئی مرض اور بیماری نہیں ہے مگر آج یہ صاحب متفق اور یک رائے ہیں کہ دق اور حمّائے مرکبہ اور خولیا تینوں نے جسم کو گھیر رکھا ہے۔ اگر درجہ حرارت اکتالیس سے گذر گیا تو علاج پذیر نہیں مگر پھر بھی قطع امید نہ کرنا چاہئیے اور مرض کتنا ہی خطرناک ہو امید قطع نہ کرنی چاہئیے۔ بہت دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ اس سے زیادہ سخت مریض اچھے ہو گئے ہیں۔ دوا وہی ہے جو صالح آفندی نے دی ہے کچھ اور اضافہ کر کے چلے گئے۔ آٹھ دن تک بدتر اور پریشان تر ہوتا رہا۔ اپنا ہوش نہ تھا۔ صالح آفندی نے کہا تخت کو ہٹا کر فرش پر بستر بچھا دیں تاکہ آرام سے رہے۔ اُس کے حکم پر عمل کیا گیا۔ محبوبہ نے شانے پکڑے حکیم نے پاؤں اور حاجی مسعود نے بھی مدد کی۔ بستر پر لٹا دیا۔ ماں ایک طرف۔ سکینہ دوسری طرف۔ محبوبہ کو ایک ہفتہ ہو گیا نہ سوئی نہ کچھ کھایا۔ مجسمۂ محض ہو گئی۔ محرم کی چاند رات ہے اور اس گھر میں قیامت کے آثار ظاہر ہیں۔ تمام دُنیا سیاہ ہو گئی۔ رات کو حکیم نہ گیا۔ تھرمامیٹر لگایا۔ حرارت اکتالیس تو کچھ نہیں وہ تو بیالیس سے بھی بڑھ گئی۔ مجھے اشارہ کیا۔ کسی تدبیر سے محبوبہ کو باہر بھیج دوں تاکہ اگر وصیت کرنی ہو تو کر دے۔ میں نے کہا ناممکن ہے باہر نہ جائے گی۔ تم بھی نہ کہو۔ ہنگامۂ محشر برپا ہے۔ شور و واویلا کی صدا سات پڑوسیوں کو جا رہی ہے ایک دم کیا دیکھتا ہوں کہ محبوبہ ابراہیم بیگ پر گر پڑی اور یا حبیبی یا مولائی کہہ کر ایسی فریاد کی کہ در و دیوار نالہ کرنے لگے۔ بلند آواز سے "میری رُوحِ رواں تو کہاں جاتا ہے۔ آرام جانم مجھ کو بے یار و غمگسار چھوڑے جاتا ہے؟ میں تجھ پر قربان۔ تیرے بعد میں بھی نہ رہوں گی۔ نہیں۔ بخدا مجھ پر زندگی حرام ہے۔ میں نہ جیوں گی۔" یہ کہہ کر ابراہیم بیگ سے لپٹ گئی ؎

(۱) کہ میں تیرا دامن نہ چھوڑوں گی تو اگر تحمل رکھتا ہے تو مجھ میں نہیں ہے۔

(۴) مخلوق کا دل مجموع بادشاہ کے لئے یہ سمجھو کہ زلف یار کی طرح پریشان ہے۔
(۵) اگر قسمت پریشان نہ تھی تو بادشاہ تخت یار پر کیوں پریشان ہے۔
(۶) مخلوق کا کام پریشانی کو پہنچ گیا ہے۔ اُس پریشانی سے مخلوق کا دل پریشان ہے۔
(۷) جب آدمی کارخانہ میں پریشان بیٹھا ہوتا ہے تو ہر کام میں پریشان رائے دیتا ہے۔
(۸) الغرض یہ ہماری وضع زندگانی ہے۔ مجھ کو شرم آتی ہے لیکن اگر ممکن ہو تو پچاس تومان شہر میں مجھ کو بھیج دیجئے ورنہ تم سلامت رہو۔ آقا میرزا یوسف کو میرا سلام پہنچایئے۔ کمترین حسن کرمانی
ابراہیم مات و مبہوت دیکھ رہا ہے اور اُس کی آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ خط ختم ہونے پر سر پر دو ہتڑ مار کے کہا پریشان پریشان واللہ پریشان باللہ پریشان بچہ مر جانے والی عورت کی طرح سے ہائے ہائے کر کے گریہ وزاری شروع کی۔
حاجیہ خانم اور سکینہ اور محبوبہ سیاہ بخت کمرہ کے دروازہ پر دوڑی آئیں کہ کیا ہوگیا؟ کیا معاملہ ہے؟ میں نے مہمانوں سے اشارہ کیا اُٹھ کر چلے گئے اور وہ اندر آگئیں۔ خانم نے کہا۔ پسر جان؟ پسر جان! کیا بات ہے؟ کیا ہوگیا۔ آہستہ آہستہ جواب دیا۔ والدہ پریشان۔ خانم نے میری طرف دیکھ کر پوچھا میرزا یوسف مہمانوں نے کیا بُری بات کی اور کیا کہا جو میرے بچہ کی یہ حالت ہوگئی؟ تمہیں نہیں معلوم میرا بچہ بیمار ہے پیران کو کیوں جمع کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ وُہ تو محبت اور دلسوزی سے آتے ہیں تاکہ اُس کو ظریفانہ باتوں میں مشغول رکھیں۔ اور گرد کدورت کو دل سے صاف کر دیں۔ اُن سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ طہران سے خط آیا اُس کے اصرار سے میں نے پڑھ دیا ایک دم ابراہیم نے کُلاہ زمین پر دے ماری۔ اُس کی آواز بند ہوگئی۔ غمگین آواز سے کہا۔ تف ہے تجھ پر اے زمانہ لعنت۔ پریشان پریشان بے شک حقیقت میں پریشان ہے۔ اُس رات صبح تک اسی طرح بیٹھے رہے۔ کسی کی آنکھ نہ جھپکی۔ صبح میں نے آدمی بھیجا حکیم صالح آفندی آئے۔ کہا۔ میں طنطہ میں تھا۔ پرسوں آیا ہوں۔ حال پوچھا۔ کہا ایک مہینہ ہوا ابراہیم بیگ دوبارہ بیمار ہوگیا ہے۔ الغرض حکیم نے سلام کیا۔ غمگین آواز سے علیک السلام جواب دیا۔ حکیم نے پوچھا کیا بات ہے؟ زبان نکال کر اشارہ سے پانی مانگا۔ سماور میں سے جوش دیا ہوا پانی لے آئیں۔ لے آئے تھوڑا سا پیا۔ حکیم نے نبض دیکھی، تھرما میٹر لگایا۔ میں نے دیکھا اُس کی حالت پریشان ہوگئی۔ نسخہ لکھا اور پینے کی دوا ترتیب دی۔ جس وقت جانے لگا۔ مجھے اشارہ کیا۔ دونوں باہر چلے گئے۔ کہا کہ محبوبہ اور اُس کی ماں سے کہہ دو کہ یہ پہلی سی بیماری نہیں ہے۔ مریض کی حالت واقعی خراب ہوگئی ہے متوجہ رہیں پھر کچھ دن رہے آؤں گا۔ انار دو۔ وُہ چلا گیا۔ میں بھی کمرہ کے اندر گیا۔ میں نے کہا حکیم کہتے ہیں کہ بیمار کے پاس رونا ممنوع ہے۔ بیمار کی حالت کے مناسب نہیں۔ اور اُس کی صحت کو مضر ہے۔ محبوبہ نے فوراً رونا بند کر دیا۔

معذرت کے بعد ادائے مطلب پر آتے ہیں "جب کہ عالم فاسد ہو جائے تو عالم فاسد ہو جائے" عالم کو فاسد کر دیا۔ اُس دن سے اس کو پکڑ اس کو باندھ شروع ہو گئی۔ ایک کو کاشان دوسرے کو اردبیل تیسرے کو قزوین ہر شخص کو کسی نہ کسی جگہ بھیج دیا۔ کسی کو حکم بناتے ہیں کسی کو خارج البلد کرتے ہیں۔ لوگوں میں ہنگامۂ محشر برپا ہے درباریوں کی خرید تاجروں سے زیادہ ہے۔ آقایان محترم کے فرنگستان میں آدمی موجود ہیں جو سو سو پچاس پچاس صندوق شراب کے لاتے ہیں۔ حضرات خیر خواہان دولت جو اُن کے دشمن ہیں معترض ہیں کہ قرضہ لی ہوئی رقم کو ایسا کیوں کیا مگر جو کوئی دم مارتا ہے گم ہو جاتا ہے ہر جگہ خفیہ اور جاسوس لگے ہوئے ہیں میں نے عرض کیا تھا کہ سخت ممانعت ہو گئی ہے کہ اخبار حبل المتین اور تمام فارسی اخبار باہر سے ایران نہ آئیں آپ کو یاد ہو گا کہ ایک دن آپ نے میرے ہاتھ سے اخبار اطلاع اور ایران کو لے کر پھینک دیا تھا کہ تمام دُنیا میں ظلم چھا گیا ہے۔ یہ نامرد چاپلوس ظالموں اور فاسقوں کی مداحی کرتے ہیں۔

اب تصور کیجئے کہ حبل المتین سوائے اس کے کہ کم و بیش حکام کے ظلم گدا فی طہران اور اس کے اسباب اور غلہ بھرنے والوں سے امراء و اعیان کے رشوت لینے اور سلطنت کو صراط مستقیم پر رہنمائی کرنے کے اور کیا لکھا تھا کہ اُس کی ممانعت کر دی۔

البتہ اخبار ایران لا بد اور اطلاع لاعلاج ہے کیونکہ جو کچھ کرتے ہیں اُن کی تعریف و تمجید کر کے روٹی کا ٹکڑا حاصل کر کے کھاتا ہے لیکن ممالک خارجہ میں اخبار نویس وزراء اور صدر اعظم سے زیادہ دبدبہ رکھتے ہیں مگر طہران میں سو تختے کاغذ نقد خریدنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ جاپانی تیس برس میں پندرہ ہزار اخبار نویسوں والے ہو گئے اور اخباروں نے طاقت کو وہاں پہنچا دیا کہ دنیا کو حیرت و تعجب میں ڈال دیا ہے۔ ہمارا ایک اخبار حبل المتین ہے کہ سولہ سو کوس وطن سے دور اُس کی بھی بندش ہے کہ ایران میں نہ آئے۔ ہماری ذلت اور ادبار سے دُنیا حیرت میں ہے اور ہماری یہ ذلت اور بے سامانی تمام وزرائے خود غرض کی سوء خرم تدبیر سے ہے۔ تیس سال ہوئے کہ اُن کا خیال ایک دوسرے کو کمزور کرنے اور گرانے میں صرف ہوتا ہے اور ہمیشہ ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتے ہیں اور سلطنت و قوم کے کاموں میں غور کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ بہر صورت ہر گوشہ و کنار میں کرد بڑ ظاہر ہے خفیہ اور جاسوس بکثرت ہو گئے ہیں۔ دوست دشمن آشنا اور بیگانہ میں شناخت نہیں ہو سکتی۔ اب شیبانی کے کلام کے موافق دنیا پریشان ہے۔

(۱) یار پریشان اور زلف یار پریشان ہے۔ شہر اور شہر یار پریشان ہے۔

(۲) دن رات سے اور رات دن سے زیادہ پریشان ہے۔ زمانہ کے تمام کام پریشان ہیں۔

(۳) ہوا اور ابر و باغ و دشت اور عید و نو بہار پریشان ہیں۔

(۳) وہ نہ محقق ہے نہ دانشمند بلکہ چارپائے پر چند کتابیں لادی گئی ہیں۔

(۴) اُس بیوقوف کو کیا علم اور خبر ہے کہ اس پر لکڑیاں ہیں یا کتابیں۔

کاش ہماری سلطنت میں طاقت اور علم ہوتا اور ان مصائب کے پھیلنے میں سو سال پہلے کوشش کرتے کہ حسن و قبح - نیک و بد خوب و زشت علیحدہ ہو جاتے۔ بعض اشخاص جو ایک قوم اور مذہب کی رسوائی کا باعث ہیں نہ جیہ اشتباہ سے گرجاتے۔ کیا فائدہ ہے کہ اکثر امرا اور وزرا قوم کے حقوق پامال کرنے میں خاموش ہیں اور اپنے اعمال و افعال کے خوف سے بولنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

نہ صفائی کا محکمہ ہے نہ محکمۂ تعلیم اور نہ مذہبی سنسر۔ ہر شخص جو جی میں آتا ہے لکھتا ہے اور عوام الناس کے استعمال کے لئے دے دیتا ہے اور اگر کوئی بات دستار بندوں سے سُن لی جاتی ہے تو مثل وحی کے عوام کے دلوں میں نقش ہو جاتی ہے کیونکہ بیچارہ قوت ممیزہ نہیں رکھتا ہے کہ نیک و بد میں تمیز کر سکے اور حق کو باطل سے پہچان سکے۔ اور اگر کوئی عالم ربانی اور فاضل صمدانی ہو مگر عمامہ نہ پہنتا ہو اور آستین لمبی اور چوڑی نہ رکھتا ہو تو چاہے آیت اور حدیث سے ہی گفتگو کرے مگر سب اُس کا مذاق اُڑاتے ہیں اور بے وقوفی و جہالت سے منسوب کرتے ہیں لیکن اگر جاہل بلکہ جلاد بھی عمامہ باندھے ہو اُس کی بات مسموع اور مجری ہوگی اور اگر منبر پر جائیگا تو پے در پے درود بھیجیں گے اور مسجد میں غلغلہ ڈال دیں گے اور غوش میں خرافات سنیں گے اور لازمی اس کے ہاتھ کو بوسہ دیں گے اور اُن کی جوتیاں سیدھی کریں گے سب سے اطاعت کی تمنا رکھتے ہیں اور اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کو شقی و کافر کہتے ہیں۔

لیکن عالم کی ٹوپی کی پروا نہیں کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ فضیلت سرپوش میں نہیں ہے اگر فضیلت سرپوش میں ہوتی تو پوست بخارائی کی کلاہ کی قیمت پچیس تومان ہوتی ہے۔ مگر عمامہ کی قیمت تنزیب کا ایک تھان چھ ہزار دینار کو آتا ہے پس فضل سر میں ہے جو محل خرد و ہوش و ادراک و تمیز ہے جو عقل کی وجہ سے خدا سے ڈرتا ہے اور خلقتاً کسی میں کوئی فرق نہیں ہے افسوس کہ ہماری قوم کے لیڈروں کو آج تک یہ خیال نہیں کہ حقوق اور اختیارات انسان کامل کی سپرد کریں نہ کہ دستار بزرگ کی۔ خدا ہم کو صحیح راستہ پر چلائے "کلام طویل ہو گیا ع خدا ہماری مشکل کو آسان کرے۔

بہر صورت نگارندہ مجبور ہے کہ جو کچھ کتابوں میں درج ہے بے کم و زیاد لکھے چونکہ مطالب سراپا صدق اور خالی از غرض اور نیت خالص ہیں خدا کو علماء اُمت محمدی کی قسم دیتا ہوں کہ ہمارے جرائم اعمال پر قلم عفو کھینچے۔

قارئین محترم سے استدعا کرتا ہوں کہ عیب نہ نکالیں۔ اگر اس جگہ رقم کے لکھنے میں غلطی ہوئی ہو کہ آیا چھ ہزار یا تین ہزار دینار ہے تو خود وہ عالم اس غلطی کو درست کرے گا۔ خلاصہ نگارندہ علماء کی حضور میں عرض

عالیات سے تشریف لاتے ہیں سوائے عصا اور چادر کے کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے۔ دو سو تو مان بھی قرض ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی مدت میں چند ناحق حکم دینے سے (چند سالم گاؤں اور آرائش خانہ اور جواہرات اور زمانہ کے طلائی سامان اور خدم وحشم کے مالک ہوجاتے ہیں۔) اس سے غافل ہیں کہ جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کے موافق حکم نہیں دیتے وہ کافر ہیں فاسق ہیں ظالم ہیں"۔ یہ رہزن بدنام کنندۂ نکونامے چند ہیں۔ بموجب آیہ وافی ہدایہ (یہی پڑھتے ہیں) اللہ سے اُس کے بندوں میں جو عالم ہیں علما کو چاہیئے کہ زیور خوف سے آراستہ اور کسوت خوف سے پیراستہ رہیں نہ یہ کہ شرد دو کے وارث اور انصاف ظالموں کے نگہبان مومن یتیموں کا مال کھاجائیں اور مظلوم کے ناموس کی پردہ دری کریں۔

حضرت رسول اکرم ایسے علماء کے حق میں فرماتے ہیں "جس نے علم کو چار امور کے لئے حاصل کیا وہ دوزخ میں گیا۔ تاکہ علماء پر فخر کرے۔ یا بیوقوفوں کا مذاق بنائے یا لوگوں کا پیسہ خرچ کرے یا اُس کے ذریعہ امیروں کا دامن پکڑے۔

اور اگر چغلخوری کو بھی اس پر زیادہ کریں تو یہ پانچ خصائل مذمومہ بعض علماء طہران میں سب کی سب موجود ہیں۔ علم بے عمل کے وبال ہے عالم بلا عمل مثل شجر بے ثمر ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں "بُرے عالموں پر افسوس ہے اُن پر دوزخ کی آگ کیسی بھڑکے گی۔

ابی عبداللہ فرماتے ہیں کہ تحقیق بعض علماء تحصیل کرتے ہیں اور تعلیم دینا نہیں چاہتے وہ دوزخی ہیں اور یہاں تک کہ بعضے جو نصیحت میں تیزی کرتے ہیں وہ دوزخی ہیں اور جو عالم کہ اپنے علم پر عمل نہ کرے۔ وہ دوزخی ہے۔ پس عالم وُہ نہیں ہے جو پانچ گز فرنگی ململ سر پر لپیٹ لے۔ لباس علم کے پہننے والوں کو عالم نہیں کہہ سکتے۔ عالم وُہ ہے کہ اس کا قول اُس کے فعل کے خلاف نہ ہو۔

(۱) وُہ عالم نہیں ہے۔ بلکہ غول ہے جس سے تم قول سنو اور عمل نہ دیکھو۔

(۲) جو شخص کہ اپنے اوپر حاکم نہیں ہے تو اُس کو لوگوں کا حاکم مت سمجھ۔

(۳) وہ جو افسر (تاج) سر پر رکھے چاہے اُس کو افسر سمجھو چاہے افسار۔

اس مضمون کو وفائی شوستری نے خوب نظم کیا ہے رحمۃ اللہ علیہ

(۱) ہر شخص جو مسلمان ہوگیا سلمان فارسی نہیں کہلایا جاسکتا۔ کیونکہ اول سے مسلمان ہونا چاہیئے پھر سلمان

(۲) اگر تو یُوسفؑ کا سا جمال رکھتا ہے تو اپنے حُسن پر مغرور مت ہو۔ تجھ میں یوسفؑ کی صفات ہونا چاہئیں تب ماہ کنعان ہوگا۔

(۳) تیرے سر میں تو دنیا کا سودا ہے اور خود دستار کا فکر ہے۔ پہلے سر کی فکر کرنی چاہیئے پھر سامان کی فکر ہونی چاہیئے۔

(۱) عالم وہ ہے جو بُرائی نہ کرے نہ کہ مخلوق سے کہے اور خود کرے۔

(۲) عالم وہ ہے جو سیدھے راستہ پر چلے نہ کہ مال ونفس وجاہ کی فکر میں ہو۔

و توقیر بر صاحب ایمان پر رسول انس و جان کے حکم سے مانند آئمہ امام سلام اللہ علیہم الیٰ آخر الزمان کی اطاعت کے واجب ہے ۔ اور سلسلۂ مقدس علمائے کا ترک ادب اور خلاف اطاعت خالداً فی النار کا سبب ہے ۔ اے خدا ہم کو ہمارے نفسوں کی شروں سے بچا اور بغیر پیروی اساطین دین و جانشینان امام مبین کے کیسی ملت ؟ کیسی دولت ؟ کیسی سلطنت کیسا ایمان ؟ کیسا اسلام

نگارندہ کی بر داد فریاد اور جدجہد از روے تعصب و تحفظ ناموس اسلام و بقائے اسم و رسم ملت و قومیت ہے اور کبھی سوائے دیانت اور حفظ شریعت کے کسی قوم کو نہ ترقی حاصل ہوئی اور ہوگی ۔ ترویج شریعت اور اعلائے کلمۂ توحید علمائے دین کے وجود فائض الجود سے وابستہ ہے ۔ بغیر عالم کے وجود کے کیسی مسجد ؟ کیسا منبر ؟ کیسی شریعت ؟ کیسی طریقت ؟

کوئی دولت اور ملت بیدینی سے حکمران نہیں ہوئی ۔ چاہے مذہب جھوٹا اور باطل ہی کیوں نہ ہو مگر لامذہبی سے بہتر ہے ۔ تو پھر مذہب پاک احمدی اور شریعت مطہرہ محمدی کا کیا ذکر ہے کہ "تمام عالم اس کی عصمت کا گواہ ہے" بلاشک ملک داری اور فرمان فرمائی کے لئے علمائے اعلام کا وجود ہیئت اجتماعیہ کی ارکان اربعہ میں سے بلکہ رکن رکین اور مضبوط اساس شمار کیا جاتا ہے مثل خیمہ کے درمیانی ستون کے ۔ اگر نعوذ باللہ اس پر زوال آجائے تو وہ بنیاد بیخ و بن سے اُکھڑ جائے ۔ ہر قوم میں سیاست قاعدہ حکمیہ سے ہوتی ہے کیونکہ بنی نوع بشر کے ہر گروہ میں راہزن جو کسی نہ کسی لباس میں ملبس ہو کر لوگوں کے جان و مال بلکہ دین و ایمان پر دست تعدی دراز کرتے ہیں موجود ہیں ۔ کسی قسم کی بُرائی اور بے اعتدالی سے مضائقہ نہیں کرتے چنانچہ ابتداء سے اس وقت تک دیکھا اور سُنا گیا ہے کہ نیک و بد اور سعید و بدبخت ہر گروہ میں ہوئے ہیں یہاں تک کہ انبیا اور اولیاء کی اولاد میں ۔

رہزنوں کا ایک گروہ پہاڑوں کی غاروں میں چھپا ہوا ہے اور قافلہ والوں کو لوٹتا ہے اور شمشیر اور بندوق سے حملہ کرتے ہیں اور کچھ رات کے وقت لوگوں کے گھروں میں داخل ہو کر جو کچھ ہاتھ لگتا ہے لوٹ لے جاتے ہیں ۔ ایک گروہ تجارت کے لباس میں کھلم کھلا لوگوں کا مال لیتے اور واپس نہیں دیتے ہیں ان سب میں زیادہ معتبر اور شقی وہ گروہ ہے جو لباس تزویر پہن کر شریعت کے راستہ پر چلتے ہیں ۔ فقرا و مساکین اور یتیموں کا مال اور موقوفات جمع کرتے ہیں ۔ پہلی قسم کے رہزن نظروں میں بے عزت اور جب پکڑے جاتے ہیں سزا بھگتے ہیں اور ذلت و شرمساری کی خاک پر بیٹھتے ہیں ۔ لیکن یہ لوگ صدر مجلس میں بیٹھتے ہیں اور سب پر فوقیت لے جاتے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے ظلم کا پہلا درجہ یہ ہے کہ علما کا لباس غصب کر کے اپنے سر و صورت کو آراستہ کر کے موافق "گدھے کے جو بوجھ اُٹھاتا ہے" چند کتابیں اپنے اوپر بار کر کے اُس کو راہ ترقی کا سبب بنایا ہے ۔ چنانچہ جس وقت کہ جناب آقا عبات

جگہ فوجیں بھیجتے ہیں۔ اور کساد بازاری نے پیشہ وروں اور تاجروں کو گرا دیا ہے۔ جہالت کی آگ نے ایران کو جلا ڈالا ہے۔ باوجود اس حال کے صدر اعظم ان واقعات سے مطلق نہیں ڈرتا ہے۔ جو کچھ اس سے ہوسکتا ہے ایران کی خرابی میں کوشش کرتا ہے اور اپنے تمام دشمنوں پر غلبہ پاتا ہے مسلمات سے ہے کہ خلاق عالم نے امتحان کی غرض سے اپنے ایک بندہ کو اوج اعلیٰ پر پہنچا کر قدرت عطا فرمائی ہے مگر کبریائی اس کی ذات اقدس تعالیٰ شانہٗ کے لئے زیبا ہے۔ اگر کوئی بندہ خدا کی صفات ذاتی میں شرکت کرے فوراً اس کو اوج عزت سے خاک مذلت پر گرا دیتا ہے اور ایک کمزور مچھر اس کا بھیجا نکال لیتا ہے مگر اس وقت کہ اقبال یاور ہے جو مرضی میں آتا ہے پورا کرتا ہے۔ افسوس اس دن پر جب ادبار نازل ہوگا اور اقبال کی جگہ خیمہ گاڑیگا دنیا ایسے بہت سے افسانے یاد رکھتی ہے۔

اب جماعت کے لیڈروں میں سے جنہوں نے کہ صدر اعظم کے معزول ہونے کے بارے میں قسمیں کھائیں اور عہد کئے تھے کہ جب تک اعلیحضرت شہریار اس کو معزول نہ کریگے آرام نہ لینگے ایک جناب آقا شیخ فضل اللہ نوری تھے جو طہران کے مشہور عالموں میں سے ہیں پچھ ہزار تومان صدر اعظم سے لیکر تمام رفقا اور مجاہدین کو بتا دیا اور (جبکہ عالم فاسد ہوجائے) اس کا راز ظاہر کر دیا۔ نئے سرے سے پکڑ دھکڑ ہے۔ آقا مؤید الاسلام اڈیٹر حبل المتین کے بھائی آقا میرزا سید حسن آقا کو رات کے وقت گرفتار کر کے لے گئے۔ نہیں معلوم کہاں یہ سب حبل المتین کے قلم کو توڑنے اور زبان بند کرنے کے لیے ہے۔ انگریزی سفیر سے بھی گفتگو ہو رہی ہے۔ کہ شاید دوستانہ طریقہ سے حبل المتین کو کلکتہ میں نصیحت کرے اور خبر آئی ہے۔ نوے رئیسوں کو پکڑ کے تتر بتر کر دیا ہے۔ پکڑ دھکڑ کا بازار بہت گرم ہے جو دشمن کسی سے دشمنی رکھتا ہے صدر اعظم کے پاس پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔

جو شخص کہ اپنے دل میں ہمارے جلانے کی ہوس رکھتا تھا۔ کاش آتا اور دور سے دیکھ لیتا۔

"اعتذار از علمائے اعلام کثر اللہ امثالھم"

امید صادق اور رجائے واثق ہے۔ کہ قارئین کرام اور برادران ذوالاحترام ہرگز اس نگارندہ کے بارے میں بموجب البعض شک گناہ ہوتے ہیں سوئے ظن نہ فرما کے بدگمانی نہ کریں گے۔ یہ مسلم ہے کہ رساطین دین مبین کی توہین کفر محض اور عین ضلالت ہے۔ اور جن لوگوں کی حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ نے تعریف کی: وران کی شان اور مرتبہ میں فرمایا ہے کہ (میری امت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کے مانند ہیں) ان کی اطاعت

صدر اعظم کو غرور اور زندگی دامنگیر ہو گئی۔ نار کے لانے والے کے بڑے زور سے دھول لگائی۔ لوگوں نے گیت بنایا ہے اور دف اور دائرہ پر گاتے ہیں۔

اوّل چیز جو ایران کے لئے ضروری ہے مکتب ہے اور یہ شخص مکتب کے خلاف کھڑا ہوا ہے۔ بادشاہ سے کہا "کہ مکتب کے نتیجہ کو ملاحظہ فرمائیے رُوس کے طلبا نے کیا شورش برپا کر رکھی ہے۔ مکتب کے طلبا سلطنت کے لئے مضر ہیئت ہیں" اس صغری و کبری سے تمام مکاتب کے بند کرنے کا خیال رکھتا ہے۔ اُس کا سب سے بڑا دشمن وزیر دربار ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر ایک دوسرے کے حق میں سچ اور جھوٹ مضرت انگیز باتیں کہتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے مقدمے ترتیب دیتے ہیں۔ وہ بھی صدارت کی کمان کا چلہ کھینچتا ہے۔ بعض لوگ وزیر دربار کی رعایت کرتے ہیں خصوصاً ترک گمان کرتے ہیں کہ وہ بہتر ہے۔ مگر بخدا نہ یہ اچھا ہے نہ وہ۔ یہ بھی میرزا علی اصغر خاں صدر اعظم کے خلاف باغ اور پارک بنوا رہا ہے۔ اور جیسا کہ لوگ کہتے ہیں یہ پارک اس پارک سے بہتر ہوگا۔ دو لاکھ تومان سے کم خرچ نہ ہوگا۔ جملہ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ موسم سرما کے گل خانہ کے لئے انجن منگایا ہے اور چند ہزار تومان خرچ ہوئے ہیں۔ رعیت کے سر پر خاک ڈال کر اپنی سیر اور صفائی کے لئے اس قسم کی عمارتیں اور پارک بناتے ہیں۔

الغرض جو لوگ کہ اس فرنگستان کے سفر میں نہ تھے اور ان اسباب اور ٹھاٹھ کی چیزوں سے جو اُن کے دوست لائے ہیں یا لائیں گے محروم رہ گئے ہیں وہ اگر حسد اور رشک سے پارک اور ٹھاٹھ کی چیزوں کے رنج میں مر جائیں تو ایسے مُردہ کو "شہید پارک" کہنا چاہئے۔ گویا فرنگستان میں مذاق سے یہ گفتگو ہوتی تھی کہ ایران میں مجلس شوریٰ قائم کریں۔ شاہ کے حواشی میں سے ایک شخص امیر بہادر جنگ نے کہا "اگر ایسا کریں گے تو میں خنجر سے اہل مجلس کا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ یہ خیال رکھتے ہیں کہ سلطنت کے استقلال کو گھٹا دیں میں شاہ پرست اور صاحب غیرت ہوں" ایران کے بہادر کو ملاحظہ کیجئے۔ شجاعت کو ایران کی خوش بختی اور سعادت کے برہم کرنے میں صرف کر کے 'پیٹ پھاڑنے والے' بنتا ہے۔ ہمارا بہادر کس قدر غیرت اور شجاعت والا ہے۔ جو اہل مجلس چاہتے ہیں کہ بادشاہ کی عزت کی قدرت اور شوکت میں اضافہ کریں اُن کے پیٹ کو پھاڑتا ہے وہی مشہور مثل یعنی حضرت خرس کی دوستی اُن کے حق میں صادق آتی ہے

؎ دشمن دانا نادان دوست سے بہتر ہے۔ نادان دوست نہیں چاہتا کہ اُس کا بادشاہ مثل ولیم شہنشاہ جرمنی کے ہو جائے۔ کہتا ہے کہ ایران کی بادشاہت اسم بے مسمّٰی ہو۔ صاحب حکم و اثر نہ ہو۔ الغرض ایران حقیقت میں ویران ہے۔ ہر صوبہ میں غلہ کی گرانی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ فقرا بیکار اور بھوکے اللہ اللہ کرتے ہوئے حکام کے گھروں پر ہجوم کرتے اور لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں۔ مشہد۔ شیراز۔ اصفہان اور یزد میں گرانی کی مصیبت کے علاوہ بابی جماعت کی جسارت کے ساتھ اُن کی پکڑ دھکڑ الگ ہے۔ بعض

حاجی خاں کی وفات کے بعد میری آمدنی کا راستہ مسدود ہو گیا۔ میں بڑی عسرت و پریشانی میں بسر کرتا ہوں۔ جو کچھ پاس تھا سب فروخت کر ڈالا۔ یہ آخری خط ہے جو طہران سے لکھ رہا ہوں اور فرنگستان کے حالات آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

حبل المتین کی خواہش کی تھی مگر اب ایک سال ہو گیا آپ نے ایک کاپی بھی نہیں بھیجی۔ اگر کسی دوسرے ذریعہ سے اُس کا منگا نا ممکن ہوتا تو آپ کو زحمت نہ دیتا۔ شاید آپ نے بے احتیاطی سے بھیجا ہو اور مجھ کو نہ ملا اور ڈاک خانہ میں روک لیا گیا۔ میں نے سُنا ہے کہ بعض خطوں کو اس بہانہ سے کھول لیتے ہیں مگر صدر اعظم کی غرض دوسری ہے۔ باوجود ان تمام سختیوں کے جو حبل المتین کے روکنے میں کی جاتی ہیں پھر بھی میں نے وثوق سے سُنا ہے کہ حبل المتین کے تمام نمبر خاص شاہی میز پر رکھ دئیے جاتے ہیں۔ کب اور کس طرح سے یہ معلوم نہیں۔ صدر اعظم بڑی جستجو میں ہے مگر ابھی پتہ نہیں چلا۔ اسی قدر میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ حبل المتین بادشاہ تک پہنچ جاتا ہے اور مُلاحظہ فرماتے ہیں۔

ہاں چند ماہ قبل میں نے لکھا تھا کہ اعلیٰحضرت ہمایوں شہنشاہی رکاب ظفر انتساب کے ملتزمین کے ساتھ سلامتی اور فیروزی سے وارد ہوئے اور بڑا بھاری جشن منایا گیا مگر افواہ ہے کہ پانچ مہینے بعد پھر فرنگستان کا ارادہ رکھتے ہیں اور دوبارہ روس سے ایک کرور قرضہ مانگا ہے گویا طے ہو گیا ہے اور جیسا کہ بیان کرتے ہیں صدر اعظم نے لوازمات سفر کی مکمل تدابیر کر لی ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اعیان صدر اعظم کی معزولی کے درپے ہیں۔ صدر اعظم بھی اس بات کو سمجھ گیا ہے اپنی ذاتی مصلحت کے لئے پائے تخت میں رہنا دانائی کے خلاف سمجھتا ہے جب تک کہ ان خانگی مُدعیوں میں سے ایک ایک کو نہ گرا دے۔ مگر جیسا کہ ظاہر ہے مشکل سے کر سکے گا۔ مادہ تیار ہے اور شاید بد سے بدتر ہو جائے مدعیوں کے گروہ نے رات کا پرچہ ایجاد کیا ہے۔ کوچہ و بازار میں پھینک دیتے ہیں اور لوگوں کے دروازوں پر چپکا دیتے ہیں۔

یہاں تک کہ غیر معینہ واسطوں سے نفس نفیس ہمایونی تک پہنچا دیتے ہیں۔ بادشاہ بھی راضی ہیں۔ صدر اعظم کے تمام قصوروں کو دلائل بینہ کے ساتھ رات کے پرچوں میں لکھتے ہیں کہ وہی ایران کی خرابی کا سبب ہوا ہے تیس سال سے تمام روئے زمین کے مقامات حضیض سفلی سے اوج علوی پر چڑھ گئے ہیں برعکس ایران روز بروز رو بانحطاط ہے۔ ظلمت جہل ایران پر چھا گئی ہے۔ بدنظمی اور بے قانونی حد سے بڑھ گئی ہے۔ صدر اعظم جس کو چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کو نہیں چاہتا پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ علاوہ نجبائے ملت اور وزرا نایان کارآگاہ کے شاہزادگان عظام بھی اس شخص کی بے اعتدالی اور فرعونیت سے تنگدل ہو گئے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ حضرت والا ظل السلطان نے ایک تار صاحب لقب کے بارے میں صدر اعظم کو دیا تھا۔

میں نے کہا کچھ نہیں ہوا۔ اخبار حبل المتین پڑھ کر طبیعت مکدر ہو گئی ہے۔

کہا اب سے حبل المتین کو ہمارے گھر میں داخل نہ ہونے دو۔ پہلے جب حبل المتین آتا تھا۔ تو میں کبھی کبھی پڑھا کرتی تھی باوجودیکہ اُس کے مطالب سمجھنے سے قاصر تھی پھر بھی اُس کے بعض مضامین مجھ کو بے حال کر دیتے تھے اور رونے لگتی تھی۔ اس اخبار کا ایڈیٹر گویا مرثیہ خوان ہے اور یا اُس کی پیدائش محرم میں ہوئی ہے۔ کبھی کوئی بشارت انگیز یا فرحت خیز خبر ایران کی اُس میں نہیں دیکھی گئی۔ ظاہر ہے کہ ابراہیم بیگ کا ایسا اخبار پڑھنا اس کو زہر کھلانے کا حکم رکھتا ہے۔

میں نے کہا تو سچ کہتی ہے۔ میں بھی آئندہ نہیں پڑھوں گا مگر یہ قصور اخبار لکھنے والے کا نہیں۔ اخبار کے معنی یہی ہیں کہ آئینہ کی سی خوبی رکھتا ہو۔ بُرائی کو بُرائی اور اچھائی کو اچھائی کر کے دکھائے کیونکہ ایرانیوں میں کوئی اچھائی نہیں وہ اچھائی کیسے دکھادے۔

ابراہیم بیگ نے چاء اور شام کا کھانا نہیں کھایا۔ پریشان حالت میں تکیہ لگائے۔ سر جھکائے آہ سرد دل پر درد سے بھرتا تھا اس حالت میں ایک مہینہ تک گھر میں پڑا رہا باہر نہ نکلا۔ حاجیہ خانم نے ہر چند اصرار کیا کہ حکیم آئے وہ راضی نہ ہوا دن میں دو تین پیالی دودھ والے قہوہ کی اور کبھی چائے پی لیتا مگر ہر روز چالیس پچاس سگریٹ پی جاتا۔

دوست روزانہ آتے اور دلجوئی کرتے۔ روز بروز اس کا بدن گھٹتا جاتا اور لاغر ضعیف ہوتا جاتا تھا۔ بے قوت اور بے طاقت ہوتا جاتا تھا۔ ہمیشہ فکر و خیال میں رہتا تھا۔ ایک دن سب بیٹھے ہوئے بعض دلچسپ گفتگوئیں اور مذاق کر رہے تھے کہ شاید اُس کے دل میں بشاشت پیدا ہو ناگاہ حاجی مسعود نامسعود دروازہ سے داخل ہوا اور چند خط لایا میں نے اشارہ کیا لوٹ جائے مگر وہ نہ سمجھا سب کو دیتے ابراہیم بیگ نے ایک کو دیکھ کر میری جانب پھینک دیا اور ضعیف آواز سے کہا پڑھو۔ میں نے دیکھا مشہدی حسن کرمانی کا خط ہے۔ ہر چند چاہا بہانہ کر دوں مگر کارگر نہ ہوا۔ اصرار کیا۔ میں نے چاہا کہ مطالعہ کر کے اس کے احوالات وحشت آمیز خارج کر دوں اور جوڑ لگاتا ہوا پڑھ جاؤں کہا میں تمہاری بات سمجھتا ہوں۔ میری جان کی قسم بغیر تحریف کے اول سے آخر تک پڑھو۔ ناچار میں نے پڑھنا شروع کیا۔

نقل خط مشہدی حسن کرمانی از طہران

فدایت شوم۔ مدت ہوئی کہ کوئی بات نہ ہونے کی وجہ سے خط نہ لکھا گیا کیونکہ فرحت بخش حالات ظاہر نہیں ہوئے اور میں بھی پریشان خیال اور افسردہ حال ہوں اور خیال ہے کہ چند روز بعد ارض اقدس مشہد مقدس کا ارادہ کر کے نائب الزیارت ہوں۔

اس قسم کی باتیں کر رہا تھا اور ہائے ہائے کرکے رو رہا تھا۔ میں نے حاجی مسعود سے کہا کہ دوڑ کر جا اور میرزا عباس کو لائیں کمرہ میں داخل ہوا۔ فوراً میرزا عباس بھی پہنچ گئے اور کہا۔
بھائی تم کو کیا ہوگیا؟ اور کس لیے روتے ہو؟ کیوں اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہو۔ دُنیا تمھاری خوشی اور رنج سے تغیر و تبدیل نہیں ہوتی۔ صبر کرنا چاہیئے کہ کہا ہے "صبر خوشحالی کی کُنجی ہے"۔
ے کوئی مشکل ایسی نہیں جو آسان نہ ہو سکے مگر آدمی کو ہراسان نہ ہونا چاہیئے۔
البتہ بدگمانی کو دور کرو اور نیکی کے شگون لو ع سب کام بہتر ہو جاتے ہیں مگر صبر کے ساتھ۔
کسی قدر تسلی دے کر کہا کہو گاڑی میں گھوڑے جوڑیں باہر جائیں گے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ رنج و غم کے وقت قبرستان میں جاؤ۔ جمعہ کی شب ہے قبرستان جا کر اہل قبور کے لئے فاتحہ پڑھیں گے اور فاتحہ دلائیں گے۔
گاڑی تیار ہو گئی سوار ہو کر مرحوم حاجی کی قبر پر گئے۔ ابراہیم بیگ باپ کی قبر پر گر پڑا۔ زار زار روتا تھا اور کہتا تھا۔ ابا جان تمہاری قسمت اچھی تھی کہ چلے گئے اور ان غمگین دنوں کو نہ دیکھا۔ میں نے تمہاری تمام وصیتیں پوری کردیں مگر تمہاری نسل کو وطن نہ لے جا سکا۔ ابا جان میں خود گیا اور میں نے بچشم خود دیکھا جو کچھ ہمارے بارہ میں دوسرے کہتے ہیں تمام درست اور صحیح ہے۔ ابا جان کاش میرے پاؤں ٹوٹ جاتے اور میں نہ جاتا۔ کام اس حد سے گذر گیا کہ ہموطن ہم پر ملامت کریں اب تو فرنگی ہمارے معائب کو اخباروں میں مشتہر کرتے ہیں۔ ابا جان
ے اگر وصل روز قیامت پر موقوف ہو گیا تو کیا ہوا۔ وصال یار اسی انتظار کے لائق ہے۔
بابا میری دُعا قبول کر مجھ کو اپنے پاس بُلالے۔ مجھ میں اس سے زیادہ زندگی کی تاب نہیں ہے۔ اور اپنے اور بیگانہ کی ملامت وطن کے بارہ میں نہیں سُن سکتا ہوں۔ میں اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ ہر شخص کی زبان مجھ پر دراز ہو گئی ہے۔ خدایا میری مخلصی کر اور میری رُوح قبض کرلے۔
اس وقت میرزا عباس نے ابراہیم بیگ کا بازو پکڑ کے قبر سے اُٹھایا اور کہا۔ برادر! تو بالکل دیوانہ ہو گیا ہے۔ لوگ تیرے عیش اور عروسی کی امید رکھتے ہیں تو اپنے لئے موت مانگ رہا ہے۔
ے دیکھ تو راستہ میں کہاں سے کہاں تک فرق ہے۔
یہ کیسے راز و نیاز ہیں اور یہ کیسی دُعا ہے؟ کھڑا ہو کھڑا۔ چلیں۔ جبراً اس کو قبرستان سے باہر لائے گاڑی میں سوار کرکے گھر آئے مگر کسی کی آواز نہ نکلتی تھی اور ہم میں کسی میں بولنے کی طاقت تو کجا سانس لینے کی مجال بھی نہ تھی۔ حاجیہ خانم آئیں کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کوئی بات نہیں ہے پھر وہی رنج پہنچا ہے اور اسی قسم کا رنج ہے۔ میرزا عباس کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ محبوبہ منتظر تھی کہ میں باہر نکلوں تھوڑی دیر بعد میں باہر نکلا روتے ہوئے اور دلسوزی سے پوچھا کیا ہوا؟

کوکیوں نہیں دیکھتا ہے؟ لوگ چاروں طرف جمع ہوکر مذاق اڑا رہے تھے اور ہنس رہے تھے
میں نے کہا اے بیچارے ایرانیو آؤ اور دیکھو کہ تمہاری سلطنت کا لیا ہوا قرضہ جس نے تم کو
رہن رکھ دیا ہے کہاں اور کس طرح خرچ ہوتا ہے اور میں نے آج سنا ہے کہ اُس جگہ کل
رات ایک ہزار چار سو فرانک صرف کئے گئے۔

ان باتوں سے مجھے غصہ آگیا میں نے بڑی خودداری سے کہا

بادشاہ اپنے مصالح ملکی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اے جرمن نوگردان گوشہ نشین بے
توشور مت کر۔ اس نے بڑی خوش روئی سے کہا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میری باتوں سے آپ
رنجیدہ خاطر ہوگئے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ طرز سخن ہی ایسا آگیا پھر میں نے اُٹھ کر کہا کہ خدا
حافظ کہوں۔ کہا پھر کب ملاقات ہوگی اور گفتگو کریگے؟

میں نے کہا میں کل وارسا جا رہا ہوں۔ خدا حافظ خدا حافظ

فرنگی کی زبانی یہ باتیں سننے کے بعد ابراہیم بیگ کے چہرہ کا رنگ اڑگیا اور سکان کی
ونمک رخسار مانند زعفران زرد پڑگئے میں نے دیکھا کہ بیٹھنے کی قوت نہیں ہے۔ گاڑی کرایہ
کرکے اس کو سوار کیا اور گھر لایا۔ سیدھا اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ چونکہ بات چیت اور گفت شنید
کی قوت نہ رکھتا تھا میں بھی اپنے کمرہ میں چلا گیا کہ شاید وہ سو کر ٹھیک ہو جائے ایک گھنٹہ بعد
حاجی مسعود آئے اور کہا۔

خانم سوگئی ہیں آکر دیکھو کہ آقا کیوں رو رہے ہیں۔ میں گیا۔ داخل نہ ہوا۔ کان لگا کر دیکھا کہ ابراہیم بیگ
خودبخود کہہ رہا ہے ایران!! ایران!!! یہ کیسی مصیبت ہے جو تجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اے غدار زمانہ تجھ پر تف
ہے۔ یہ کیسی خواری ہے جو تو نے ایرانیوں کے لئے تیار کی ہے؟ اے وطن! اے مادر عزیز! یہ کیسی نحوست
ہے جو تیرے فرزندوں نے تیرے لئے روا رکھی ہے! کیا تو وہ ایران نہیں ہے جو عہد قدیم میں گلستان
ارم اور بہشت روئے زمین تھا؟ تو وہی ایران ہے کہ زمانہ سلف میں تجھ سے تمام دنیا میں تہذیب و تربیت
کے آثار پھیلتے اور منتشر ہوتے تھے۔ دُنیا کے مورخ آگاہ ہیں کہ سلاطین عجم کے زمانہ میں تو عمدہ قوانین
اور پسندیدہ نظم رکھتا تھا۔ اب کیا ہوگیا کہ فرنگستان کے ممالک میں تیری اولاد کی مذمت اخباروں میں شائع
کرتے ہیں۔ ایران اور ایرانی کے نام سے وحشت کرتے ہیں۔

ایران! ایران!! ایران!!! تیرے پسران ناخلف نے تیری بدنامی اور فضیحت کی شہرت فرنگیوں
کے کان میں پہنچادی ہے فرنگ کے بے سروپا لوگ تیری اولاد پر ہنستے ہیں۔ باغوں میں تیری اولاد کا گریبان
پکڑ کے مذمت کرکے اپنی خوشحالی پوچھ لیتے ہیں۔ آج تیرے اہل میں سے کوئی ایسا نہیں جو تیری حالت
پر رونے سے کل رات تو ایک گروہ پردہ و سوشیون ہو رہے تھے آج ایک بھی نہیں ہے کہ سوپرد روئے۔

اور نہ کر سکا کہ دنیا کو اپنے لئے جہنم بنا کر اپنے آپ کو ہمرنگ بنالوں اُن میں زندگی بسر کرنا دشوار ہوگیا۔ پھر میں نے دوسری فکر کی کہ بعض زہاد کی مانند گوشہ گیری اختیار کروں اس کو بھی اپنی احاطۂ قدرت سے باہر دیکھا حقیقت میں شارع اسلام نے کوئی نکتہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اپنے پیرووں کو دنیا اور آخرت کی سعادت اور نیک بختی کا راستہ دکھلانے میں کسر نہیں چھوڑی۔ اگر ایرانی اپنی شریعت غرا کی پیروی کرکے مساوات سے ہاتھ نہ اٹھاتے تو دنیا اور آخرت کونسی سعادت تھی جس کو وہ حاصل نہ کر لیتے۔ اس وقت ان کے باغ اس باغ سے بہتر اور نیکو تر اور پبلک کی آسائش و استراحت کی جگہ ہوتے اور ان کے مالک سو درجہ جرمنی سے زیادہ آباد ہوتے۔ افسوس کہ مالک اور مرضی کی ضرورت ہے اور وہ ایرانیوں میں مفقود ہے۔ علاوہ کتب آسمانی اور احادیث نبوی کے حکما اور ناصحین اور واعظین نے تمہارے لئے کوئی راہ غور و بہانہ نہیں چھوڑی ہے۔ شیخ سعدی کی کتاب کے چند شعر تمام دنیا کی مخلوق کی اطلاع کے لئے کافی ہیں جس کو میں نے مکرر پڑھا اور جرمنی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اگر نظر غور سے دیکھو تو اس کا ہر حرف ایک عالم کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱) میں نے سنا ہے کہ نوشیرواں نے جانکنی کے وقت سرمز سے یہ کہا

(۲) کہ غریب کے دل کا خیال رکھنا اور صرف اپنی ہی آسایش کے فکر میں نہ رہنا

(۳) جا اور محتاج فقیروں کا خیال رکھ کیونکہ پادشاہ رعیت سے ہی تاجدار ہوتا ہے

(۴) عقلمند کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ چرواہا سوتا ہو اور بھیڑیا بکریوں میں ہو

(۵) رعیت مثل جڑ کے ہے اور پادشاہ مثل درخت کے۔ اے بیٹے درخت جڑ سے ہی مضبوط ہوتا ہے

(۶) اس جگہ اور اس ملت میں فراخی نہ دیکھو گے جہاں رعیت پادشاہ سے تنگدل ہوگی

میں اس قسم کی کتابوں کو انجیل سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں مگر تم ان کو افسانہ سمجھتے ہو اور ان حکمت آمیز باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے ہو۔ طرح طرح کی تدبیروں سے لوگوں کا مال جمع کرکے لاتے ہو اور یہاں بیکار خرچ کرتے ہو۔

کل رات کو اس تھیٹر کے کمرہ میں چند شخص بیٹھے ہوئے عیش عشرت میں نہیں بلکہ بدمستی و ذلالت میں مشغول تھے۔ ان میں ایک پیر مرد کہن سال بدمست ہوکر ایک رذیل شوخ و طرار لڑکی کے ساتھ عشقبازی کرنے لگا۔ مگر وہ لڑکی اس کی پروا نہیں کرتی تھی اور اپنا دل ایک جوان خوش رو اور دلنشین مو سے لگا چکی تھی۔ وہ بیچارہ ہر چیز سے آوارہ کبھی اپنے سر پر گھونسے مارتا تھا اور کبھی اشک حسرت بہاتا تھا اور یہ اشعار پڑھتا تھا۔

ع میں نے کیا قصور کیا ہے کہ بیگانوں اور بدعہدوں کی طرح میری طرف چشم ارادت سے نہیں دیکھتا ہے۔ میں نے مانا کہ آتش دل دکھائی نہیں دیتی مگر میرے دریا جیسے آنسو کو

اور مغرب کے چابکدست دانشمندوں نے تمام سکہ لگائے ہوئے خالص اور کھرے سونے کو تھوڑی سی مدت میں تانبہ سے تبدیل کر دیا۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اہل مغرب کیمیا گر ہیں۔ یا اہل مشرق۔

حقیقت میں اہل مغرب صد ہزار تحسین کے مستحق ہیں کیونکہ کسی مشرقی ذی شعور کی قوت سے اس قسم کی کیمیا گری نہیں ہو سکتی تمام مغربی اقوام شب و روز اس فکر میں رہتی ہیں۔ کہ کم سے کم ایک بالشت اپنے ملک میں اضافہ کریں لیکن تم مشرقی ایسے آرام سے سوئے ہوئے ہو کہ ہر روز بیوقوف وزیر جن کے القاب کی عبارت دو سطر میں بھی نہیں سما تی تمھارے ملک کا قطعہ اجنبیوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور تم بالکل خواب غفلت و استراحت سے بیدار نہیں ہوتے ہو اور اس تمام دولت کو بیدردی سے لاکر فرنگستان میں برباد کر دیتے ہو اور تمھارے کان پر جوں تک نہیں چلتی اور یہ سفر پانچواں سفر ہے۔ تم میں سے ایک شخص میں بھی اتنا احساس اور ادراک پیدا نہیں ہوا کہ پوچھے تم کہاں جاتے ہو؟ اور کیوں جاتے ہو؟ کس لئے جاتے ہو؟ کس کا مال لئے جاتے ہو؟ فضول خرچی اور اسراف کیوں کرتے ہو؟ کیا آپ نے "فضول خرچ کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں" نہیں پڑھا ہے؟ جس وقت فرنگستان کی حسینان نازنین اور دلبران شوخ کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ملتی ہے مسرور و خنداں ہو کر آپ کے قدوم منافع لزوم کی خوشخبری آپس میں دیتی ہیں اور کہتی ہیں۔ "یار آیا اور میوہ لایا" مگر افسوس یہ باتیں ان لوگوں سے کہتی ہیں جو نیند میں ہیں۔ نہ آپ کے کان سنتے ہیں اور نہ آپ کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔

اے مہمان عزیز شاید آپ ان باتوں سے رنجیدہ خاطر ہو جائیں۔ یہ باتیں میں صدق دل سے عرض کر رہا ہوں نہ کسی غرض اور نفسانیت سے کیونکہ میں مدتوں ایران میں رہا ہوں۔ اور ایرانیوں سے بڑی مہربانیاں دیکھی ہیں۔ ابتدا سے انتہا تک ان کے آئین و مذہب کو دیکھا اور پڑھا ان کی بہت سی رسموں کو لیا اور پسند کیا ہے۔ تمام مذاہب میں مذہب حنیف اسلام کو پسند کیا مگر عدم سعادت کی وجہ سے اس فیض عظمیٰ سے فائز نہیں ہوا ہوں۔

اگر مذہب اسلام کے موافق تبلیغ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے پیروی کرو تو یقیناً مشرق و مغرب کو مسخر کر لو جیسا کہ اسلام کے ابتدا میں کیا تھا پھر کوئی قوم تم پر برتری حاصل نہ کر سکے گی۔ میں اسلام کے قوانین کو جانتا ہوں اور جس زمانہ میں ایران میں تھا بڑے بڑے لوگوں سے حاصل کئے تھے۔ اس خیال میں تھا کہ اسلام قبول کر کے ایران میں رہوں۔ مگر جب دیکھا کہ کوئی شخص شرع مقدس اسلام کے اوامر اقدس کی پیروی نہیں کرتا ہے اور ہر فرد نہایت بے باکی سے کمزوروں کے حقوق میں تجاوز کرنے کو جائز سمجھتا ہے۔ چھوٹوں کے مال کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ حقوق بشری آپس میں محو و نابود ہو گئے ہیں تو میں ان ناملائمات کے دیکھنے کی تاب نہ لایا۔

میں نے مانا کہ تمہارا باپ فاضل تھا مگر باپ کے فضل میں سے تم کو کیا ملا ہے۔ اور آپ سے کیا عرض کروں۔

میں نے کہا۔ اس قدر کافی ہے کہ ہر صورت میں تمدن کے آفتاب عالمتاب نے جانب مشرق سے طلوع کیا ہے تمام مغرب اُس کے نور کی چمک سے روشن اور ظلمت سے خلاص ہوگیا ہے۔ یہ فخر ہمارے لئے کافی ہے کہ ہم اہل مشرق اور آپ اہل مغرب ہیں اور آپ مغربیوں کی مشرق کے نور سے زندگی ہے قہقہ مار کر ہنسا اور کہا۔ اس صورت میں اہل خطا وختن کو چاہیئے کہ یہ بات کہیں جن کے آپ مغرب میں واقع ہوئے ہیں۔ میں آپ کے اس سُست جواب پر افسوس کرتا ہوں مگروہ دوسرا خورشید جو شیر پر سوار ہے اور جواہرات گرانبہا سے مزین ہے پانچ سال میں ایک مرتبہ ہماری سلطنت میں لا کر نیست ونابود کر دیتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے غروب ہوجاتا ہے۔

تیس سال سے پری پیکران مغرب در خورشید منظران غرب رفتہ رفتہ اپنی گیسوان مشکیں کی کمند کو حلقہ حلقہ اور چیں چیں کر کے مشرق کے وزرائے خودسر وخودرائے کی گردنوں میں ڈال کر قیدیوں کی مانند اپنے طُرۂ طرار میں گرفتار کر کے ہر سال اُس چمکتے ہوئے خورشید کو کہ جس پر آپ کو افتخار ہے دختران مغرب کے قدموں میں نثار کر رہی ہیں۔ علاوہ ان شیر وخورشید ہائے مُرصّع کے صندوق رُوسی سکوں سے بھرے ہوئے جو آپ کی ہستی کی قیمت میں دئے گئے ہیں۔ شاباش کے عوض میں روسیوں پر نثار کرتے ہو۔ اگر اس شیر وخورشید پر فخر کرنا چاہو تو حق رکھتے ہو مگر آپ کا سورج کے طلوع گاہ میں ہونا شان وشرف کا باعث نہیں ہے کیونکہ سُورج کا فیض ہر جگہ اور ہر شخص کے لئے یکساں ہے۔

اب آپ میری عرض کو سمجھے یا نہیں۔ جب کہ آپ مشرقی ہونے پر فخر کرتے ہیں تو چاہیئے کہ وطن کی قدر کو سمجھیں اور وطن کی آمدنی وطن میں صرف کریں اور وطن کی ثروت بڑھائیں۔ دشمنان وطن کو تلوار سے نشان بخشو نہ یہ کہ وطن کی دولت چاپلوسی میں بیگانہ کو دے دو۔

چونکہ آپ اہل مشرق نے اپنے آپ کو آزادی کے حقوق سے محروم کر رکھا ہے اس لئے اپنے تمام اختیارات کو چند خود غرض اور خائنوں کے ہاتھ میں سونپ دیا ہے۔ ہر سال کروڑوں روپیہ آپ سے لوٹ کر لے جاتے ہیں مگر آپ کو مطلق اس بات کے سمجھنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

آپ کی سلطنت کا سونا چند نالائق لوگوں کی وجہ سے تمام کا تمام ممالک خارجہ کو چلا جاتا ہے آپ کو مطلق اثر نہیں ہوتا۔ آپ کے ملک میں سونے کے بجائے انگریزی تانبا رہ گیا ہے۔ میں نے سُنا تھا کہ ایران میں کیمیا بناتے ہیں اور کیمیا کے قاعدے سے دھاتوں کی قلب ماہیت کرتے ہیں۔ مجھے یقین نہ آیا مگر اب جب کہ بچشم خود دیکھ لیا کہ ماشاء اللہ فرنگ کے اُستادان ماہر

کسی جانب غلہ جمع کرنے والے گرانی غلہ کی تدبیر میں سوچتے ہوں گے اور اگر کسی طرف سے حکومت کے افسر یا فوجی لوگ اُس مجمع میں وارد ہوتے ہیں اور جگہ نہیں ملتی ہے تو بیچاری رعیت کے نیچے سے کُرسی نکال کر بڑے غرور سے بیٹھ جاتے ہیں اور اُس بیچاری رعیت کے کاسہ آسائش میں زہر ڈال دیتے ہیں۔ اگر درمیان میں چون وچرا آئے تو منہ پر طمانچہ اور ڈنڈے مارنے لگتے ہیں۔ یہ جو میں نے بیان کیا آپ کے معقول لوگوں کا فعال ہیں۔

ہائے ہائے۔ اگر چند بدمعاش اس گروہ میں داخل ہو جاتے ہیں تو پناہ بخدا۔ ان کی رفتار اور کردار و گفتار ان عورتوں کے سامنے بیان کرنا زیبا نہیں ہے عشق کا ناموس اور عاشقوں کی وقت لے جاتے ہیں۔ جوان کا عیب اور بڈھے کی سرزنش بیان کرتے ہیں۔

سب جہل و نادانی کے بھنور میں غرق مگر اپنے آپ کو افلاطون دہر اور ارسطوئے زماں سمجھتے ہیں۔ انصاف کرو کہ ان بندوں نے قیدخانہ اور بھڑکتی ہوئی آگ کباب ہونے کی غرض سے خود جلائی ہے یا خدائے تعالیٰ نے انکے لئے روا رکھی ہے۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ ان مومنوں نے دُنیا کو خود اپنے لئے قیدخانہ بنالیا ہے نہ خدا نے اُن کے لئے۔ اس ناپسندیدہ وضع کے ہوتے ہوئے الدنیا سجن للمومن کہنا عقل انسانی سے باہر ہے جس روش پر آپ لوگ چلتے ہیں میرے عقیدہ میں دنیا اور آخرت دونوں کو اپنے لئے قیدخانہ بنالیا ہے نہ صرف دُنیا کو۔ پھر بھی آپ کے علما غرور سے مشرقیوں کی مدح کر کے کہتے ہیں کہ اہل مشرق فاضل ترین مخلوق ہیں۔ علم کے سورج نے مشرق سے طلوع کیا ہے ان جیسی کی باتوں سے اہل مغرب کا مذاق اُڑاتے اور عیب جوئی کرتے ہیں۔

بے شک آپ کا مشرق میں تشریف رکھنا سبب افتخار نہیں ہو سکتا۔ آپ کے لئے کوئی رجحان کا سبب نہیں دکھائی دیتا اس لئے کہ جہالت کی تاریکی نے اُس نورانی فضا کو مکدر کر دیا ہے۔

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ وہ ایرانی جو زمانہ ماضی میں اُس خاک پاک میں سکونت رکھتے تھے تمام دنیا کے لوگوں پر برتری اور فوقیت رکھتے تھے اور حقیقت میں جنس انسان کے افتخار کا باعث تھے۔ کیونکہ اُن سے عمدہ دستورالعمل یادگار رہ گئے ہیں اور ان کی ہمت کی برکت سے ہر قسم کی بُرائی کا دفعیہ ہو گیا تھا۔ آج کے ایرانی اپنے بزرگوں کی درستی حال سے واقف نہیں ہیں۔ جس زمانہ میں زمین اور اہل زمین وحشت کی تاریکی کے بادل سے چھپے ہوئے تھے سلاطین ایران نے ایرانیوں کو ہر قسم کی تہذیب اخلاق کا مالک بنا دیا تھا۔ سلاطین ایران میں سے کوئی بھی مستبد نہ تھا اور سب مشورہ سے کام کرتے تھے۔ ہر سال کے آخر میں جب تک کہ بزرگ اور عقلمند اور امور جمہور کے راز داں اظہار خوشنودی و رضامندی نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ سر پر تاج نہیں رکھتا تھا اور تخت پر قدم نہیں رکھتا۔ جب کہ آپ اُن گذشتہ تفاخرات سے مغربیوں کے حال و استقبال پر تشخص جتاتے ہو اور بیوجہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھتے ہو تو غلطی کرتے ہو۔

و آرام سے کھائیں اور پئیں اور اُس کا شکر نعمت بجا لائیں" بلکہ مومن کے لئے دُنیا کی نعمتیں عقبیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں اور اس کا آرام دنیا میں آخرت کی نسبت مثل قید خانہ اور قیدیوں کے عذاب کے ہے" حاشا کہ خدا نے اہل ایمان کو دُنیا میں اپنی نعمتوں سے محروم کیا ہو کیونکہ یہ اُس کی رحمت کا اقتضا نہیں ہے۔ پس تسلیم کرنا چاہیئے کہ آپ ہمیشہ اپنے آپ کو دُنیا میں معذوب رکھتے ہیں اور بعض حدیثوں کو کہ جن کے معنی نہیں سمجھے ہیں اپنی کاہلی کا سبب قرار دے کر اجنبیوں کے جواب میں اپنے دلوں کو انہیں سے خوش کرتے ہیں۔

مثلاً اس باغ میں کم سے کم دس ہزار جمعیت۔ چھوٹے بڑے۔ مرد عورت۔ و کم رعیت جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر کھاتے اور پیتے ہیں۔ ہر ایک اپنے دوست کے ساتھ نہایت مہر محبت و صفا اور حضور قلب سے نہایت کشادہ پیشانی سے مشغول صحبت و عیش و نوش ہے اور دوسروں سے کوئی سروکار نہیں۔ اپنے بھائیوں کی غیبت اور بدگوئی نہیں کرتے ہیں اور نہ امیروں سے حسد کر کے اُن کے نقصان کو سوچتے ہیں اور نہ سلطنت کی بدگوئی کرتے ہیں اور نہ حکام کی فریاد کرتے ہیں اور نہ حکومت کے محکمہ کی شکایت کرتے ہیں اس لئے کہ ہر شخص کا فرض معلوم اور ہر کام کا بدلا اور سزا مشخص ہے۔ پس تمام قیل وقال سے دور صحبت حال میں مشغول ہیں۔ نہ مالدار کی چاپلوسی کرتے ہیں اور نہ انکار کا ہاتھ فقراء اور مساکین کے سینہ پر رکھتے ہیں کہ ہمارے حلقہ اور جرگہ میں داخل مت ہو کیونکہ تو ہماری جیسی شان والا نہیں ہے اور ہماری صف میں مت بیٹھ کیونکہ ہمارے پاس بیٹھنے کے لائق نہیں ہے ؎ کہ وو جس کا جی چاہے آئے اور جس کا جی چاہے جائے۔ ناز او غرور اور حاجب اور دربان اس دربار میں نہیں ہیں۔

ہر رات کو حاکم و محکوم۔ بادشاہ و گدا۔ فقیر و غنی اس باغ میں تفریح و آسایشِ خیال کے لئے آتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اپنے مکانوں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اگر آپ کے ایران میں کسی تفریح گاہ میں دس ہزار آدمی ایک جگہ جمع ہوں تو ایک گروہ اُن میں سے شاعری کے دعوے میں حلقہ باندھے ہوں گے اُن کی تمام گفتگو واعظوں اور زاہدوں کی مذمت میں ہوں گی۔ دوسرے گوشہ میں زاہد اور واعظ جمع ہو کر شاعروں کی تکفیر میں گفتگو کر رہے ہوں گے۔ کسی گوشہ میں ایک جماعت فلاں تاجر صاحب ثروت کی بدگوئی کرتی ہو گی۔ اور کسی جگہ شرکاء ایک دوسرے کی خیانت کے اثبات میں قیل وقال کرتے ہوں گے کسی طرف عقلمند جمع ہو کر سلطنت کے عیب نکال کر معایب افعال کو گناتے ہوں گے۔ کسی طرف حاکم کے ظلم سے فریاد کرتے ہوں گے اور ایک جماعت ظالموں کو لعنت اور نفریں کرتی ہو گی۔ کسی جانب بھوکے گرانی غلہ اور آذوقہ اور آب نان وکی کمی سے فلک ہفتم پر فریاد پہنچاتے ہوں گے۔

مصاحبت سے لطف اٹھاتا ہوں اور اجازت چاہتا ہوں کیونکہ آپ فارسی زبان نہیں جانتے ہیں دلتنگ ہوں گے مگر دوبارہ ترجمہ کر دوں گا اُس کے۔ فیقوں نے بیان کیا کہ ہم بھی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ آپ اپنے مہمان سے مشغول ہوجیے۔ اپنے دوستوں سے اجازت پانے کے بعد مجھ سے کہا۔ میں آپ سے ایک خواہش کرتا ہوں معلوم نہیں آپ قبول فرمائیں گے یا نہیں۔ میں نے کہا فرمایئے۔ کہا میں پہلے تو آپ کو متفکر اور غمگین پاتا ہوں۔ کس عالم میں آپ سیر کر رہے ہیں اور آپ کو کیا فکر ہے! میں نے دیکھا کہ ایسی فصیح اور روشن فارسی بولتا ہے کہ میں باوجودیکہ ایرانی مگر ترک زبان ہوں اُس کے ساتھ گفتگو کرنے میں شرمندہ ہوجاؤں گا۔ میں نے بے تحاشا پوچھا۔ مرحبا آپ نے فارسی زبان کہاں سے سیکھی ہے کہ اہل شیراز کی مانند گفتگو کرتے ہیں۔

کہا خوب مجھے۔ ہر چند میں نے اپنے ہی سکولوں میں حاصل کی مگر آٹھ سال بوشہر اور شیراز میں نوکر رہا اور اب برلن کے اورنٹیل سکول میں مشرقی زبان کا معلم ہوں۔ رشتۂ فن ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ میری بات کا جواب دیجئے۔ پوچھا کہ کس عالم میں سیر کر رہے تھے اور کس خیال میں غور فرما رہے تھے۔ اور کس عالم میں اپنے آپ کو پاتے ہو۔

میں نے کہا تمام دُنیا کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔

کہا بے شک خدا کی وحدانیت اور بے ہمتائی میں کلام نہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہاں کی زندگی اور اپنے وطن مقدس میں چلے گئے ہیں۔ میں نے کہا ؎ ہر جا ہے ترا جلوہ کعبہ ہو کہ بُت خانہ۔ اُس نے ہنس کر کہا۔ میں آپ سے فلسفیانہ مُباحثہ کا خیال نہیں رکھتا ہوں ظاہر ہے کہ انسان کامل کو ایسا ہی ہونا چاہیئے مگر میرا مقصد کچھ اور ہے۔ جیسا کہ آپ کے حکما نے فرمایا ہے۔ ؎ بہشت وہاں ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی کو کسی سے کوئی تعرض نہ ہو۔ پس فرمایئے کہ اس شعر کے موجب اس جگہ کو بہشت کہا جائے یا آپ کے ایران کو؟ سبحان اللہ ہم بہشت میں ہیں یا آپ؟

میں نے کہا "دُنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنّت ہے" ہنسنا شروع کیا اور کہا کہ پہلے تو کفر اور کافر کے معنے بیان کیجیے کہ کس سے مُراد ہے۔

میں نے جواب دیا کہ مجھے تو اس قدر علم و معرفت نہیں کہ اس قدر گفتگو کر سکوں مگر اس قدر سُنا ہے کہ کفر کے معنی ہیں حق سے انکار کرنا اور کلمۂ حق کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا۔ اور جو شخص حق کو پوشیدہ رکھے وُہ کافر ہے۔ کہا ؎ تو نے حریفوں سے رازِ سربستہ کہہ دیا۔

انصاف نہ کیا کہ دُنیا مومن کے لئے کیوں قید خانہ ہو۔ خداوند عالم اور خلاق بنی آدم نے یہ دُنیا اور اس کی نعمتوں کو اپنے مخصوص لوگوں اور مقربوں کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ اُس میں راحت

اس خوش قسمت گروہ کے اقبال کے ستارہ کو کیسا رخشندہ کرکے دکھایا ہے اور باغ کی رونق کو بھی ملاحظہ اور نظر غور سے دُور نہیں رکھا تھا اور اس خیال میں تھا کہ ان مغربیوں نے کیسے اپنی آسایش کے لیے یہ تمام اسباب مہیا کئے ہیں؟ اور کس عقل و تدبیر کی پیروی سے اس قطعہ زمین کو باوجود عدم استطاعت و استعداد کے اپنے آرام کے لیے مثل بہشت بریں کے آراستہ کرلیا ہے۔ اور بہشت کی پہلی نعمت کو جو وہاں کے ساکنین کی مایہ حیات ابدی ہے بلکہ حیاتیہ دوجہان کے لوازم میں سے ہے یعنی آزادی خیال کو کس طرح حاصل کیا ہے اور اپنے اسباب معیشت کو کس دانشمند کے سایہ تربیت میں اس درجہ کو پہنچایا ہے اور اس اصول اور قابلیت سے ترتیب و تنظیم کیا ہے۔ اس فکر و خیال نے مجھ کو دریائے حسرت و انفعال میں مستغرق کردیا۔ میں حیران و متحیر بحر اندیشہ میں غرق تھا کہ ناگاہ میری نظر دو مرد اور دو عورتوں پر پڑی جو ہمارے قریب کھڑے تھے اور بیٹھنے کی جگہ کی جستجو میں تھے۔ چونکہ باغ کے درمیان اور اطراف کی تمام میزیں گھری ہوئی تھیں ایک نے اُن میں سے بڑی انکساری سے سر سے ٹوپی اتار کر اور اپنی تہذیب کے موافق لازمۂ تواضع اور رسم سلام بجا لا کے کہا۔ جناب چونکہ میزوں کے گرد جگہ نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی آپ کی میز کے اُس طرف جو خالی ہے کچھ دیر بیٹھ کر آرام کرلیں۔ آپ ہم کو مرہون منت فرمائیں گے۔ میں نے بھی بڑی کشادہ پیشانی سے جواب دیا۔ بڑے شکریہ کے ساتھ آپ کے قبول کرنے کو حاضر ہیں۔ شکریہ کے بعد اس نے اپنے رفیقوں کو آنے کا اشارہ کیا۔ آکر بیٹھ گئے۔ خدمتگار کو آواز دے کر جو اُن کا جی چاہتا تھا منگایا۔ پندرہ منٹ کے بعد ایک نے اُن میں سے مجھ کو خطاب کرکے کہا۔ جناب آقا اگر اجازت دیں تو آپ سے کچھ بات چیت کروں۔ میں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو اپنی گفتگو کے لائق سمجھتے ہیں تو میری کیسی خوش نصیبی۔ اس جواب سے خوش ہو کر وہاں کی تہذیب کے موافق شکریہ کے لیے اُٹھا اور ہاتھ ملا کر کہا۔ وضع لباس اور خصوصاً ٹوپی سے جو آپ اوڑھے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جناب ایران کے باشندے ہیں مگر یہ فرمائیے کہ کیا آپ رکاب ہمایون شہنشاہی کے ملتزمین سے ہیں یا نہیں۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تجارت کی غرض سے تشریف لائے ہیں؟

میں نے کہا نہیں بلکہ روس سے چندروزہ سیاحت کے ارادہ سے آیا ہوں۔ سوال کیا کونسی زبانیں جانتے ہو؟ میں نے کہا۔ کچھ فرانسیسی اور جرمنی اور کچھ روسی جانتا ہوں۔ چند کلمے جرمنی میں پوچھے سمجھا میں اچھی نہیں جانتا ہوں۔ چاہا کہ روسی میں بات کرے میں نے دیکھا کہ رُوسی وہ اچھی طرح نہیں جانتا۔ بیان کیا میں آپ سے فارسی میں باتیں کرنی چاہتا ہوں مگر ڈرتا ہوں آپ مجھ پر ہنسیں گے میں نے کہا کہ مجھ کو اس قدر بے ادب تصور نہ کیجئے۔ اس جواب سے اظہار ممنونیت کیا اور شکریہ ادا کرکے اپنے رفیقوں سے متوجہ ہو کر کہا میں اپنی تقصیر کی معافی مانگتا ہوں اس لیے کہ اب کچھ دیر کے لئے آپ کی

(۱۷) جب کہ شراب تمھاری یار اور جوا تمھارا شغل ہوگیا تو تمھارے چھوٹے بڑے بیدرد اور بے شرم ہوگئے۔
(۱۸) تمھارے ملک میں اہل شرق و غرب سیر کو آتے تھے اب تمھارا بادشاہ ممالک غیر میں سیر کرتا ہے۔
(۱۹) جو لطف بادشاہ نے استاند و مریم آباد میں دیکھا وہ لطف کیا تمہارے پہاڑوں میں نہ تھا۔
(۲۰) پیرس کے لوگ تو ایران کی حسرت میں جان بلب ہیں پیرس کس طرح تمہارے دل پر ستار کو لے گیا۔
(۲۱) ایران کے لوگ باغ فرنگی کے لئے حسرت زدہ ہیں مگر تمہارے لالہ زار کیلئے جان فرنگ داغدار ہے۔
(۲۲) میری طرف سے امرائے شاہی کو یہ پیغام پہنچا دو کہ تمہارا گذر طہران سے شیراز کو کیوں نہیں ہوتا۔
(۲۳) پیرس کوئی قطعہ جنت نہیں ہے اور ہو مگر ہرگز اُس سے تمہارا فخر نہیں بڑھ جائے گا۔
(۲۴) اُس کی ہوا سے تمہارے عشق کا شعلہ بھڑک رہا ہے مگر ایران کی خاک سے تمہارے رخسار نے رونق پائی ہے۔
(۲۵) چونکہ پارس کا روپیہ پاریس پر صرف کرتے ہو اس لئے خدا تم کو روز جزا شرمندہ کرے گا۔
(۲۶) تمہاری فضول خرچیوں سے یورپ تو آباد ہوگیا مگر تمہارے قلعے برج اور حصار ویران پڑے ہیں۔
(۲۷) منیر کی نظم عمان حکمت کا موتی ہے یہ خدا کرے تمہارے گوش ہوش میں گوشوارہ ہو۔

حاجی تبریزی نے بڑی افسردگی سے کہا۔ ان اشعار نے تم کو رنجیدہ کر دیا اب اس نمبر کے مضامین کو سنو ایک قصہ سننے کے لائق ہے۔ ایک ایرانی اور ایک فرنگی کی برلن میں گفتگو کا حال لکھا ہے۔ تمام درد یہاں موجود ہیں ؎ بشنو از نے چوں حکایت مے کند

ایک ایرانی کی برلن میں ایک فرنگی سے گفتگو

جن لوگوں نے فرنگستان کے پبلک پارکوں کو موسم بہار اور گرمی میں دیکھا ہے وہ رات کی رونق اور کیفیت سے بخوبی واقف ہیں کہ بجلی کے لیمپوں کی روشنی اُن کے میدانوں کو کیا منور اور رشک باغ جنت بنا دیتی ہے۔ اُن کے لئے تعریف و توصیف کرنی بیجا ہے اور ایسے ہی مشرق کے اُن چند لوگوں کے لئے جنہوں نے یہ محیر العقول حالت نہیں دیکھی اُس کی تعریف بے حاصل ہے اس لئے کہ اُن کے حوصلہ کی گنجایش اور ذہنوں کے قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔ انکار کر دینا تو آسان ہے مگر وہ تو مبالغہ اور جھوٹ پر حمل کر کے اس مصرع سے مدمقابل کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں کہ ؎ جہاندیدہ بسیار گوید دروغ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تعریف و توصیف سے صرف نظر کر کے اظہار مطلب شروع کرنا چاہیے۔

مئی ۱۹۰۲ء میں ایک رات میں اپنے ایک ایرانی دوست کے ساتھ جو اہل وطن تھا ٹہلنے کے ارادہ سے مکان سے باہر نکلا۔ ٹہلتے ہوئے ایک باغ میں داخل ہوئے تھوڑی سی سیر کے بعد آرام کی غرض سے ایک خیمہ میں بیٹھ گئے اور تکان دور کرنے کے لئے چاء مانگی۔ چاء پینے میں بھی مشغول تھے اور نیز یورپیوں کی آسایش و خوش بختی اور عمدہ زندگانی کی وضع کو دیدۂ حیرت و رشک سے دیکھ رہے تھے کہ اُس شب تارنے

(۲۱) وہ زار زار روتی ہے کہ وہ اسفندیار بہادر کہاں گیا۔ جہالت کے لشکر نے ارجاسپ کی طرح مجھ پر حملہ کیا ہے۔
(۲۲) اشکبوس وس کے اسکناس سے (نوٹ) طوس نے بادحرص سے نیشاپور اور دریائے طرزن میں آگ لگا دی۔
(۲۳) اے رستم تھوڑی دیر کے لئے خاک سیاہ سے اُٹھ اور جوشن مردی پہن اور توسن ہمت دوڑا۔
(۲۴) سفید دیو بڑا بولنے والا اور جادوگر ہے۔ آخر ہاتھ کھول جادو والے جسم کی کھال اُتار ڈال۔
(۲۵) اس نازنین کے نالے حضرت شہ میں قبول ہو گئے جب سے کہ مظفر شاہ عادل شہنشاہ زماں ہوئے ہیں۔
(۲۶) جب سے تخت جمشید نے اس مبارک بادشاہ سے شرف پایا ہے متاع جہل چلی گئی اور علم و فن رائج ہو گئے۔
(۲۷) تیری صورت خورشید کے مانند ہے اور شیر ژیاں کا دل رکھتا ہے گویا اپنی کلاہ سے پروین پر نقش بنا دیتا ہے۔
(۲۸) بادشاہ مثل مضبوط درخت کے ہے اور ایران اُس کا پھل ہے۔ بادشاہ مثل رُوح مقدس کے ہے اور ایران مثل تن کے ہے۔

ایضاً قصیدہ وطنیہ

(۱) دشمن نے تمہارے ملک کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اے قوم تجھ کو کیوں جو برابر بھی شرم نہیں آتی؟
(۲) اپنے شریف اور عالی تبار اسلاف کی ہمت کو یاد کرو جو خاک میں سوتے ہوئے ہیں۔
(۳) جب اُن کے زمانہ میں دور چرخ موافق تھا تو تمہارا سوار تمام دُنیا میں چکر لگاتا تھا۔
(۴) تمہارے رستم و اسفندیار کی سپہ سالاری کہن سال زمانہ کیسے بھلا سکتا ہے۔
(۵) وہ بارھویں صدی قبل مسیح کو کب بھول سکتا ہے جب کہ تمہارے غیرت شعار بہمن نے لڑائی کی تھی
(۶) وہ سال و ماہ والا آسمان ابھی تک تمہاری دشمنوں کو شکار کرنے والی شمشیر ہائے بُراں کو یاد کرتا ہے۔
(۷) جب سے کہ عالم قدس کے آفتاب نے جلوہ کیا اُس کی سطوت سے اگرچہ تم منکر ہو گئے۔
(۸) مگر دین مبین محمدی کے قبول کرنے کے بعد خدا نے تمہارا اعتبار بڑھا دیا۔
(۹) دیلمی بادشاہوں کے کارناموں سے پھر تمہارا جامۂ عزت و شار تازہ ہو گیا۔
(۱۰) اُس قدرت روزگار کی ودیعت یعنی نادر شاہ نے دُنیا میں تجھ کو مفتخر کر دیا۔
(۱۱) اُس نے بہادری سے قدم جمایا اور کچل ڈالا۔ ہند و روم و تاتار نے اُس سے شکست کھائی۔
(۱۲) اُس کی فوج میں سوائے تمہارے اسلاف کے کوئی نہ تھا۔ آسمان تمہاری اُن لڑائیوں سے چکر میں آ گیا تھا۔
(۱۳) اُس کے دربار میں سوائے تمہارے اجداد کے کون تھا۔ زمانہ تمہارے بزرگ جد سے حیران ہو گیا تھا۔
(۱۴) اے ناخلف نتیجو انصاف سے مت گذرو۔ تمہارا شرف و اقتدار کیوں برباد ہو گیا؟
(۱۵) آسمان نے تمہارے آستان سے عزت اُٹھالی۔ اب آسمان نے تم کو کیوں ذلیل کر دیا ہے؟
(۱۶) تم بوسیدہ مغزوں نے بس صراحی منہ سے لگا دی ہے۔ شراب تمہاری دوست ہے اور جُوا تمہارا شغل ہے۔

(۲) مکڑی اپنے آشیانہ کی حفاظت کے لئے بالا تنتی۔ اے حفظ وطن سے غافل تو مکڑی سے کم نہیں ہے۔
(۳) نبیؐ نے حب وطن کو ایمان معنی ایمان بتایا ہے۔ بے شک و شبہ ایمان کے معنی حب وطن ہیں۔
(۴) شیخ (فضل اللہ نوری) نے اگر وطن کا نام نہ پہچانا اُس کو معذور سمجھ۔ آ مجھ سے سُن لے
یہ وطن ہے جس کا نام ایران ہے۔
(۵) یہ ایران ایشیا کے جسم میں مثل رُوح کے ہے۔ ایشیا مثل صدف کے ہے اور ایران مثل دُرِ عدن کے ہے۔
(۶) اے عاقل یہ وہی ایران ہے کہ دور سلف میں جس کی محبت میں لیتین کا بیٹا خاک میں سو گیا تھا۔
(۷) یہ وہی ایران ہے جس کی سطوت سے ایتھنز کے بہادر مثل بید کے کانپتے تھے۔
(۸) دُنیا مثل جنگل کے ہے اور ایشیا اُس کا ہرا بھرا کھیت ہے اور اس وادی میں دیکھ کہ ایران جنبلی کا باغ ہے۔
(۹) اُس کے نونہال سمن خد سرو قد اور سیماب ساق ہیں جن کے خم زلف شکن سے پشت سنبل بھی خم ہو گئی ہے۔
(۱۰) جس نے اپنی سیاہ آنکھوں سے چشمک سے نرگس کی نیند اُڑا دی ہے اور اپنے شیریں لبوں
سے سخن کو آب حیات دیا ہے۔
(۱۱) یہ وہی ایران ہے کہ جس کے آستانہ پر ہر سلطان جو زمانہ کے ظلم سے غمگین ہوتا تھا داد
خواہی کے لئے آتا تھا۔
(۱۲) یہ وہی ایران ہے کہ جس کی مدد کے لئے اس کے صلح جو لشکر قہار کے سردار نے یمن پر حملہ کیا تھا۔
(۱۳) یہ وہی ایران ہے کہ جس میں وہ نعمت جو خدائے صاحب احسان نے جنت میں دینے کا وعدہ کیا ہے موجود ہے۔
(۱۴) اُس کے جنگل مثل جنت کے ہیں اُس کی مخلوق مثل حور کے ہے اُس کے چشمے مثل کوثر اور
اُس کی نہریں نہر لبن ہیں۔
(۱۵) یہ مبارک ملک ایران برسوں تک کیانیوں کے پاس تھا اب یہ یا فقیروں یا مرغیوں کے پاس ہے۔
(۱۶) ہم کون ہیں؟ ایک جماعت جاہلوں اور رذیل نادان عقلوں کی نہ کسی میں مروت ہے نہ دو شخصوں میں محبت ہے
(۱۷) حق نعمت نہ پہچاننے والے اور ناشکر گذار لوگ جن کے دماغ بے مغز اور دل بے علم ہیں۔ گویا
شیطان کے مانند ہیں۔
(۱۸) سر عقل سے خالی اور جسم جیسے بوری میں بھُس بھر دیا ہو۔ فکر فتنوں میں لگی رہتی ہے اور خیال
ذہانت سے عاجز ہے۔
(۱۹) ہوش کے کان کھول اور سُن کہ یہ مُبارک چشم ایران دخت قلب حزیں کے ساتھ کیوں
زار زار رو رہی ہے۔
(۲۰) اُس کے درد خیز نالے میرے دل کو جلائے دیتے ہیں۔ مرد کا دل کیوں نہ جل جائے
جب عورت زار زار روتی ہو۔

ہے تو جماعت کے ہمرنگ ہو جا۔

ان بیدردوں کو اپنی فکر آپ کرنے دے اور اپنا رنج آپ کریں۔ مثل مشہور ہے۔ ایک دن کاشتکار آیا کہ اپنے بیل کو جوتنے کے لئے لے جائے۔ بیل سو رہا تھا۔ ہر چند مارا نہ اُٹھا بالآخر تنگ آ کر ہاتھ سے لکڑی پھینک دی اور کہا سو تا رہ تیرا مالک مرے کل جب سردی کا موسم آئے گا اور گاہک آیا تو دیکھوں گا کہ مجھ کو بیچے گا یا تجھ کو۔ اس وقت یہ مثل ان کے حق میں صادق آتی ہے اگر خدانخواستہ کوئی بلا ایران پر نازل ہوئی تو پہلے امرا اور وزرا کے گھر میں نازل ہوگی اس لئے کہ ان کی عمارتیں بڑی اور قابل سکونت ہیں مگر ایک تاجر کی تجارت اور دہقان کی زراعت ہاتھ سے نہ جائے گی بلکہ تقویت پائے گی جیسا کہ مصر اور ہندوستان اور تمام ممالک مفتوحہ میں دیکھا جاتا ہے پیشہ ور اپنے پیشہ میں باقی رہیں گے اور اُس میں سے کچھ نہ گھٹیگا مگر کسی وزیر کو وزارت پر نہ چھوڑیں گے اور کسی اُمیر کا حکم جاری نہ ہو سکے گا بلکہ برعکس خوار و ذلیل اور بے عزت ہو جائیں گے۔ اُن کے حکم کا اثر پامال ہو جائیگا۔

ابراہیم بیگ نے کہا کہ میری زبانی اس کو لکھ دو کہ بات وُہی ہے جو سامنے کہی تھی دوبارہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

(۱) پاک لوگوں کا اندازہ اپنی حالت سے مت کر اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے۔

(۲) وہ تو جنگل کا شیر ہوتا ہے اور یہ پیالہ کا دُودھ ہوتا ہے۔

(۳) بہت سے شیطان انسان کی شکل میں ہیں پس ہر شخص کے ہاتھ پر بیعت نہ کر لینی چاہیئے۔

یہ اشعار میں نے کسی موقع پر رضا خاں کو سُنائے تھے مجھ سے خفا ہو گیا تھا اور اب جستہ جستہ لکھتا ہے حقیقی اور مجازی امور سے اُس کی ناواقفیت کی یہی دلیل کافی ہے کہ ترک اور تر کی بولنے والوں میں فرق نہیں کر سکتا ہے۔ ایرانی نثراور اگر تاریخی حیثیت سے ترکی زبان بولتے ہوں مگر اس کو ترک نہیں کہہ سکتے۔ لکھ دو کہ تمہارا خط فلاں نے سُنایا اُس نے ایسا جواب دیا۔

الغرض میں نے دو ماہ پیشتر اخبار حبل المتین کے جاری کرانے کے لئے کلکتہ کو روپیہ بھیجے تھے اخبار کی آمد کا پہلا دن تھا کہ دو نمبر ایک دفعہ پہنچے۔ ابراہیم بیگ کے پاس لے گیا۔ کہا کہ اگر بدیع کا قصیدہ وطنیہ ہو تو پڑھو میں سنوں۔ میں نے کہا کہ وطنیہ تو ہے مگر بدیع کا نہیں ہے منیر کا ہے۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ میں اس ادیب کا نام سُن رہا ہوں گو یا مانہ ندرانی ہے اور محترم تاجروں میں سے ہے اور اس کا نام نامی آقا محمد اسماعیل عطاء اللہ زادہ ہے۔

قصیدۂ وطنیہ از کلام منیر آقا محمد اسمٰعیل

(۱) اگر مکڑی آشیانہ رکھتی ہے تو انسان وطن رکھتا ہے۔ تو بھی مکڑی کی طرح وطن کے گرد جالا تن دے۔

گھر میں صبح کے وقت جب وہ اُٹھتے ہیں تو اُن کے حواس پورے طور سے اس بات میں مصروف ہوتے ہیں کہ دیکھیں آج کی آمدنی کہاں سے ہوگی اور کس کو تہمت لگا کر اور نام رکھ کر ننگا کریں گے۔ گھر میں تو کس قدر آمدنی کے شوقین اور عاشق تھے۔ برخلاف اس کے باہر سوائے اس کے مالیخولیا نہیں رکھتے کہ آج پیسہ کو کس فضول خرچی میں صرف کریں اور کس کو دیں اور کس طرح خرچ کریں ایک فاحشہ کے سلام علیک کے حق میں جس کا نرخ دس فرانک ہے انہوں نے بیس پونڈ دے دئے۔ آپس میں تفاخر و تشخص ظاہر کرتے ہیں کہ گویا نادیدہ شکار ہاتھ آگیا اور قلعہ شیشہ فتح کر لیا۔

پیرس کے مکار لوگ ان سب کو "ہز ایکسیلنسی دی پرنس" کہتے ہیں اور اُن کی نقدی کو لے لیتے ہیں۔ جو کچھ دو کانوں سے خریدتے ہیں ایک دوسرے کے خلاف زیادہ قیمت پر خریدتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے اور افسوس کرتا ہے اس لئے کہ طہران میں سستی خریدی جا سکتی ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ کرایہ اور چُنگی نہ دینی پڑے گی ہر کاٹھ کباڑ کو جواز کار اُفتادہ اور پسماندہ ان کے سامنے آتا ہے بے ملاحظہ خرید لیتے ہیں۔ اور ہر روز ایک اُن میں سے مجھے بلور فروش کی دوکان میں لے جاتا تھا۔ تمہاری جان کی قسم چار ہزار پونڈ کا مال خریدا کہ اُن میں نہ ایک لٹکانے کا لمپ اور جھاڑ تھا اور نہ لمپ اور نہ ایک جوڑی۔ تمام میز کے اوپر کا سامان اور اسباب مشروبات صراحی اور گلاس وغیرہ وغیرہ ہے۔

میں نے ہر چند فارسی میں کہا۔ جناب ... سلطنہ یہ گراں ہیں۔ میری بات کی پروا نہ کی اس لئے کہ بیچنے والی ایک نہایت حسین مس۔ شیوہ باز۔ خوش صورت اور نیک اطوار تھی اور برابر فرانسیسیوں کے مخصوص طریقہ کے مانند مسکراتی ہوئی مال دکھاتی جاتی تھی اور تکتی جاتی تھی۔ دو گھنٹہ تک ہماری خوب عزت کی۔ سوڈا واٹر اور سیگار لائی یہاں تک کہ خریداری ختم ہوئی۔ حساب کو جوڑا تو کیا ہی ہزار فرانک ہوتے۔ کچھ روپیہ دیا۔ حکم دیا کہ باندھ دیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تمام روپیہ کہاں سے حاصل کیا ہے جو ریگ بیابان کی طرح خرچ کرتے ہیں۔ سلطنت کی اس آمدنی اور اس قسم کے اخراجات سے میں حیرت میں ہوں کہ کیا انجام ہوگا۔ ۔۔ اس شخص کی حالت پر رونا چاہئے۔ جس کی آمدنی انیس ہو اور خرچ بیس ہو۔

ان باتوں کے لکھنے سے غرض اور مقصد یہ ہے کہ ابراہیم بیگ ترک سے کہہ دو کہ اُس تمام جھگڑے اور فتنے کے مقابلہ میں جو میرے ساتھ اردیانتال کے ہوٹل میں کیا اور وہ سخت باتیں میرے بارہ میں کہیں جن کی مجھے اُس سے ہرگز امید نہ تھی تکلیف کر کے پیرس آئے اور اس کے مصارف میں دُوں گا خود اپنی آنکھ سے دیکھ لے اور پھر مجھ کو محبان وطن سے خارج نہ سمجھے اور مذمت نہ کرے کہہ دو کہ اے ترک غم نہ کر جب دیکھے کہ گڑ بڑ ہے تو تو زیادہ گڑ بڑ ہو جا۔ اگر رسوا نہیں ہونا چاہتا

دیکھا کہ مشتبہ ہے۔ محض کچھ فضولیات اور لاطائلات یاد کر کے اپنے آپ کو دانشمند اور عالم سمجھتا ہے۔ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ہم میں کدورت اور شکر رنجی ہو گئی تھی۔ میں نے غصہ ہو کر اُس سے علیحدگی اختیار کی۔ حاجی نے کہا۔ اس نے بھی اسی وجہ سے تم کو سلام پہنچایا ہے اور خط کے مضمون کو تم سے خطاب کیا ہے۔ سنو میں پڑھتا ہوں۔ دیکھو کیا لکھا ہے؟

مضمون خط رضا خاں از پیرس۔

کاش آپ کا دوست ابراہیم بیگ یہاں موجود ہوتا اور بچشم خود ان جانوروں کی نامناسبانہ حرکات اور ناپسندانہ افعال اور بدتمیزیوں اور بے شرمیوں کو دیکھتا۔ شاید اُس خشک اور بے جا تعصب سے خلاص ہو جاتا۔ میں نے مکرر اُس سے کہا کہ ایران ان آدمیوں سے اصلاح پانے والا نہیں بے وجہ اپنے آپ کو رنجیدہ مت کر اور خیال کو آسودہ رکھ۔ مجھ سے رنجیدہ اور غصہ ہو گیا اور علیحدگی اختیار کر لی۔ اُس نان و نمک کی قسم جو ساتھ کھایا ہے کہ اس گروہ میں جو سب کے سب اولیائے سلطنت شمار کئے جاتے ہیں میں نے ایک کو بھی نہ دیکھا کہ ابراہیم بیگ کے خیالات کی پیروی کرے بلکہ اُن کے خیال میں بھی نہیں آتا ایک شخص بھی پیدا نہیں ہوتا جو فرنگستان کے توپخانہ پولس لائن کی گفتگو درمیان میں لائے اور اُن کے مختلف علوم و فنون کا ذکر کرے اور ترقی کی آرزو دل میں رکھتا ہو اور نہیں جانتے ہیں کہ انہوں نے طریق تمدن کہاں سے حاصل کیا ہے اور یہ بے انتہا ترقی کس طرح کی ہے۔

ان کا کام نمایش میں صرف سیر و تفریح کرنا ہے اور بس۔ اس خیال میں نہیں ہیں کہ کچھ سمجھیں اور جا کر ان کے کارخانوں اور مشینوں کو دیکھ کر سیکھ لیں۔ اُن کی نظر قیمتی اشیا پر لگی ہوئی ہے کہ ڈھونڈ کر خرید لیں۔ قوم اور ملک کے روپیہ کو اس جگہ بیہودہ صرف کرتے ہیں۔

دو تین آدمی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اُن کی گفتگو سوائے اس کے نہیں ہوتی کہ میں کل فلاں مس کو لے گیا مگر وہ پدر سوختہ کیسی خوبصورت تھی اور فلاں فلاں چیز کیسی تھی۔

اطالوی فرانسیسی اور تمام غیر زبانوں کو اس لئے حاصل نہیں کیا کہ پالٹکس سے واقفیت حاصل کریں یا کتب فن اور قانون مدنیت کو پڑھ کر ترجمہ کریں تاکہ تمام قوم اُن سے استفادہ حاصل کرے بلکہ اُن کی زبان دانی مسوں کی مصاحبت اور لیڈیوں سے عشقبازی کے لئے ہے "کہ آپ کیسی خوبصورت ہیں"، کہیں۔ یہ تو کم سے کم اندھا بھی یاد کر لیتا ہے۔

مسیں اس کے جواب میں خواہ اُن سے کیسی ہی توقع اور خواہش کریں سوا ے "اگر آپ کی پسند ہو" کچھ نہیں کہتیں۔

میں نے اُن کی بدتمیزیاں اور بے شرمیاں اُن کے گھر میں دیکھی تھیں اور باہر کی حالت اندر کے علاوہ ہے۔ جو کچھ اوپر ہے اُس کے نیچے بھی ایک ایسا ہی عالم ہے۔

ابراہیم بیگ نے سر ہلایا۔ خدا حافظ کہہ کر باہر آیا۔ محبوبہ دروازہ کے پیچھے منتظر کھڑی ہے۔
کہا۔ یوسف عمو۔ میں ڈر رہی تھی کہیں یہ نہ کہہ دو کہ ضروری نہیں۔ خدا عمر دراز کرے۔ ممنون ہوئی۔
مگر کاغذ تم چھپا کر لانا۔ میں خود انتخاب کر لوں گی کہ پردوں کے رنگ سے میل کھاتے ہوں۔ میں نے کہا ڈر
نہیں۔ پردوں کو بھی بدل دوں گا تاکہ سب نئے اور مطابق رہیں۔ بہت خوش ہوئی اور چلی گئی۔
آج میں بازار گیا۔ تار آیا تھا کہ پیرس میں انارکسٹوں میں سے ایک شخص نے بادشاہ پر
گولی چلائی مگر خالی گئی کیونکہ گاڑی میں صدر اعظم اور وزیر دربار بھی سوار تھے۔ وزیر دربار نے اُس خطاکار
کا بازو پکڑ کے طمنچہ ہاتھ سے چھین لیا وزیر دربار کی جسارت اور جوانمردی کی بڑی تعریف کی ہے اور حضرت
شاہنشاہ کے وقار و متانت اور تمکین میں بالکل خلل نہ آیا اور سیر کو موقوف نہ کیا۔ اہل ایشیا کی شجاعت و دلیری
یورپ والوں کی نظر میں ظاہر ہو گئی۔ اہالی چاروں طرف سے "ہورا ہورا" زندہ باد شہنشاہ ایران
کی آواز بلند کر رہے تھے۔ شکر کرتے ہیں کہ حضرت شہریار کے وزیر دربار نے بڑی دلاوری کر کے
فرانس کی قوم کو تواریخ میں مہمان کش لکھنے سے بچا لیا۔ یہ خبر مسرت اثر سُن کر میں لوٹا ابراہیم بیگ
کو خداوند حافظ کی حفاظت کی خوشخبری جس نے حضرت ظل الٰہی کے وجود مسعود کو دشمنوں کے مکر
سے محفوظ رکھا اور وزیر دربار کی غیرت و شجاعت جس نے خالق بیچون کی عنایت سے دشمن کو
گرفتار کر کے ایران اور ایرانیوں کو یتیمی سے بچا لیا اور بادشاہ اور بادشاہ پرستوں کے ذمہ
بڑا احسان رکھا پہنچائی۔
ابراہیم بیگ نے یہ خبر بہجت اثر سُن کر سجدہ شکر ادا کیا۔ فوراً یاقوت کی انگوٹھی جو پہن رہا تھا
اُتار کر مجھ کو انعام میں دی اور کہا حقیقتاً میری جان ایسے بادشاہ باجسارت اور وزیر باحمیت پر
قربان ہو کہ اس ہنگامہ میں کس قدر جسارت اور شجاعت کی ضرورت ہے کہ انسان حواس گم نہ کر دے
اور متانت میں ذرا فرق نہ آئے واقعاً ایشیا والوں کی شجاعت موروثی ہے۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ہم منتظر ہیں کہ اخبارات تفصیل لکھیں۔ دو ہفتہ بعد مہدی بیگ اور حاجی محسن آقا حاجی
تبریزی کے ساتھ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ حاجی آقائے تبریزی نے کہا۔ ابراہیم بیگ۔
تمہارے دوست کا خط ہے۔ بادشاہ کے اس انارکسٹ کے گولی مارنے کی تفصیل لکھی مگر لفافہ
خط آپ کی طرف خطاب ہے۔
میں نے کہا اُن کا رفیق کون ہے؟ کہا۔ رضا خاں مازندرانی جو مدت ہوئی یورپ چلا گیا ہے اور
نمائش کی غرض سے پیرس میں ہے۔ ابراہیم بیگ نے کہا۔ حاجی صاحب آپ کو ناگوار نہ ہو رضا خاں
اچھا اور متین آدمی نہیں ہے۔ میں تو اس کو یہاں پختہ کار آدمی سمجھتا تھا اُس کے ساتھ سفر کیا تو

(۲۰) ستودہ خسرو عادل مظفر الدین شاہ جس کا وجود وطن کی فخر و شان کا سبب ہے۔
(۲۱) وہ بلند مرتبہ بادشاہ دُنیا میں رہے کیونکہ خدا نے اُس کے ہاتھ میں وطن کا اختیار دیا ہے۔
ابراہیم بیگ نے کہا۔ کہو آمین۔ سب نے آمین کہی۔
(۲۲) حسن نے حدیث وطن بوجہ احسن کہی ہے۔ کہاں ہے وہ جو وطن کا معین و مددگار رہو۔
(۲۳) بدیع کے شعر اس وجہ سے نغز و بدیع ہیں کہ وہ اشعار آب دار وطن کا نمونہ ہیں۔
سب نے رومال نکال کر آنکھوں سے آنسو پونچھے اور بدیع کے ثنا خواں اور دُعا گو ہو گئے۔ ابراہیم بیگ نے کہا۔ اے وادبیدا ایسے اخبار کو جو ایسی نصیحتوں کا حامل ہے روکتے ہیں کہ وطن میں نہ آئے اور اہل وطن اس کا کلام شیریں نہ سنیں وطن کے لئے نالہ و زاری نہ کریں اور ظالم پر نہ چلائیں۔ یہ کیسی بدبختی ہے جو ہماری دامنگیر ہو گئی ہے۔
قوم کے ہر طبقہ کو اخبار پڑھنا ضروری ہے۔ کس قدر لذت و مادی و روحانی فوائد بخشتا ہے۔ صاحب اغراض فاسدہ محض اپنے ناشائستہ اعمال کی قباحتوں کو چھپانے کی غرض سے ملت محترمہ کو ایسے مقدس اخبار کے پڑھنے سے محروم اور بے بہرہ رکھتے ہیں حالانکہ حبشی اور زنجباری آج صحرائے افریقہ میں اخبار اور علم کے مالک ہو گئے ہیں۔ سب آناً فاناً میں بداعمالی اور بدکرداری سے باخبر ہوتے جاتے ہیں کہ دُنیا میں مدنی الطبع ہونا چاہیئے اور حقیقی انسانیت سیکھنی چاہیئے۔
گذشتہ زمانہ میں علوم و فنون ایران سے تمام دُنیا میں منتشر اور ساری ہوئے اب افسوس کے ساتھ انسانیت کے زیور سے عاری اور زیور تہذیب سے خالی اور رُوئے زمین کے باشندوں کے حالات سے بیخبر رہ گئے ہیں۔ تہذیب کے لباس کو حاضر و حاصل کرنے کو دولت خواہی کے منافی ظاہر کر کے سلطنت کو بہکاتے ہیں۔ ہم ہزار غم و الم کے ساتھ ماتم دار او رمصیبت زدہ گویا" وہ بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ہیں" ہماری شان میں نازل ہوا ہے اور ہم میں سے کسی کی آواز نہیں نکلتی۔
الغرض انہی گفتگوؤں پر مجلس برخواست ہو گئی۔ ہر ایک اپنے مقام کو لوٹ گیا۔ رات کے بعد حاجی مسعود آئے اور کہا حاجیہ خانم تم کو بُلاتی ہیں۔ میں گیا۔ ماں بیٹے بیٹھے تھے۔ میں نے سلام کیا حاجیہ خانم نے کہا میرزا یوسف ہمارا ابراہیم سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ یہ قرار پایا ہے کہ جو تم کہو وہ قبول کر لیں۔ میں نے کہا کیا بات ہے۔ کہا میں کہتی ہوں کہ اوپر کے کمروں کو تعمیر کر کے رنگ پھروا دیں اور کاغذ بدل ڈالیں۔ ابراہیم راضی نہیں ہوتا ہے کہتا ہے کہ ضرورت نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ سب چیزیں نئی ہونی چاہیئے کیونکہ بڑی آرزو ہے۔ تمہاری کیا صلاح ہے؟ میں نے کہا بے شک چار کمروں کی تعمیر میں تیس پونڈ سے زیادہ خرچ نہیں ہے۔ جب اس قدر خرچ کیا ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ کمرہ کے کاغذ بھی بدل دیں۔ میں سرکار عالیہ کی تصدیق کرتا ہوں البتہ بیگ بھی راضی ہو جائینگے

نہیں ہے۔ بارک اللہ۔ میں نے کہا۔ سرکار بیگ۔ اُس گفتگو کو جو قرز دین میں تم سے اور شمس الشعراء سے ہوئی بدیع نے رشتہ نظم میں پرو دیا ہے۔ حاجی محسن آقا نے کہا۔ صبر کرو۔ دوسرے نمبر میں بھی ایک قصیدہ ہے۔

قصیدۂ وطنیہ از کلام بدیع

(۱) وطن کی حالت نگار کو کیوں نہیں دیکھتا ہے۔ کیا تو وطن کے نالہائے زار نہیں سنتا ہے۔
(۲) ہموطنوں کی جہالت سے وطن کا دن رات بن گیا ہے۔ پیدائشی وطن کی بہار خزاں ہوگئی ہے۔
(۳) مزاج وطن علیل ہوگیا ہے۔ طبیب کہاں ہے جو مہربانی سے وطن کا علاج کرے۔
(۴) اہل وطن کیوں فکر میں نہیں ہیں؟ اس لئے کہ وطن کی حالت نگار بہت ڈراؤنی ہے۔
(۵) وطن کے حال سے اس سے زیادہ غافل مت ہو کیونکہ غفلت سے وطن کی حالت پریشان ہوگئی ہے۔

اس جگہ سب پر رقت طاری ہوگئی۔ ابراہیم بیگ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہائے ہائے کرکے رو رہا تھا اور حاجی محسن آقا نے کہا کہ ابھی رونے کا وقت نہیں ہے۔ آخر تک سنو۔

(۶) وطن کے ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وطن کے جوبار میں آب رفتہ آجائے۔
(۷) وطن جان کی طرح پیارا ہے اُس کو ذلیل نہ ہونے دے کیونکہ وطن کی شام تاریک صبح غریبانہ جیسی ہے۔

ابراہیم بیگ نے کہا ہاں ہاں بے شک۔

(۸) پریشانی سے وطن قابل ترحم ہوگیا ہے۔ تو وطن کی پریشانی پر کیوں رحم نہیں کھاتا ہے۔
(۹) اگر وطن کے گلستان سے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے تو غمگین مت ہو کیونکہ وطن کا کانٹا پھول سے بہتر ہے۔
(۱۰) نبی نے کہا ہے کہ حب وطن ایمان کا جزو ہے۔ تو کیوں وطن کا دوست نہیں بنتا ہے۔
(۱۱) اُن مردان باغیرت کی ہمت پر فدا ہوں جو نگار وطن پر دل و جان سے فدا ہوگئے ہیں۔
(۱۲) وہ لوگ نہیں مرے ہیں جنہوں نے غیرت و مردانگی سے وطن پر جانیں نثار کردی ہیں۔

ابراہیم بیگ نے کہا۔ اگر نہیں مرے ہیں تو کہاں ہیں؟

(۱۳) اس زمانہ میں وہ شخص صاحب نظر ہے جس نے سرمہ کی بجائے اپنی آنکھوں میں وطن کا غبار لگایا ہے۔
(۱۴) قرار وطن کا دامن کشتی بے ناخدا و بے لنگر کی طرح ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔
(۱۵) دو طرف سے زبردست دشمنوں نے حملہ کیا ہے۔ ایک نے دائیں طرف سے دوسرے نے بائیں طرف سے۔
(۱۶) علم کا مضبوط حصار باندھئے تاکہ حصار وطن اجانب کی دستبرد سے اچھی طرح محفوظ رہے۔
(۱۷) چونکہ وطن کے نقود کو فرنگی لے گئے اعتبار وطن کے ارکان میں خلل واقع ہوگیا۔
(۱۸) اگر حفظ وطن کی راہ میں تجھے تکلیف ہو تو غم نہ کر کیونکہ وطن کا رنج بے شمار خزانہ سے بہتر ہے۔
(۱۹) وہ شخص کہاں ہے جو دلسوزی سے وطن کا حال شہریار وطن سے بیان کرے۔

(۱۸) وطن سے بہتر کوئی دلبر نہیں ہے۔ وطن کو نیاز مندی سے دل دے۔
(۱۹) وطن کا شاہد شوخ دلفریب خطرہ کے رقیب سے ہمساز ہو گیا ہے۔
(۲۰) ترقیات وطن کے اصول میں ممتاز اور برگزیدہ اشعار کہو۔
(۲۱) کب تک جہالت و غفلت میں اپنے نشیب و فراز کو نہیں پہچانے گا۔
(۲۲) ایران ان تمام دشمنوں کے بیچ میں ایسا ہے جیسے چڑیا بازوں کے گلہ میں۔
(۲۳) اسلام کافروں کے پہلو میں ایسا ہے جیسے سوروں کے غول میں ایک لقمہ۔
(۲۴) ہر سعادت کا سرمایہ خدائے علیم اور لاشریک کی قسم علم ہے۔
(۲۵) کوئی شخص بغیر علم کب ترقی کر سکتا ہے مرغ بغیر بازو کے کس طرح اڑ سکتا ہے۔
(۲۶) علم حاصل کر کیونکہ علم کی سیڑھی تجھ کو تنزل سے ترقی پر لے جائے گی۔
(۲۷) اے بدیع ان باتوں سے لب بند کر لے کیونکہ مردوں سے آواز نہیں آتی ہے۔

ابراہیم نے قصیدہ سننے کے بعد کہا۔ واہ واہ۔ آفرین ہے ایسے شعر اور شاعر پر۔ ہر چیا شاعر نرزبی قلم حقیقت میں اصل شعر و شاعری اور سخن صدق و دیانت یہ ہے۔ بدیع کی بلا ان دروغگو مرتکبان لئیم کی جان کو چمٹ جائے۔ اس مدت میں ایک ہوشیار شاعر پیدا نہیں ہوا جو اس طرز کا قصیدہ لکھے۔ ذرا نہیں شرماتے۔ جو ممدوح لوگوں کے روبرو کھڑا ہے غلام کی مانند کالا ہے اس کو یوسف مصری کہتے ہیں اور اس کی اندھی آنکھوں کو جو ہر شخص دیکھ رہا ہے نرگس شہلا کہتے ہیں۔ مردک کے منہ پر روزانہ اس کی بیوی تھوکتی ہے اور دھولیں مارتی ہے ڈر کے مارے پاخانہ میں بغیر چراغ کے نہیں جا سکتا اس کو شجاعت میں رستم دستاں اور سام نریمان پر برتری دیتے ہیں۔

پست ترین مخلوقات کو فضیلت مدار کہتے ہیں۔ وہ نامرد کا باپ ممدوح شرمندہ و محجوب بھی نہیں ہوتا حالانکہ جانتا ہے کہ جن اوصاف کو اس سے منسوب کرتے ہیں تمام برعکس اور بے اصل ہیں۔ اگر گل و خار لیلیٰ و مجنوں۔ فرہاد و شیریں۔ خسرو پرویز ماہ و آفتاب نہ ہوتے تو میں نہیں جانتا کہ یہ بے شعور شاعر کیا کرتے اور ممدوح کو کس چیز سے تشبیہ دیتے۔

پانسو سال سے زیادہ ہوئے تمام شاعر ایک طرز پر شعر کہتے ہیں۔ انسانیت اور تہذیب کے دشمنوں اور ظالموں کی مدح میں کوشش کر کے ان کو نوشیرواں پر ترجیح دی ہے بلکہ نوشیرواں کو اس کے دربار کے نوکروں میں سے سمجھتے ہیں۔ ایک شعر کا مطلب سمجھنے کے لئے لغت سے رجوع کرنا پڑتا ہے اور اگر قافیہ میں خود بھی لغت سے رجوع کریں تو آخر نصف بیت بیکار رہ جاتا ہے۔ شعر یہ ہے اور شاعر کا فضل و ہنر یہ ہے کہ ایک کلمہ میں افراط و تفریط

خواب غفلت سے بیدار ہونے کے ڈر سے ایران میں آنے سے روکیں۔ اور قوم کو اُس مقدس اخبار کے پڑھنے سے محروم اور بے بہرہ رکھ سکیں۔

شام کے بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حاجی مسعود نے عرض کیا۔ حاجی محسن آقا مہدی بیگ کے ساتھ ہیں۔

ابراہیم بیگ نے کہا اوپر چراغ رکھیں۔ کہہ دو تشریف لائیں۔ ہم اُٹھ کر اوپر گئے۔ حاجی محسن آقا نے کہا جبل المتین آیا ہے اُس میں قصیدہ وطنیہ درج ہے۔ میں نے مہدی بیگ سے کہا چلو ابراہیم کے سامنے قصیدہ پڑھیں اور یوسف عمو گفتگو سے پہلے لکھے۔ بشنو از نے چوں حکایت مے کند۔

قصیدۂ وطنیہ از کلام بدیع

(۱) اے شاعر سخن پرداز تو کب تک دلبران طراز کی تعریف کرتا رہے گا؟

(۲) موہومات سے دفتر بھر دیتا ہے کہ میں شاعر سخن پرداز ہوں۔

(۳) کبھی ممدوح کی مذمت غرض سے کرتا ہے اور کبھی مذموم کی مدح حرص سے کرتا ہے۔

(۴) کبھی معرفت میں شیخیاں مارتا ہے۔ کبھی مجاز و حقیقت میں گفتگو کرتا ہے۔

(۵) یار موہوم کے وصف میں کبھی کلام کو طول دیتا ہے اور کبھی اختصار کرتا ہے۔

(۶) کہتا ہے کہ اے رشک دلبران طراز اور پڑھتا ہے کہ اے قبلہ گاہ اہل نیاز۔

(۷) تیرا طرہ مثال میں طرار ہے اور تیرا غمزہ صفت میں غماز ہے۔

(۸) تیرا چہرہ چاند کی مثل ہے اور تیرا قد سرو ناز سے مشابہ ہے۔

(۹) تیری حسرت میں میرا حلق تلخ ہو گیا۔ تیرے غم میں میرا راز فاش ہو گیا۔

(۱۰) تیرے فراق میں کب تک میں آتش حسرت میں جلتا بھنتا رہوں۔

(۱۱) اگر ان شعروں کو بازار میں لے جائے تو کوئی لہسن اور پیاز کے بدلے میں بھی نہ خریدے گا۔

(۱۲) تو نہیں کہتا ہے کہ یہ کیا بکواس ہے جو تو میدان میں دوڑاتا ہوا لاتا ہے۔

(۱۳) قیس کا رنج اور لیلیٰ کا قصہ۔ محمود کی باتیں اور ایاز کی سرگذشت۔

(۱۴) یہ فسانے ایک دم پرانے ہو گئے کوئی نئی بات شروع کر۔

(۱۵) اس افسون و طلسم کو چھوڑ دے آئندہ اس قسم کے فسانے مت گھڑ۔

(۱۶) اگر تیرے سر میں شاعری کا سودا ہے تو کم سے کم وطن کے متعلق کلام کہو۔

(۱۷) اگر عشقبازی کی ہوس ہے تو وطن ہے تو وطن کے ساتھ قمار عشق کھیلے جا۔

سلسلہ میں ہیں کہ روپیہ کو چند لوگ لوٹ لے گئے اور قوم پر قبضہ باقی رہ گیا۔
الغرض صدر اعظم کے بہت سے دشمن ہو گئے ہیں۔ وہ بھی لوٹنے پر اس جماعت کی جو اُس کے پیچھے بہادر بنے ہوئے ہیں خوب مرمت کرے گا اور ایک ایک کے اعمال و اقوال کی سزا دے گا اور یہ گروہ جو اس وقت جمع ہے اُس کی واپسی پر منتشر ہو جائے گا اور ہر شخص اپنے ساتھی کی کہی ہوئی باتیں صدر اعظم کے سامنے بیان کر دے گا کیونکہ یہ جماعت اہل کوفہ سے بدتر ہے۔ دن میں تین مرتبہ بیعت کرتے اور توڑتے ہیں۔ اُن کا دین و آئین۔ مذہب و ایمان۔ وطن و ناموس۔ غیرت و حمیت پیسہ ہے۔

ہر چیز میں طلب پول خوش تر ہے
پیغام اشرفی سخن رُوح پرور ہے

اُن میں سے کسی کی شان میں آیت صداقت و درستکاری نازل نہیں ہوئی۔ جن لوگوں نے شبہائے دراز میں اپنے چراغ جلا کر صدر اعظم کی غیبت کی تھی اور اُس پر لعنت بھیجتے تھے آج اُس کو سجدہ کر کے زمین ادب چوم رہے ہیں ہمارا عجب عالم ہے اور ہم عجیب قوم ہیں کہ نہ ہمارے قول کو ثبات اور نہ ہمارے فعل میں استقامت۔ ہر نیک و بد پر دوڑتے مگر اُس کے اجرا میں اقدام کا اظہار نہیں کرتے ہیں ۔ میں اُس پر فدا ہوں جس کا دل اور زبان ایک ہے۔ نہ اُس کی طرف نہ اُس کی طرف۔ اس میں مذبذب ہیں۔ دنیا اور آخرت کا نقصان ہے۔
الغرض اوضاع خراب۔ سلطنت سراب۔ نان و آذوقہ کمیاب۔ راہ صواب مسدود۔ اور شیخ و شاب میں ہر قصبہ میں سوائے لوٹ کھسوٹ اور صدائے الجوع الجوع کے کوئی اور بات ظاہر نہیں کرتا ہے آذربائیجان کے بھوکوں کی ایک جماعت ہزاروں پریشانیوں کے ساتھ بے ساز و سامان دربار گردوں مدار میں آ گئی ہے۔ ابھی تو کچھ نہیں ہوا۔ ہر ایک قارون ثانی ہو گیا ہے۔ نمرودی دعوے اور فرعونی نخوت ظاہر کرتے ہیں۔ ہر گھر میں سوائے قرضہ کے تلف ہو جانے کے ذکر کے کوئی اور ذکر نہیں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ سرکار حقیر کو یورپ کے حالات سے مطلع فرمائیں اور جناب یوسف عمو کو سلام مخصوص اقل حسن کرمانی۔
خط کے حاشیہ پر لکھا تھا۔ واقعی حبل المتین بیدار کر رہا ہے اور قوم کے ذمہ اُس کا بڑا حق ہے۔ ابناء وطن کو جگانے اور نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اگر کسی اور قوم میں ہوتا تو اس کا اعتبار انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا۔ قوم اور سلطنت کو واجب ہے کہ اس کو ہر دانش کی قدر جانیں اور اُس کا حق پہچانیں۔ مجھے توقع ہے کہ اگر وہ اپنی حق باتوں کو لکھے جائے تو اس قدر منحصہ نہ لگے کہ یہ قوم اور سلطنت کے خائن اپنی خیانتوں کے ظاہر ہونے اور رعایات کے

کہ دیر میں بیدار ہوئے ہیں۔ ہر چند دیر سے آئے ہیں مگر دروازہ بند نہیں ہوا ہے اور عنقریب گل اُمید کھلے گا اور نسیم رحمت چلے گی۔

صبر کرو۔ کہ صبح دولت طلوع ہونے والی ہے کہ یہ ابھی تک نتیجہ سحر ہے۔

مجھے سولیں میں بعض ضروری کام پیش آئے۔ میں گیا اور اُن کا بندوبست کر کے لوٹ آیا میرے آنے کے ایک دن بعد ڈاک آئی۔ سوائے ایک خط کے طہران کا اور کوئی خط نہ تھا۔ اس کو لے کر میں ابراہیم بیگ کے پاس لایا۔ کہا اس کے سوا کوئی اور خط نہ تھا۔ میں نے جواب دیا نہیں کہا اگرچہ مشہدی حسن کی باتیں سب بے سروپا ہیں اور اُن سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا پھر بھی پڑھو دیکھیں کیا لکھا ہے۔ میں نے لفافہ کھولا اس طرح تھا۔

نقل خط نمبر ۱۵ مشہدی حسن از طہران

فدایت شوم۔ کوئی قابل تحریر بات ظہور میں نہ آئی جس کے سبب تکلیف دی جائے مگر چونکہ ڈاکیہ اس طرف جانے والا تھا دو کلمہ اظہار سلامتی کے لئے عرض کرتا ہوں۔

میں نے پہلے لکھا تھا کہ اعلیحضرت اقدس ہمایوں یورپ کے سفر کا خیال رکھتے ہیں۔ عید الضحٰی کے دو روز بعد موکب ہمایوں نے شوکت خسروانی کے ساتھ فرنگستان کی طرف ارادہ کا علم بلند کیا۔ رکاب ظفر انتساب ہمایونی میں چوبے اور بیل اور خرگوش بہت سے ہیں۔ حالانکہ اکثر ان لوگوں سے جو مشتاق سفر تھے محروم رہ گئے یعنی صدر اعظم نے جن لوگوں کی خیر خواہی میں اُس کو شبہ تھا بعض کو مامور اور بعض کو معزول اور بعض کو رکاب ہمایوں سے دُور کر دیا۔

محروم شدہ لوگوں میں بڑا شور و غل ہے۔ یہ جماعت صدر اعظم کی معزولی میں ہمداستان ہے اور اس کی خیانتوں کو ایک ایک کر کے ہر محفل اور مجلس میں بیان کرتے ہیں اور امین الدولہ کی معزولی کا بہانہ کر کے ہر جگہ پھیلاتے ہیں کہ قرضہ تو لیا گیا معین اور معلوم مصارف کے لئے مگر کسی پر عمل نہیں کیا گیا سب سے بڑا اہواز کا بند تھا جو نسیاً منسیاً ہو گیا۔ سرکاری بنک کی تاسیس بھی موقوف ہو گئی۔ اصلاح معاش اور امور لشکری کے تھے بھلا دئے گئے۔ سول کی تعمیر و تنظیم بھی یاد نہ رہی۔ صدر اعظم نے اپنے خفیہ رفیقوں میں روپیہ بانٹ لیا۔ ہر شخص نئے طرز اور نئے ڈھنگ سے اس بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

ان دعویداروں میں اکثر وہ لوگ ہیں جن کو قرضہ لی ہوئی رقم میں سے حصہ نہیں ملا اُن کا دل جل رہا ہے اور کچھ لوگ حقیقتاً وطن کی دوستی اور محبت اور اہل وطن کی دلسوزی کے

(۱۰) کرپ کی توپ اور ماورز رائفل اس زمانہ میں کام آتے ہیں نہ کہ تلوار اور نیزہ اور گرز۔
(۱۱) افسوس اور حیف کہ تو غفلت اور بے خبری میں ہے اور دشمن نے ہر طرف سے تجھ پر جاسوس مقرر کر دے ہیں۔
(۱۲) کوئی تو تجارت کے ذریعہ سے تیرا مال لے جارہا ہے اور کوئی دیانت کے نام سے تجھے دھوکا دے رہا ہے۔
(۱۳) اُن کا خیال فاسد یہ ہے کہ ہم کو یہودیوں اور آتش پرستوں کی طرح خراب کریں۔
(۱۴) الغرض اپنے آپ کو پہچان اور اپنی آنکھیں کھول۔ اس بے عزت گروہ پر فریفتہ مت ہو جا۔
(۱۵) اگر واقعہ کا علاج وقوع سے پہلے نہ کرے گا تو اپنے فعل سے نادم ہوگا اور افسوس کریگا۔
(۱۶) اگر کچھ عرصہ تو اسی طریقہ پر رہا تو تیرے ملک میں گنڈیرکا درخت بو دیا جائے گا۔
(۱۷) اللہ اکبر کی آواز کی جگہ سوائے نغمۂ ناقوس اور رشتۂ زنار کے کچھ نہ پائے گا۔
(۱۸) اے بدیع خاموش ہو جا کیونکہ ہم نے بھی دنیا میں ترقی کی ہے مگر بہت اُلٹی۔

حاجی تبریزی نے عجیب طرب کے وجد میں کہا۔ خدا اس قسم کے شاعروں کو توفیق دے۔ اگر ہمارے عام شعرا اس مسلک پر چلتے۔ ایک دوسرے کی آواز پر آواز لگا کر وطن پرستی کی داد دیتے۔ اور معرفت کا درخت ہمارے دل میں لگا دیتے تو آج کی طرح ہمارے اہل وطن جہالت و نادانی کے ظلمتکدہ میں بیٹھ کر وطن کا مرثیہ نہ پڑھتے اور نہ روتے۔

تمام قوموں اور ملتوں کے ادیبوں اور شاعروں نے قبل از وقت ایسے مرثیے پڑھے اخبار نویسوں نے قلم فصاحت شیم کے اشکوں کو صفحہ اوراق پر نزول بلا سے پہلے جاری کر کے اپنے جانگداز نالوں کی آواز کو لوگوں کے کانوں میں دلنشین انداز کر کے خواب غفلت سے بیدار اور اُن کی حمیت کے غرور سے ہشیار کر دیا ہے۔ قوم کے افراد نے بھی اُن کی تقدیس و تکریم کر کے اُن کی عزت اور احترام بڑھایا۔

مگر ہم ایرانی بدقسمتی سے ایک اخبار حبل المتین رکھتے ہیں وہ بھی وطن سے باہر۔ اور اُس کی مضامین اور حکیمانہ نصائح کو نظر حقارت سے دیکھ کر حکایت موش و گربہ، اور دزد و قاضی سمجھتے ہیں اور بجائے تعظیم و تکریم کے اُس کے محترم ایڈیٹر کے حق میں کسی بیحرمتی سے کسر نہیں کرتے ہیں۔ حقیقت میں اس کا موقع ہے کہ کہا جائے سے مجھے ان حالات سے بوئے خیر نہیں آتی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہمارے قلوب مردہ ہو گئے ہیں سے شراب اور علی کہاں ہیں کہ ہم وہ زندہ کریں۔

ابراہیم بیگ نے ایسی حالت میں کہ ظاہر تھا ان باتوں کا کچھ جواب نہیں رکھتا ہے۔ جواب دیا۔ تم کو بھی تین چار سال بعد اس قسم کی باتوں سے فراغت ہو جائے گی۔ ہمارا نقصان صرف یہ ہے۔

سے سرو قامت تھی اور ماہ رخسار تھی۔ بڑی شرم سے آئی۔ میرا ہاتھ چوما۔ مجھے رقت طاری ہوگئی۔ فی البدیہہ یہ شعر کہہ کر پڑھے۔ سے

اللہ تعالےٰ انشاء اللہ تمہاری قسمت کو مبارک کرے
تمہارا ستارہ اچھا کرے اور تمہارے دن کو نوروز کرے

سکینہ نے ہنسنا شروع کیا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ والدہ۔ والدہ۔ والدہ! یوسف عمو شاعر۔ ہاہا۔ تمام عورتیں۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ شاعر شاعر باشی۔ ہاہا کرکے ہنسے جاتی تھیں۔

میں نے سکینہ سے کہا۔ ہاہا چل شیطان۔ میرا مذاق اڑا دیا۔ پھر ہاہا شاعر شاعر ناچار میں بھاگا۔ وہ برابر ہنسے جاتی تھیں آج بڑی مسرت اور ناقابل بیان خوشی میں گذرا۔ محبوبہ کا دماغ کامل جلوہ سے خوش تھا۔ عجب عالم تھا۔

حقیقت میں عجب خلقت اور عجب قانون ہے۔ اگر انسان اچھی طرح سے غور و فکر کرے تو معلوم ہوگا کہ کیا کیا مرحلے اور کیا کیا مقامات طے کرتا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ زمانہ کے کاموں میں بقا و ثبات نہیں ہے۔ گل بے خار۔ نوش بے نیش۔ شہد بے زہر زمانہ میں نہیں۔ نوش اور نیش۔ شادی و غم۔ توام اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ آج کی رات حاجی محسن آقا کے مکان پر جمع ہوکر کسی قدر ابراہیم بیگ کے ساتھ مذاق اور دل لگی کی۔ حاجی محسن آقا نے کہا حبل المتین میں ایک قصیدہ وطنیہ لکھا ہے۔ سنئے میں پڑھتا ہوں۔

قصیدۂ وطنیہ از کلام بدیع

(۱) دیکھو دیانت اور ناموس کی حفاظت میں کوشش کرو کیونکہ اسلام کا جھنڈا اوندھا ہوگیا ہے۔
(۲) اتحاد کی کوشش کرو کیونکہ کوئی قوم افراد کے اتحاد بغیر قوی نہیں ہوتی ہے۔
(۳) اے مسلمانو اتحاد کی جانب رغبت کرو کیونکہ نفاق سے تمہارا مبارک ستارہ منحوس ہوگیا ہے۔
(۴) اتفاق سے تمہاری آبرو اور نام محفوظ رہیگا اور نفاق سے تمہارا جان و مال حفاظت میں رہیگا۔
(۵) اے دوست بدل دشمن کو دفع کرنے کے لئے کمر باندھ۔ اس سے اس طرح مت ڈر جیسے مرغی مرغ سے ڈرتی ہے۔
(۶) میدان ہمت میں سو امیدوں کے ساتھ قدم رکھ۔ اپنے کردگار کی مدد سے مایوس مت ہو۔
(۷) علم کی شوکت سے بہت غلام آزاد ہوگئے۔ تو کب تک جہالت کی قید میں محبوس رہے گا۔
(۸) اس زمانہ میں جب کہ وقت بالکل بدل گیا ہے علم و ہنر کا نشان ہر طرف سے ظاہر ہونے لگا ہے۔
(۹) یہ ناپسندیدہ کام آج کے دن کب کام آسکتے ہیں جو دقیانوس کے عہد سے تم کو میراث پہنچے ہیں۔

کہتا ہوں اور اجازت لے لیتا ہوں۔ رات کے وقت محبوبہ کے کمرہ میں گیا اور کہا۔ چھوٹی بیگم تم نے منت مانی تھی کہ بی بی کے سامنے رقص کروں گی۔ بارہ تاریخ کو مہمان آئیں گے رقص کا موقع ہے۔ ہنسی اور کہا کیسی مہمانی ہے۔ میں نے کہا کارِ خیر ہے۔ رفتہ رفتہ کنایہ سے صراحت پر آ کر میں نے بیان کیا۔ جواب دو۔ سر جھکا کر خاموش ہو رہی۔ میں نے کہا جواب دو کیونکہ یہ شرعی رسم ہے اُسی شرم کی حالت میں کہا۔

زندہ جاوید کون ہے؟ کشتۂ شمشیر دوست ہے

میرا دل جو پہلو میں ہے دوست کی زنجیر میں بہتر ہے

میں نے کہا شاعرہ خانم۔ اس موقع پر جواب صریحی چاہیئے۔ کشتہ بند و زنجیر مناسبت نہیں رکھتا۔ ایسا شعر کہو کہ جس میں اُس کی دُعائے زندگی اور مبارک باد ہو۔ کہا میرا شعر نہیں ہے۔ قاآنی کا ہے۔ بے اختیار میری زبان پر جاری ہو گیا۔ میں نے کہا مبارک ہو۔ تم راضی ہو؟ چپ ہو رہی۔ ظاہر ہے کہ سکوت کے معنی رضا ہیں۔

میں میرزا عباس کے پاس گیا اور کہا کہ ابراہیم بیگ سے کہو ساتھ چلیں شال آئینہ اور انگوٹھی لے آئیں تا کہ بارہ تاریخ کو موجود ہو۔ آدمی بھیج کر بلایا۔ دیکھا کہ وہ بھی شرماتا ہے اور جھینپتا ہے۔ میں نے کہا بیٹا یہ خدا کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور سنت محمد مصطفیٰ ہے۔ خدا ہر ایک کی تقدیر میں کرے۔ اس موقع پر سر نہیں جھکانا چاہیئے۔ بڑی خوشی اور شادمانی سے کام شروع کرنا چاہیئے۔ کچھ نہ کہا۔ ڈیڑھ سو پونڈ کا چیک لکھ کر مجھ کو دیا اور کہا کہ بنک سے لے لو اور جس چیز کی ضرورت ہو خرید لو میرے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ الغرض میں چیزیں خریدنے گیا۔ حاجیہ خانم نے پسند کیں اور مہمانوں کو مدعو کیا۔ مٹھائی اور دوسرے لوازمات بھی حاضر ہوئے بارہ تاریخ کو گاڑی جوڑی۔ ابراہیم بیگ میرزا عباس کے ساتھ سوار ہو کر سیر کو گیا۔ عرب اور عجم کی مہمان خواتین بکثرت جمع ہوئیں۔ جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے محبوبہ کو سنگار کرایا۔ اُس کی زلفوں میں کنگھی کر کے پریشان کر دیا۔ حقیقتاً مشاطۂ قدرت نے محبوبہ کو ساتوں سنگار سے ایسا آراستہ کیا تھا اور قلم قدرت نے ایسا نقش کھینچا تھا کہ عقل اُس محبوب القلوب کی نقش بندی سے دریائے حیرت میں غوطہ زن ہوتی تھی۔

روئے دلارام کو حاجت مشاطہ نہیں ہے

میں اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ یکایک محبوبہ کو کشاں کشاں میرے پاس لائے نشانی کی انگوٹھی انگلی میں اور شال عروسی سر پر تھی حیا آنے میں مانع تھی۔ داخل ہو کر تعظیم کی۔ میں نے دیکھا کیسی محبوبہ ہے جس کی رعنائی و زیبائی مسلم۔ خصوصاً جو زیور اُس کو پہنایا تھا میں نے بے اختیار کہا۔
(مبارک کرے اللہ جو سب خالقوں سے زیادہ خوبصورت ہے)

کام میں ایک دم ڈیڑھ لاکھ تومان سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ فسیح الملک کے تمام رقیبوں نے اس رقم کثیر پر حسد کیا۔ آج کے دن تمام بُرانے اور نئے گرد کمش امین السلطان کے ہاتھ اور پاؤں کو چومتے اور سجدہ کرتے ہیں کہ اس سفر میں ہم کامیاب ہوں اور اس بارے میں بہت کچھ خرچ کر رہے ہیں اور جن لوگوں نے امین السلطان کی معزولی میں اس کی بدگوئی کی تھی بحالی کے بعد بعض کو خانہ نشین اور بعض کو آوارہ وطن کر دیا سب کو منتشر کر دیا۔ اس وقت تمام صوبوں میں بدامنی ہے اور حکام کو رعایا باہر نکال رہی ہے اور گھروں کو لوٹ رہی ہے۔ اُن میں سے تبریز میں نظام العلما اور اس کے بھائی علاء الملک کے گھر کو جو سلطنت عثمانی کا سفیر کبیر ہے لوٹ لیا اس بہانہ سے کہ انہوں نے گیہوں بھر رکھے ہیں اور فروخت نہیں کرتے ہیں حالانکہ علاء الملک کے گھر سے ایک من گیہوں بھی نہ نکلے بڑا مظلوم واقع ہوا ہے۔ برا آدمی نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ان لٹیروں کو امیر نظام کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ امیر نظام کی تمہید کی برکت سے علاء الملک کا گھر اس کی نجات کا فدیہ ہو گیا۔ غرض خود اس کی خبر نہیں ہے۔ زیادہ جسارت ہو گی۔ یوسف عمو کی خدمت میں سلام مخصوص۔

افضل حسن کرمانی۔

آج میرزا عباس آئے۔ مجھے باغ کے گوشہ میں لے گئے کہا بڑی گفتگو کے بعد میں نے ابراہیم بیگ کو شادی پر راضی کر لیا مگر کہتا ہے کہ مٹھائی تو کھا لیں لیکن شادی سال آئندہ ہو۔ اس کا خیال ہے کہ بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ شادی کرے چنانچہ کہا ہمارے رشتہ دار و عزیز ہیں ضروری ہے کہ ایران اور اسلامبول وغیرہ سب کو تین چار مہینے پہلے دعوت دیں اور میرے سپرد کیا ہے کہ میں حاجیہ خانم سے کہوں کہ شادی کی رسمیں شروع سے لیکر آخر تک ایران کی رسموں کے موافق ہونی چاہئیں۔ کسی امر میں عرب اور ترک اور یورپ کی رسموں کی تقلید نہ کریں۔

میں حاجیہ خانم کے پاس گیا۔ بہت مسرور اور شادمان ہوئیں حکم دیا کہ چند ہمسائی اور ملنے والی عورتوں کو بارہ تاریخ کے لئے دعوت دے دیں اور مجھ سے بھی کہا ایک تھان شال اور ایک انگوٹھی اور ایک آئینہ خرید لوں۔ اگرچہ یہ سب چیزیں گھر میں موجود بلکہ زیادہ تھیں لیکن میرا خیال مضبوط ہو گیا کہ تمام محبوبہ کے نام سے خریدی جائیں۔

میں نے کہا بیگ نے کہلا بھیجا ہے کہ تمام ایرانی رسموں اور آداب کی رعایت کی جائے۔ کہا۔ بہت اچھا مگر میں تم سے امید رکھتی ہوں کہ یہ دونوں بے ماں باپ کے ہیں تم دونوں کے باپ کے فرائض اپنے ذمہ لو کہ سوائے تمہارے ہمارا کوئی نہیں۔ میں بھی دونوں کی ماں ہوں لیکن چاہئے کہ پہلے محبوبہ سے اجازت لے لیں۔ میں رفیقہ کی ماں زہرہ خانم کو بلاتی ہوں وہ محبوبہ سے اجازت لیں۔ میں نے عرض کیا کہ ابراہیم بیگ کی بیماری میں محبوبہ کا رازدار ہو گیا ہوں میں خود محبوبہ سے

نا ملائم حالات پڑھے۔ اُس کی طبیعت کو موافق نہ آتے اور رضا خاں نے بھی اخباروں کی تحریروں کو دستاویز بنا کر مباحثہ کرنا شروع کیا۔ یہ باتیں دو جدید العہد دوستوں میں رنجش و جدائی کا سبب ہوئیں۔ چند ماہ اسی طریقہ سے گذرے کہ طہران سے مشہدی حسن کا خط پہنچا۔

نقل خط نمبر ۱۶ مشہدی حسن کرمانی از طہران

فدایت شوم۔ دُعائے سلامتی وجود شریف کے بعد جناب کی مرحمت کا شکریہ اور امتنان ظاہر کرتا ہوں۔ دو تھان عبائے شامی اور دو تھان قماش مصری کے حاجی احمد خراسانی کی معرفت پہنچے خداوند تعالےٰ آل عبا کے طفیل میں آپ کی عمر و دولت میں برکت عطا فرمائے۔ پچھلے خطوط میں لکھا جا چکا ہے کہ درباری قرضہ لینے کی فکر میں ہیں۔ آخر کار یہ قرضہ سلطنت روس سے لیا گیا اور ایک کروڑ لیا۔ چنگی کو بھی ۷۵ سال کے لئے کفالت میں دیدیا پانچ فیصدی سُود دیا۔

سود زیادہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ بھی دوسری جگہ سے قرض لیا گیا ہے اس سے کم نہیں ہوسکتا تھا البتہ جو چیز کہ ہے وہ آبرو شکن شرائط ہیں۔ اور سلطنت روس نے بڑے حقوق ایران کو ویران کرنے والے اس قرضہ کے ضمن میں حاصل کر لئے جن کی شرح اس خط میں نہیں سما سکتی اور اُس کا عمل صرافیہ مافوق تصور ہے سرکاری اخبار میں اعلان کیا گیا کہ سلطنت رزی کے معاملہ کو باطل کر دینے سے متفرراء مقروض تھی بڑے بھاری سود کی۔ اس وجہ سے اُس کو قرضہ لینا ضروری تھا تاکہ انگریزوں کا قرضہ دے اور بعض نوکروں کی تنخواہ اور غیر سرکاری قرضہ جو رکھتی ہے بنک میں داخل کردے اور اہواز کا بند باندھے۔ قزوین میں بھی نہر لاوے۔ باقی روپیہ سے ایک سرکاری بنک کھولے جو ضروریات میں سے ہے کیونکہ یہ شاہی بنک وغیرہ لوگوں کا خصوصاً بیوہ عورتوں کا خون جونک کی طرح چوسے جاتے ہیں۔

باشندے پہلے تو ان مصارف کے لئے جن کا اعلان کیا گیا تھا قرضہ لینے کے لئے راضی ہو گئے یعنی خاموش ہو گئے مگر جن مصارف کا ذکر کیا گیا تھا کسی میں بھی صرف نہ کیا گویا قرضہ رزی روسیوں نے خود اسی وجہ سے دیا تھا کہ اُن کے رقیب کا ہاتھ کوتاہ ہو جائے۔

قرضہ لینے کے بعد افواہ مشہور ہوئی کہ قبلۂ عالم فرنگستان کا سفر فرمائیں گے لیکن کوئی یقین نہ کرتا تھا اب گویا تحقیق ہوا اس لئے کہ ایک مہینہ ہوا سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے اور نشان کا بندوبست اور سفر فرنگستان کا سامان کر رہے ہیں۔ ایک ارمنی دس ہزار تومان صدر اعظم کو نذر کرتا تھا کہ نشانوں کا بندوبست وہ کرے لیکن ضیغ الملک نے بارہ ہزار تومان دیئے اُس کی سپرد کر دیا گیا۔ کل اس نے اپنے بیٹے کو استنبول بھیج دیا اس وجہ سے کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ نشانوں کے

سے آئے ہیں۔

دوسری طرف سے انگریزوں نے بوشہر میں اپنا روپیہ وصول کرنے کے نام سے
فوج اتار دی مگر اُن کی غرض اصلی رُوس سے رقابت تھی اس لئے کہ وہ خراسان کی طرف سے
بڑھا اس نے بھی ضروری سمجھا کہ بوشہر کی طرف سے پیشقدمی کرے۔ بہرصورت یہ شور و غل
ملا نصر الدین کا لحاف لے جانے کے لئے تھا۔ آخر کار سلطنت کو پریشانی میں ڈال دیا۔

ایک طرف سے علماء نمائیں اور ملازمان دربار نے بادشاہ کے حضور میں بدگوئی شروع
کی یہاں تک کہ قرآن لے جاکر بادشاہ کے سامنے قسم کھائی کہ یہ آدمی جمہوریت کا خیال
دماغ میں رکھتا ہے۔

ایک جانب سے سفیر روس نے بڑی زبردست کوشش کی اور پیٹرسبرگ میں ممدہ
تمہیدیں کیں۔ بہرحال امین الدولہ نے صدارت سے استعفا دے دیا اور مکہ مکرمہ (خدا اُس کا شرف
اور تعظیم زیادہ کرے) کے طواف کی اجازت حاصل کی۔ شاید مصر بھی آئے۔ اگر اُن سے ملنے
ہو تو آنے پر ضرور ملنا کیونکہ نادرۂ زمانہ ہے۔ ؎

خوب چمکا مگر جلدی کرنے والی دولت تھی۔

باقی جدید حالات اگر ظہور میں آئے تو عرض کروں گا۔ استدعا ہے کہ دو تھان عبائے شامی
کے ایک سیاہ اور دوسرا شتری مرحمت فرما کر بھیج دیجئے۔ ایک تو بیش نماز صاحب کے
لئے جن سے میں نے وعدہ کر لیا تھا اور دوسرا خود پہنوں گا۔ امیدوار ہوں کہ سرکار کی قناعت
سے مطلع ہو جاؤں گا۔ جناب عمو کی خدمت میں سلام مخصوص عرض کرتا ہوں۔

کمترین حسن کرمانی۔

ابراہیم بیگ نے کہا گھوڑوں کو گاڑی میں جوڑیں۔ رضا خاں مازندرانی کے لئے آدمی
بھیجا۔ وہ آگئے۔ سوار ہو کر ہوا خوری کو گئے۔ عصر کے وقت تنہا لوٹا۔ کہا۔ یوسف عمو۔ رضا
خاں سے طے ہو گیا ہے کہ فرنگستان کو چلیں وہ مارسلیز میں رہ جائے گا میں وائنا چلا جاؤں
گا۔ ایک مہینے تک گرم آب و ہوا میں ہوں گا اور وہ بھی آجائیں گے تاکہ دو ہفتہ تک گرم آب و ہوا
میں بسر کریں۔ واپسی پر وہ ایران چلے جائیں گے۔ بعض باتوں کا دستور العمل مجھ کو دیا کہ
جاکر والدہ سے اجازت حاصل کروں۔

پاسپورٹ اور سفر کے لوازمات مہیا ہوئے۔ مدت سفر نے تین ماہ تک طول پکڑا پھر
لوٹ کر آئے۔ بجائے اس کے کہ اُس کی صحت کو مفید ہوتا برعکس زیادہ پریشان ہو گیا۔ میں نے
چند بار مزاج پوچھا کچھ جواب نہ دیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ یورپ کے اخباروں میں ایران کے بعض

اور چھ مہینے پہلے جناب امین الدولہ کی صدارت کو لکھ چکا ہوں۔ اب امین الدولہ منصب صدارت سے اُتار دیا گیا اور امین السلطان کو معصومہ قسم سے بلا کر صدارت عظمیٰ پر مقرر کر دیا۔

اُس کی معزولی کا سبب میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں علاوہ اس کے یہ کہ خزانہ روپیہ سے خالی تھا اور سابق میں شہرت تھی کہ مرحوم شاہ ماضی نے دس کرور روپیہ نقد خزانہ میں چھوڑا ہے۔ یا بالکل بے اصل تھی یا یہ کہ موکب ہمایونی کے دارالخلافہ پہنچنے تک بدمعاش لٹیرے اور قلاش لوٹ لے گئے جس طرح ترک خوان یغما کو لوٹ لے جاتے ہیں

نقدی پر آسان ہے کیونکہ نادر شاہ مرحوم کی اساس سلطنت پر جو ہندوستان کے تحفوں سے بنی تھی اکثر لوگوں نے موقع پالیا اور بعض بخششیں اور صرف بھی بے جا ہوئے مانند حافظ کے کہ سمرقند و بخارا کو ایک خالِ سیاہ کے عوض میں بخش دیا۔ بہرحال اصلاح کار کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی اور قرضہ لینے کا فوری حکم ہوا۔ امین الدولہ قرضہ لینے سے متنفر تھا۔ یعنی قرضہ لینا نہ چاہتا تھا۔

اُس کی فرمائشوں میں سے ہے: "ایران کو قرضہ کی ضرورت ہے مگر باعزت ہو لیکن آج اس حالت میں باعزت قرضہ ملنا ایران کو میسر نہیں"

خدا جانے کہتے ہیں کہ انگریزی بینک نے ایک بڑی رقم کمیشن دینے کا وعدہ کیا تھا کہ وہ روپیہ قرض لے لیں۔ امین الدولہ نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ سے نہیں ہو سکتا کہ بے مصرف قرض لے لوں اور یہ تاریخی دھبہ اپنی پیشانی پر لگاؤں۔ میں جانتا ہوں کہ قرضہ لیا ہوا پیسہ آبادی مملکت و لشکر پر صرف نہ ہوگا اور بے جا تلف ہو جائے گا۔ وجدان مانع ہے کہ میں ایسے کام کا اقدام کروں جو پشیمانی کا سبب ہو اور میرے لئے ابدی لعنت رہ جائے اور قوم بھی قرضہ کے بوجھ سے محو و نابود ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ ہالینڈ اور بلجیم کو آدمی بھیجا ہے کہ اُن سے قرض لے لے۔ اس لئے کہ ان کا ایران میں سیاسی اثر بالکل نہیں ہے مگر جو کچھ تحقیق ہوا اس کی غرض محض بہانہ اور سلطنت والوں کو خاموش کرنا ہے۔ اور حقیقت میں قرض نہیں لینا چاہتا۔

اس طرف سے امین السلطان نے اپنے پرانے جاسوس اور قدیم مددگاروں کے ذریعہ سے جو ایران میں ہر جگہ موجود ہیں بڑی کثیر رقم اطراف میں خرچ کی۔ یہ وجہ تھی کہ ایک دم امین الدولہ کی بازی پلٹ دی۔

دوسری طرف سے رُوسی سپاہی حدود خراسان میں گھس آئے اور مختلف روایتیں بیان کیں۔ بعضوں نے کہا کہ ظالموں کو پکڑنے آتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ قرنطینہ کی غرض

میرے ہاتھ میں تھی۔ اور یہ بھی جانتا تھا کہ مشہدی حسن خود ہوشیار آدمی ہے اور نیز ہر جگہ سے واقفیت رکھتا ہے اور ہر شخص کے افکار میں موشگافی کرتا ہے دیوار کے چوہے کا کان ہے۔ اس کے علاوہ چند باتیں جو مجھ سے خلوت میں کہی تھیں سب درست اور اُس کے مطابق ہوئیں منتظر رہنا چاہیے کہ ان کاموں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

اس کے بعد بھی بعض احوال بعد کے خطوں میں مشہدی حسن سے پہنچے جونکہ قابل تحریر نہ تھے صرف نظر کیے گئے۔ اس مقدمہ کو تین مہینے گذر گئے۔ ایک دن حاجیہ خانم نے مجھے بُلایا۔ میں گیا تو فرمایا۔ یوسف آقا اب تم ابراہیم اور محبوبہ کے باپ کی جگہ ہو تمہیں خود معلوم ہے کہ مرحوم حاجی نے وصیت کر دی تھی کہ ابراہیم بیگ جب تک تیس سال کا نہ ہو جائے شادی نہ کرے اور مجھ سے اس بارے میں وصیت کی تھی اور تم خود جانتے ہو کہ اس لڑکی پر کیا کچھ صرف کیا اور اُس کے لئے کیسی زحمتیں اٹھائیں اور ابراہیم کو منسوب کر دی تھی۔ اب ابراہیم تیس سال کا ہو گیا۔ اگرچہ وہ خود اس خیال میں نہیں ہے مگر تم اس لڑکی کی حالت جانتے ہو کہ کھانا پینا اُسے حرام ہے۔ جب ابراہیم بیگ کو دیکھتی ہے بید کی طرح کانپنے لگتی ہے اور چہرہ کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔

کل میں اُوپر گئی۔ دیکھا کہ باجہ ہاتھ میں لئے سوز بجا رہی ہے اور گا رہی ہے اور روتی جاتی ہے اور بعض فارسی اور ترکی اشعار پڑھتی جاتی ہے۔ مجھے اُس پر ترس آیا۔ ڈرتی ہوں کہ محبت کو ظاہر نہ کر دے۔ میری خواہش ہے کہ یا تم خود یا میرزا عباس سے کہو کہ ابراہیم بیگ سے کہیں کہ ہم جلد مٹھائی کھانا چاہتے ہیں اور موسم بہار میں شادی کریں گے۔ آخر مجھے بھی تو آرزو ہے کہ اپنے بیٹے کی دُلھن کا ڈولہ دیکھوں۔ میری عمر تمام ہو چکی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ حسرت گور میں لے جاؤں۔ اس کے علاوہ لڑکی بھی جوان ہو گئی ہے۔ ابراہیم کے ہوتے ہوئے کوئی جراُت نہیں کرتا ہے کہ خواستگاری کرے اور میں نے اول سے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی درخواست نہ کرے میں لڑکی کی کہیں شادی نہ کروں گی۔

میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ موقع پا کر میں اظہار مطلب کروں گا۔ اس بات کو چند روز گذر گئے میں نے میرزا عباس سے حالات بیان کر دیئے۔ کچھ دیر تک سر جھکائے رہا اور جواب نہ دیا۔ غور و فکر کرنے کے بعد جواب دیا۔ صبر کرو۔ میں تنہائی میں سب ٹھیک کر دوں گا آج ڈاک آئی۔ مشہدی حسن کا خط نمبر ۱۱ پہنچا۔ لفافہ کھول کر پڑھا۔

نقل خط نمبر ۱۱ مشہدی حسن کرمانی از طہران

فدایت شوم۔ کوئی خاص بات نہ ہونے کی وجہ سے چند ماہ کی باتیں پوسٹ کارڈ پر لکھیں۔

خیرات بے اندازہ رکھتے ہیں اُن کو بھی استحقاق کے موافق خزانہ سے تنخواہ اور پنشن ملے گی ہر شہر اور قصبہ میں پرائمری سکول قائم ہوں گے۔ بہت سے عمدہ کاموں کا ذکر کرتے ہیں کہ مدنظر رکھتا ہے مگر اس وقت جو کچھ محقق ہے یہ ہے باوجود ان سب اعتقادات کے امین الدولہ دیر تک نہ رہے گا چند وجہوں سے۔ اوّل یہ کہ ایک فوج دراز نویسوں یعنی مستوفیان عظام کی اپنی مدعی اور دشمن بنائی ہے۔ دوسرے ایک پلٹن سلطنت کے خراب کرنے والے جاسوسوں یعنی درباریوں کو اپنا مدعی ٹھیرایا ہے۔ تیسرے ایک گروہ شریعت کے دربانوں یعنی علمانمایوں کو اپنے سے بددل کر لیا ہے کیونکہ امین الدولہ کے افکار سلطنت کی بہتری اور حقوق ملت کی حفاظت میں منحصر ہیں۔ یہ بھی اُن کے لئے بے فائدہ اور اُن کے منافع کے خلاف پہچانی جاتی ہے۔

بعض دول خارجہ کے سفرا بھی اس شخص کی سفارت پر راضی نہیں ہیں اس لئے کہ امین الدولہ اُن کے دست درازی کرنے والے خیالات سے موافقت نہیں کرے گا کیونکہ امین السلطان نے اُن کے دست تجاوز کو قوم اور سلطنت کے حقوق میں ہیئت کے لئے یادگار چھوڑ دیا ہے اور خارجہ کو ان جبورانہ حرکات کا عادی کر دیا ہے لیکن امین الدولہ عرو غیور۔ دانشمند۔ باتدبیر وطن پرست۔ عالم اور بادیانت ہے۔

ہیئت اجتماعیہ کے حقوق سے ہرگز چشم پوشی نہ کرے گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ بہت جلد امین الدولہ کو قوم و سلطنت کی خیرخواہی اور دانش کے جرم میں ایک طرف پھینک دیں گے سو تو اہل دانش و فضل ہے بس یہی تیرا گناہ ہے۔ کیونکہ ایران میں علم اس کے رکھنے والے کو ذلت اور وبال کا پھل دیتا ہے۔ مرحوم میرزا تقی خاں امیر نظام سوائے اس کے کہ صاحب افکار عالیہ اور حامی امین الدولہ کا ہم افکار تھا اور کوئی گناہ اور تقصیر نہ رکھتا تھا۔ میں نے آپ کو بہت دردسر دیا۔ معاف کیجئے۔ جناب یوسف عمو کو سلام مخصوص باقی ایام عزت مستدام باد۔ اقل حسن کرمانی۔

ابراہیم بیگ نے کہا۔ ہمارے ان مشہدی حسن میں کوئی عیب نہیں ہے مگر دخل در معقولات دینے والا ہے۔ گویا اپنے آپ کو دُنیا کے مدبرین میں سمجھتا ہے۔ ارے بیوقوف دیوانے تو کجا؟ اور سیاسی خیالات کا اظہار کرنا کجا؟ تو کیسے سمجھا ہے جو اپنے عقیدہ کو بیان کرتا ہے۔ تجھے کون سمجھتا ہے جو یہ پیشینگوئیاں کرتا ہے۔

الغرض اگرچہ ابراہیم بیگ نے مشہدی حسن کے حق میں ناملائم باتیں کہیں مگر میرا خیال ایک حد تک مجسم تھا کہ مشہدی حسن نے سچ بات کہی ہے اس لئے کہ ایرانیوں کی طبیعت اچھی طرح

عوض میں محبوبہ کی خاطرداری کے لئے ایک گھنٹہ ساتھ بیٹھنا اور ساتھ کھانا اور گفتگو کرنا بُھلا دیا جو اس کی زحمتوں اور گریہ وزاری کا بدلہ ہوجاتا۔

کامل ایک ماہ کے لئے میں نے بھائی جب جانے اور یہاں لانے کے لئے روک دیا۔ اس درمیان میں ڈاک آئی۔ چند جگہ سے خطوط آئے سب کو خود پڑھا۔ طہران کا خط مجھ کو دیا۔ میں نے پڑھا۔

نقل خط نمبر ۵۔ مشہدی حسن کرمانی از طہران۔

فدایت شوم سالہا رحیات کے بعد عرض کرتا ہے کہ پہلے خط کے ضمن میں امین السلطان صدر اعظم کی معزولی اور دوسرے صدر کے عدم تعین کا حال لکھ چکا ہوں۔ اب تین ہفتہ ہوئے کہ جناب ستطاب اشرف امین الدولہ لقب جلیل اور منصب جمیل کے ساتھ صدارت عظمیٰ پر مشرف ہوئے حقیقت میں بادشاہ کے مراحم خسروانہ سے مگر بہت کم لوگ عام قوم میں سے اور خصوصاً ملکت کے داناؤں میں سے ممنون ومسرور ہوئے۔ اگرچہ اس بندۂ فقیر کے لئے امین السلطان بہتر تھا۔ اگر میں ان کے حق سے انکار کروں تو بے شک کفران نعمت کروں گا اس لئے کہ میری گزران اُن کی دولت کے سایہ میں تھی مگر عام قوم اور سلطنت کے لئے امین الدولہ کی صدارت خدا کی رحمت ہے گویا آسمان سے نازل ہوا ہے۔ اس کو اور لوگوں سے بالکل نسبت نہیں دی جاسکتی آراستہ پیراستہ تجربہ کار عالم اور عاقل ہے۔

بادشاہ نے بہت مہربانی فرمائی مگر حکم دیا کہ کاروبار بہت پیچھے پڑے ہیں جس قدر جلد ممکن ہو امور سلطنت کی اصلاح اور حال رعیت کی رفاہ میں سعی بلیغ کرو۔ میں بھی ہر قسم کی مدد کے لئے حاضر ہوں کسی بارے میں کوتاہی نہ کروں گا ایک گھنٹہ بھی ضائع کئے بغیر کاموں کو انجام دو۔

اب جناب امین الدولہ کمر کو ہمت سے باندھ کر سلطنت اور قوم کے اصلاح امور میں کوشش کررہے ہیں۔ ایک منٹ بھی غفلت نہیں کرتے۔ تمام باشندوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک سال نہیں لگے گا تمام قومی اور ملکی کام قانون ونظام کے تحت میں آجائیں گے۔

افواہاً کہتے ہیں کہ پہلے تو جاگیروں کو موقوف کریں گے کیونکہ نائب السلطنت مرحوم کے عہد سے ایران کی اراضی کی جانچ کرکے قلیل جمع بندی کی ہے۔ جاگیروں کے مالک یا اور لوگ اپنے نام سے ہر ایک گاؤں کو جاگیر کرکے اب اس جمع بندی سے دس گنا اسی گاؤں سے وصول کرتے ہیں۔ اور بیچاری رعیت کو بھی بے پا کردیتے ہیں گویا طے ہوجائے گا کہ تنخواہ اور پنشن والوں کی رقم خزانہ عامرہ سے دیں اور گاؤں کی جانچ کرکے نقد وجنس کو دیوان لکھ لے اور ان آڈیٹوں کو جو مخرب اساس سلطنت ہیں قانون کے تحت میں لے آئے۔ بعض لوگ جو تنخواہ اور پنشن اور

دم لگتا ہے تاکہ پینک نہ آجائے، دم غنیمت ہے۔ میں نے آواز دی کہ چار لائیں۔
رضاخاں نے کہا۔ چچا جان۔ میں بھی تمھارے عقیدہ میں شریک ہوں۔ دم کو غنیمت جانتا ہوں۔ تم بھی جناب بیگ سے کہہ دو کہ دم غنیمت ہے۔ اس قسم کے وزیروں سے ملک اور قوم کی بہبودی کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ جس وقت ابراہیم بیگ دیکھ لیں کہ ایران کا مالیہ اب سے دس گنا ہو گیا اور نوایجاد مدرسوں سے ہمارے نوجوان کامل الفنون اور قابل ہو کر نکلے یعنی انسان بنانے کے کارخانے تیار ہو گئے اور قوم کو اطمینان جان و مال اور احقاق حقوق کی اہنیت بخش دی اُس وقت ممکن ہے کہ ایران بھی دول متحدہ کی قطار میں آجائے اور ایرانیوں کا بھی آدمیوں میں شمار ہونے لگے۔
لیکن آج ایران کو سب سے زیادہ ضرورت تجربہ کار عالم کی ہے اور نیز مال کثیر کی۔ وہ جو مالیہ ہے وہ اولاد چنگیز کی عادت اور قانون کے موافق وصول کرتے ہیں۔ جو مکتب ہیں وہ خود جا کر تم نے دیکھ لئے۔ میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔
بغیر شرمائے ایرانی وزرا نے ترقی کے مکاتب کو سلطنت کی بہبودی کے خلاف ظاہر کیا ہے چنانچہ بکرر بادشاہ سے عرض کیا ہے "قربان جائیں ان مکتبوں سے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ مترتب نہیں۔ کیا نہیں سنتے ہیں کہ رُوس کے مدرسوں کے طلبا ہر روز کیسی شورش برپا کرتے رہتے ہیں۔ سلطنت کو کیسی پریشانی میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔ قوم کو نہیں بیدار کیا جا سکتا" اب شام کا کھانا کھایا گیا۔ دس بجے لوگ چلے گئے اور ہم بھی سو رہے۔ صبح کو محبوبہ خانم تشریف لائیں۔
اور کہا۔ چچا یوسف آپ نے فرمایا تھا کہ تجھے جو تکلیف ہو مجھ سے کہو!
میں نے کہا۔ ہاں میں پھر کہتا ہوں۔ میں تیرے باپ کی جگہ ہوں۔ اولاد کو جو تکلیف ہو اُس کا علاج باپ سے دریافت کرنا چاہیئے۔ نہ کسی دوسرے سے۔ جو کہنا چاہتی ہو کہو۔
کہا۔ مجھے شرم آتی ہے۔ باوجود اس کے میں نے دل دریا میں ڈال دیا۔ کہتی ہوں۔ میں اور بی بی دو سال کے عرصہ تک بیگ کے سرہانے اعتکاف کر کے روتے رہے ہیں۔ خدا سے اُس کی صحت کی دُعا مانگتے رہے ہیں۔ اب جب اُس کو صحت ہو گئی تو میں اُس کی صورت نہیں دیکھتی ہوں۔ دن رات مہمانی میں جاتے ہو اور مہمان لاتے ہو۔
میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ بیٹی۔ آئندہ میں بھی تمہارے پاس رہوں گا اور کچھ کہنا ہے؟
جواب دیا۔ میں تم کو نہیں کہتی ہوں۔ خود ہی انصاف کرو۔ مگر اُس سے نہ کہنا کہ میں نے کہا ہے۔
انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ حق بجانب تھی۔ دو سال کی زحمت اور گریہ وزاری کے

زیر و زبر کر دیتی ہے کہ افراسیاب جیسے دس دشمن کا لشکر نہیں کر سکتا ۔

میں نے سُنا ہے کہ تم ایک ایک وزیر کی خدمت میں پہنچے اور اپنی وطن خواہی اور شاہ پرستی اور تعصب ملی کو اُن کے سامنے اخلاص کی رُو سے پیش کیا ۔ اگر تم نہ جاتے ۔ اور وزیر جنگ سے اپنی ارادت اور محبت وطن عزیز کے بارے میں نہ ظاہر کرتے تو جو سزائیں بھگتیں وہ نہ بھگتے ۔

مجھے افسوس ہے کہ اس بارے میں میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں اور اس رابطہ کے رشتہ کا استحکام جو میں تمہارے ساتھ مضبوط کرنا چاہتا تھا مشکل معلوم ہوتا ہے ۔ جس قدر تمہاری امید ایران کی بہبودی اور اصلاح کا رہیں ہے برعکس میری امید ان وزرا کے ہوتے اور اس وحشیانہ قانون کی موجودگی میں بربادی اور اضمحلال میں ہے ۔ جس قدر تم اس خیال میں رہو گے بندہ اس کے خلاف ہوگا ایک دن ایسا آئے گا کہ خدانخواستہ ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جائیں گے ۔ یہ باتیں جو تم کہتے ہو اور طہران میں جا کر کہی ہیں موجودہ ایران کے باعلم لوگوں نے نہیں سمجھی ہیں اور اُن کے خیال میں کبھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ کسی شخص کو اُن سے ان سوالوں کی جرات ہو سکتی ہے بلکہ اُن کے تمام حواس اور خیالات اس پر منحصر ہیں کہ فلاں وزیر کے پاؤں میں کس طرح صابون ملیں کہ منہ کے بل گر پڑے ۔ اور کب موقع ہاتھ آئے کہ فلاں رقیب کی بادشاہ کے حضور میں چغلی کھائیں اور کیسے اُس کا ہاتھ فلاں آمدنی سے کوتاہ ہو ۔ اگر وطن کی یاد آئے تو اسی روز معزولی اور بے دخلی ہے کیونکہ لوگوں کے سامنے بعض خرافات بیان کریں گے ورنہ اُن کا دین ۔ مذہب ۔ ناموس ۔ امام ۔ پیغمبر ۔ دولت ۔ ملت اور وطن پیسہ بلکہ اپنے وطن کا پیدا کرنے والا بھی پیسہ ہی کو جانتے ہیں ۔ اور بس ۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ مؤذن اذان دے رہا تھا ایک حق شناس بھی منارہ کے نیچے کھڑا تھا جونہی کہ مؤذن نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی اُس نے اپنا پاؤں زمین پر سے مارا اور کہا " تیرا خدا تو میرے پاؤں کے نیچے ہے " لوگ جمع ہو گئے ۔ اس کلمہ کفر پر جو حق یا ناحق سے ملا ہوا تھا اُس کو مار ڈالا جب یہ خبر حاکم شہر کو جو پہنچا ہوا شخص تھا پہنچی سوار ہو کر منارہ کے نیچے آیا اور پوچھا کہ حق شناس نے پاؤں کہاں مارا تھا ۔ بتایا گیا ۔ حکم دیا اُس جگہ کو کھودیں ۔ ایک اشرفیوں کا گھڑا نکلا ۔ کہا اُس بیچارہ کو تم نے ناحق مار ڈالا ۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ تو خدا کو خلوص سے نہیں پکارتا ہے ۔ بلکہ روپیہ کے لئے پکارتا ہے اور وہ میرے پاؤں کے نیچے ہے ۔

بجنسہ ہمارے وزراء کا حال ہے کہ اُن کی ہر چیز پیسہ ہے پیسہ سوائے پیسے کے کسی چیز کو نہیں پوچھتے ہیں بلکہ کچھ نہیں سمجھے ہیں ۔ اور نہ سمجھتے ہیں ۔ اہل مجلس ہنس پڑے ۔ میں نے میرزا عباس کو اشارہ کیا کہ گفتگو کا پیرایہ بدل دو فوراً خود میں نے کہا فقیروں کے قول کے موافق

سکون آتا جاتا ہے جس قدر ہم سوچیں ہمارا کام اُن سے گذر چکا ہے ۔ جب جدو جہد سے تیرا کام نہ نکلے تو اپنی مصلحتوں کو خدا پر چھوڑ دے۔

میں اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ اس وحشیانہ ظلم کے ہوتے نہ ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ اپنی ملک میں ایک بالشت اضافہ کریں اور نہ صاحب شوکت و ثروت و قدرت ہو سکیں گے بلکہ رفتہ رفتہ خود بخود الوداع کی آواز دینے لگیں گے۔

ابراہیم بیگ نے کہا اس بارے میں میرا اعتقاد جناب کے اعتقاد کے بالکل برعکس ہے اور جس قدر میری عمر زیادہ اور پیر منحنی ہو جاؤں گا انشاء اللہ میری حب الوطنی روز بروز زیادہ ہوتی جائے گی۔ کیونکہ جس قدر اخلاص اور ارادت کے راستہ میں چلو گے اور جد و جہد کرو گے اسی قدر دل مثل شیشہ کے جلا پاتا جائے گا۔ اور اعتقادات کا دائرہ لوہے کے قلعہ سے زیادہ مضبوط ہو جائیگا۔ جو شخص اخلاص سے قدم اُٹھاتا ہے وہ گویا عیسیٰ وقت ہے جو پھونک مارتا ہے۔

وطن پرستی میں ہمارا فرض ہمیشہ دُعائے خیر ہے۔ ہمیشہ وطن کی آبادی اور اصلاح کی اُمید نظر میں رکھتے ہیں۔

رضا خاں نے کہا۔ ابراہیم بیگ۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاری یہ باتیں تعصب کی ہیں یا حقیقت ہیں اگر حقیقت ہیں تو مجھے اس تعریف سے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ جو تمہاری طبیعت میں مجھ سے کی ہے۔ برادر جان ہر مملکت کی آبادی ہر خاص و عام کے قول کے موافق اور ہر آیت اور حدیث کی رُو سے عدل و داد پر منحصر ہے نہ کہ جور و فساد پر۔ خدا عدل کے لئے حکم دیتا ہے۔ "اللہ عدل اور احسان کے لئے حکم دیتا ہے" رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ "عدل سے زمین اور آسمان قائم ہیں" اور پھر فرماتے ہیں "عدل سے بادشاہ کی سلامتی اور شہروں کی آبادی ہے"۔

حکیم فرماتا ہے :۔ اے شخص کہ تو سلطنت پر ہے انصاف کر اگر خدا سے آگاہ ہے تخت کی مضبوطی عدل سے ہے اور بادشاہ کی سواری عدل سے ہے بادشاہ خدا کا سایہ ہے منصف بادشاہ ہے ورنہ گھاس ہے نور کلی سایہ سے دور رہتا ہے۔ نور کا سایہ بھی نور ہوتا ہے۔

فرماتا ہے "عدل کی ایک گھڑی ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ ملک کفر کے ہوتے باقی رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ہوتے باقی نہیں رہ سکتا" کیا تم ان باتوں کو محمود اور ایاز کا قصہ جانتے ہو۔ یا قصہ خسرو و شیریں سمجھتے ہو۔ یہ احکام یقینی ہیں کہ ظلم کا نتیجہ خراب ہے۔ ہزارہا مرتبہ تجربہ ہو چکا ہے کہ ظلم سے گھر کے گھر خراب اور سلطنتیں برباد ہو گئی ہیں۔ ایک بڑھیا کی آہ سحری سلطنت کو لیا

اگر ممکن ہوا تو امین الضرب رُوسی رعایا بننا پسند کرے گا۔ اگرچہ رُوسی ایرانی تبعیت کو کھلم کھلا قبول نہیں کرتے ہیں مگر شاید پیسہ کے زور سے خود اُن سے بندھ جائے۔ اگر ممکن نہ ہوا تو اپنی بقیہ ملکیت کو لے کر ملک خارجہ کو چلا جائیگا۔ اور نقل مکان کر دے گا۔

قطعی یقین ہے کہ اس بیس کرور کی مفت اور مسلم آمدنی میں سے جو تمام ایرانی قوم کی ملکیت ہے پانچ ہزار تومان بھی ایک شفاخانہ یا ایک قومی مکتب کے لئے وقف نہ کرے گا۔ آپ اس کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں میں آپ کے ڈر سے نہیں لکھتا کہ میں بالکل مایوس ہوں۔ اس وقت جب کہ صدر اعظم درمیان میں نہیں ہے کوئی امین الدولہ یا مشیر الدولہ یا مخبر الدولہ ہو جائے گا۔ ابھی کچھ تجویز نہیں ہوا۔ اس کے بعد جو ظہور میں آئے گا۔ عرض کیا جائے گا۔ یوسف عمو سے سلام مخصوص کہئے۔ کمترین حسن کرمانی۔

صبح کو رات والے مہمان جنھوں نے وعدہ کیا تھا آ گئے میں نے رضا خاں سے ابراہیم بیگ کے پاس شہدی حسن کرمانی کے مضمون خط ہونے کا ذکر کیا۔ ابراہیم بیگ نے اشارہ کیا کہ مت کہو مگر چونکہ میں کہہ چکا تھا چھپا نہ سکا بات منہ سے نکل چکی تھی۔

رضا خاں نے کہا۔ تمھیں خدا کی قسم انصاف کرو باوجود اس حالت کے پھر اعتراض کرتے ہو کہ ایرانی قوم کمپنی کیوں نہیں بنا لیتی۔ پہلے قوم کو امنیت مالی اور جانی اور احقاق حق کا اعتماد دلانا چاہئے اس کے بعد یہ توقعات کرنی چاہئیں قوم اپنے اوپر کیا خاک ڈالے۔ کوئی نہیں جو ان سے پوچھے کہ حاجی نے خیانت کی تھی یا نہیں؟ اگر خیانت کی تھی تو کمیشن کیوں نہ بٹھایا گیا تاکہ جس قدر خیانت کا روپیہ اُس کے ذمہ نکلتا اُس سے وصول کرتے اور اس کو سزا دیتے اور اگر خیانت نہ کی تھی تو اس سے آٹھ لاکھ تومان کیوں لئے۔ اس صورت میں بہتر ہے کہ امیر الدولہ کی جائداد کو بغیر مقدمہ اور ثبوت شرعی کے ملک التجار سے لے کر مشارالیہ کو دے دو۔ افسوس کہ منصف حکومت موجود نہیں ذاتی اغراض درمیان میں ہیں۔ جس وقت جس کو موقع ملتا ہے اپنے رقیب اور ہمسر کو محروم کر دیتا ہے۔ یہ ہے فلاکت زدہ ایرانی قوم کی حکومت کا اعتبار۔

چونکہ حاجی تبریزی رضا خاں کے ساتھ تنہا آئے تھے۔ عصر کے وقت ابراہیم بیگ نے آدمی بھیجا کہ میرزا جلیل اور حاجی محسن آقا کو بھی بلا لائے۔

رضا خاں نے ابراہیم بیگ سے کہا۔ جناب حاجی صاحب نے آپ کی بیماری کا کسی قدر حال مجھ سے فرمایا آپ میری پندرہ سال پیشتر کی حالت کے موافق ہو گئے مگر میں نے تو دُنیا کے نیک و بد اور خوب و زشت کی سیر کر کے رفتہ رفتہ عادی ہو کر تعصب کو دماغ سے نکال دیا ہے۔ انشاء اللہ تم بھی رفتہ رفتہ عادی ہو جاؤ گے۔ جتنا انسان کا سن زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ الخ

حکام قبلہ عالم کے پاس گئے اور اس طرح مشتبہ کر دیا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس قدر پول سیاہ ہے جھوٹ اور بے اصل ہے۔ امین الضرب راضی ہو گیا کہ آٹھ لاکھ تومان بنک میں جمع کر دے تمام پول سیاہ کو جمع کرے اور چھ لاکھ تومان مطبخ مبارک کا خرچ دے۔ جو کچھ اس کا پرانا شیوہ تھا اس پر عمل کیا اور امین الضرب کو چھوڑ دیا۔ اس زمانہ کے بدمعاش نے ایک کرور تومان کا بل بنایا۔ کہ فلاں فلاں بات بابت میں سلطنت سے طلبگار ہوں۔ اس جرمانہ کی قیمت میں جس کی رقم کے وصول کرنے سے قیامت تک مایوس و ناامید تھا محسوب کر لئے اور تین لاکھ اشرفی بھی دی۔ اور رخلا وملا میں کہا۔

میں انکار نہیں کرتا کہ میں نے پول سیاہ پر سکہ لگایا اگرچہ بی کی شمع کی ڈبیوں میں اشرفیاں بند کر کے امین السلطان کے گھر بھیج دی ہیں۔ اگر پول سیاہ کا جمع کرنا میرے ذمہ عاید ہوگا تو وہ اشرفیوں سے بھرے ہوئے ڈبے بھی امین السلطان سے لوٹائے جائیں۔ اگر اول کا حکم دیتے ہو تو آخری بھی ضروری ہے۔ میں اُس کا جرمانہ تو وصول نہیں کر سکتا ہوں۔

اگرچہ اشرفیوں کے ڈبوں کی شہادت ہم جیسے لوگ نہیں دے سکتے لیکن کام کے طریقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امین الضرب اتنے سالوں تک ٹکسال کے لئے ہر سال اٹھارہ ہزار تومان کا ٹھیکہ لیتا رہا۔

اُس کے بعد آقا عبدالباقی کی کمپنی کو ایک لاکھ دس ہزار تومان میں اور اب وزیر دربار کو ایک لاکھ اسی ہزار تومان میں دیا ہے پھر بھی بڑا ہے۔ اور جونہی پول سیاہ کا فرق اُٹھا لیا گیا اس وقت چاندی کا بھاؤ $\frac{1}{5}$ ارزاں ہو جائے گا۔ ع دیکھو راستہ میں فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

چاہیئے کہ محاسبین فرنگ اس آمدنی کو جمع کریں۔ اس وجہ سے ممکن نہ تھا کہ صدر اعظم اس لوٹ سے باخبر نہ ہو بلکہ خود اُن کے درمیان شرکت رہی ہے یعنی "نصف میرے لئے اور نصف تیرے لئے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔

بہر صورت مچھلی جال میں پھنس کر شست سے نکل گئی۔ ابتدا میں معاملہ باقاعدہ اور با نفع جاری ہوا تھا مگر صاحبان اغراض فاسد اور طماعان بے ایمان اور بے انصاف نے اپنے جزئی فائدہ کے لئے قوم اور ملک کا نقصان کیا۔ خیانت جبلی کا ارتکاب درباریوں کی طبیعت میں ایسا رکھا گیا ہے کہ کسی اندیشہ کے تیشہ سے اُس کا قلع وقمع ممکن نہیں۔

ع۔ دودھ کے ساتھ جان میں داخل ہوا ہے اور جان کے ساتھ نکلے گا۔

یہ بات اجنبیوں کی نظر میں ایرانی قوم اور ملک کی رسوائی کا باعث ہوئی ہے اور اس کے بعد

ابراہیم بیگ اور رضا خاں ایک دوسرے کے ممنون اور آشنا ہوئے خود رضا خان نے کہا۔ کل آپ کے دولت خانہ پر گفتگو کریں گے پھر کھانا کھانے کے بعد پیرس اور فرانسیسیوں کا ذکر ہوا۔ تھوڑی دیر گفتگو کر کے گھر واپس آئے۔

حاجی مسعود گئے اور ڈاکخانہ سے خطوط لائے اور ابراہیم بیگ کو دئے۔ ایک کو بتایا کہ یہ حسن کرمانی کا ہے۔ میں نے کہا توجہ کرو۔ میں پڑھتا ہوں۔ تم بھی سنو۔ اس لئے کہ میرے خیال میں تم اس کو نہیں پڑھ سکتے ہو کیونکہ بہت بدخط ہے۔ لفافہ کو کھول کر دیکھا اور کہا۔ واقعی بہت بدخط ہے۔ اونٹ بلی کے پنجوں کی تصویر کے مانند ہے۔ مجھے دیا کہ لو پڑھو میں نے ایسا برا خط نہیں دیکھا۔

مشہدی حسن کرمانی کا خط۔

فدایت شوم۔ آپ کا خط عین وقت پر پہنچا۔ چونکہ مجھے ایک عجلت کا کام نکل آیا تھا کرمان چلا گیا تھا اور تین ماہ سفر میں رہا۔ اس عرصہ میں طہران میں مقیم تھا۔ کل آپ کا عنایت نامہ پڑھا بیماری کا حال لکھا ہے۔ افسوس اور رنج کا باعث ہوا۔ خدا کا شکر کہ نقاہت رفع ہو گئی۔

جدید حالات یہ ہیں کہ میرے آنے سے پہلے میرزا علی اصغر خاں امین السلطان صدر اعظم کو ان اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر خط میں لکھنا مناسب نہیں معزول کر کے معصومہ قسم میں بھیج دیا ہے۔ آپ نے بھی ضرور اخبارات میں پڑھا ہوگا۔

چند روز پیشتر پول سیاہ کے بارے میں مجلس شوریٰ میں گفتگو کی۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد پول سیاہ بدتر ہو گیا یہاں تک کہ عام پیشہ وروں اور تاجروں کے خسارہ کا باعث ہوا قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ امین الضرب عہدہ سے ہٹ جائے مجھے یاد ہے ایک دن فرمایا کہ اگر میں جیسا چاہتا تو حاجی محسن آقا کو حکم دے دیتا کہ تمام پول سیاہ لوگوں کے ہاتھ سے لے لے۔ گویا تمہارا خیال مجسم ہو گیا۔ جناب امین الدولہ اور تمام وزرائے دارالشوریٰ نے طے کر لیا ہے کہ تمام پول سیاہ امین الضرب کے ذمہ ہے۔ چاہئے کہ اس کی رقم ادا کر کے سب لوگوں کے ہاتھ میں لے لیا جائے۔ شرعاً بھی یہ معاملہ جس میں کھلم کھلا غبن ہے صاحب اول کے ذمہ ہے جس نے عام مخلوق کو اپنے فائدہ کی خاطر نقصان پہنچایا ہے۔ پول سیاہ کی مقدار جو سکہ بنایا گیا ہے اور ممالک محروسہ ایران میں چلا گیا ہے تقریباً بیس کرور تومان ہے۔ ان سب سے بیس ہزار تومان بھی وصول نہ ہو سکیں گے۔ مجلس کا فیصلہ بادشاہ ہمایوں کی نظر کیمیا اثر میں پہنچ گیا ہے اور انہوں نے دستخط کر دئے ہیں۔ اس رو سے امین الضرب کو گرفتار کر لیا۔ بڑی جزع و فزع کی کہ میں نیم شاہی بھی نہ دوں گا۔ اور اس کے بیٹے کو بھی مشہد کے راستہ میں پکڑ لیا اور طرح طرح کی تکلیفیں دیں بالآخر ایک لاکھ تومان سے زیادہ جدید اور قدیم ایرانی اور ترک حکام نے رشوت اور تحفے دئے۔ ایماندار اور مصنف

کر کے کہتا ہے :-

اے فرزندان فرانس۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ افراد بنی بشر کا ہر فرد جس نے کتم عدم سے دائرہ وجود میں قدم رکھا ہے لابد ہے کہ عقل سلیم کے بموجب حریت کی نعمت سے بروجہ اکمل بہرہ مند ہو۔ اور حریت کاملہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حریت روحانیہ۔ دوسرے حریت جسمانیہ۔

ہماری حریت روحانی کو دیانت دار مسیحی پادریوں نے ہمارے ہاتھ سے کاملاً لے لیا ہے۔ عام طور سے ہم لوگوں کو امور روحانی میں اپنے احکام کا بندۂ مطیع اور عبد ذلیل بنا رکھا ہے اور ہم کو اس بارے میں کسی قسم کے دخل دینے کا حق متصور نہیں ہے یہاں تک کہ ہم میں جرأت نہیں ہے کہ ایک مسئلہ کو اُن سے مکرر پوچھ سکیں کیونکہ فوراً کفر کا ڈنڈا ہماری پیٹھ پر مار دیتے ہیں اور ارتداد کا دھبہ ہماری پیشانی پر لگا دیتے ہیں۔ اس صورت میں چاہئے کہ روحانی امور میں دیانتداروں کے بندۂ فرمانبردار اور آزادی کی نعمت سے محروم ہو جائیں۔

ہماری حریت جسمانی کو فرمان فرماؤں یعنی ظالمان مستبدین نے ہمارے ہاتھ سے لے لیا ہے ہم کو اس پنج روزہ دنیاوی زندگی میں اپنے احکام و فرامین کا بالکل محکوم سمجھ رکھا ہے۔ اپنے نفس سرکش کی خواہشات کے مطابق طرح طرح کی تکلیفات و تحمیلات شاقہ کا جو انسان کی قدرت سے خارج ہیں بارکش بنا دیا ہے۔ اس مسئلہ میں بھی ہم ظالمان مستبد کے عبید ذلیل اور بالکل بے اختیار ہیں اور حریت و آزادی کی نعمت سے محروم و بے بہرہ ہیں۔

اے فرزندان فرانس اور اے ابنائے وطن عزیز اور اے برادران نلک زدہ و پریشان روزگار۔ اس صورت میں ہمارا فرض کیا ہے اور ہمارا کون مددگار ہے۔ کیا تمہاری غیرت و حمیت اجازت دیتی ہے کہ ہم اس بدبختی کی حالت میں رہ کر اس آتش جگر سوز میں جو خدا کے حکم سے باہر اور انصاف و انسانیت سے خارج ہے جلا کریں؟ ابھی وقت باقی ہے چاہیئے کہ اپنے درد کا علاج کریں۔ اور دیدہ بصیرت پر سے پردۂ غفلت کو پھاڑ ڈالیں اور اپنے آپ کو سعادت ابدی تک پہنچا دیں۔ ہمارا مطالبہ حق ہے اور یہ آزادی تمھاری غیرت اور جنبش غیورانہ پر منحصر ہے۔

ابراہیم بیگ نے کہا۔ الحمدللہ خداوند ذوالمنن والاحسان نے رحمت کا دروازہ ایران اور ایرانیوں پر کھول دیا ہے امیدوار ہیں کہ عنقریب بغیر ان باتوں کے ہمارا وطن مقدس شاہنشاہ جوان بخت کی توجہات اور حسن نیات سے سعادت سے قرین ہو جائے گا۔ خدائے تعالے اپنی اس مہربانی کے سایہ کو ہم سے دریغ نہ کرے۔ تمہیں خدا کی قسم۔ آمین کہو۔ سب نے آمین کہی۔

گھڑی اور خنجر میرے پاس تھا۔ اُن کو فروخت کر کے اسلامبول میں میرے شناسا ہیں وہاں سے، یہ لے کر یزد چلا جاؤں گا اور کہہ دوں گا کہ تم نہیں گیا تھا ملکہ گیا تھا۔ اور ان لامذہب اور بے دین بدمعاشوں کی جماعت کو ایسا رسوا کر کے ان بیہودوں اور بادیۂ ضلالت کے گمراہوں کی بے آبروئی کروں گا تاکہ اس کے بعد پھر کسی کو نہ بہکائیں۔

چونکہ آقا جلیل اس طائفہ رذیل کے ساتھ تھے انہوں نے یہ مکر وہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے ہمیشہ جنگ وجدل اور مباحثہ کرتے رہتے ہیں اور مذاق وظرافت سے جو کچھ اُن کے دل میں پوشیدہ ہے وہ خود بخود لوٹاتے ہیں۔ یہ قصہ میں نے اُن سے بیان کیا تاکہ دنیا میں مشہور کر دیں۔ اب مجھے ہر شخص کے پاس لے جا کر کہتے ہیں کہ بیان کر۔

سیر کے بعد ہم گھر کو واپس ہوئے اور دوپہر کا کھانا کھایا۔ حاجی تبریزی کا آدمی آیا۔ رقعہ لایا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ خوش صحبت مہمان جناب میرزا رضا خاں مازندانی جو بارسلینر سے آئے ہیں اور پہلے بھی آئے تھے۔ یوسف عمو نے اُن کو دیکھا تھا مگر تم نے نہیں دیکھا ہے۔ تمہارے مذاق کے موافق گفتگو کرتے ہیں۔ رات کو تشریف لائیے۔ کھانے کے بعد گفتگو کریں گے اور اُن کی باتیں جو تمہارے خیالات کے مطابق ہوتی ہیں اور مزے سے خالی نہیں ہیں سنیں گے۔

رات کو گئے چند آدمی موجود تھے۔ حاجی نے ابراہیم بیگ کا تعارف کرایا۔ رسمی تعارف کے بعد جیسا کہ اس قسم کی مجلسوں کا قاعدہ ہے ملاماؤں کی غیبت۔ بے نظمی مملکت ظلم حکام اور رشوت خوار ملاؤں کے اعمال ناشائستہ کے تذکرے ہوئے۔ موافق معمول صحبت نے طول کھینچا۔ کہنے اور سننے کا بازار گرم ہوا۔ بالآخر رضا خاں نے کہا۔

عزیز من۔ یہ تمام خرابیاں جو تم گنا رہے ہو خود قوم کا قصور ہے جو اپنے حقوق حاصل کرنے کی طلبگار نہیں ہے۔ اور مثل اونٹ کے کانٹے کھاتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ہر زحمت اور مشقت پر صابر اور ہر ظلم و تعدی پر شاکر ہیں۔ یقیناً اس صورت میں ہر شخص اپنا پاؤں اُن کی پیٹھ پر رکھ کر سوار ہو جائے گا۔ روئے زمین کے تمام ملکوں میں سابق میں یہ حالت رہی ہے۔ سی موجودہ مصر کی تاریخ کو بھول گئے ہو کہ فراعنہ انا ربکم الاعلیٰ کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو غلامی میں خرید وفروخت کرتے تھے اور اُن خدمات شاقہ پر جو قدرت بشری کے احاطہ سے باہر ہیں۔ مقرر کرتے تھے۔

کیا اس وقت کسی کے خیال میں آتا تھا کہ اہل مصر اس قدر آزاد اور فارغ البال ہو جائیں گے۔

فرانس کی پہلی شورش اور فساد میں میرابو سیاست دان حکیم فرانسیسی قوم سے خطاب

تو ارتداد سے توبہ کرے اور دوسرے یہ کہ اس ولایت سے باہر چلا جاوے اور اگر تو کل تک یہاں ٹھیرے گا
تو بلاشک تجھ کو گرفتار کرکے سزا دیں گے۔

بہتر یہ ہے کہ میں تیرے واسطے گاڑی کر دوں جو تجھ کو یافہ تک پہنچاوے اور چند روز تک بیروت
میں ٹھیر تا کہ میں تیری چیزیں بھیج دوں۔ اگر کچھ نقدی پاس ہے تو یہیں چھوڑ دے ورنہ راستہ
میں تجھ سے چھین لیں گے اور یہ باتیں ایسی رقت سے بیان کر رہا تھا کہ گویا میرے حال پر اس قدر رحم
آتا ہے کہ رونا چاہتا ہے۔ ایک ہاتھ سے مصنوعی آنسو پونچھتا جاتا تھا۔

مجھ سیدھے سادے آدمی نے اُس کی باتوں پر یقین کرکے چند مجیدی چاندی کی اور اکتیس فرانسیسی
پونڈ جو میرے پاس تھے اُس کے سامنے رکھ دئے۔ وہ چاندی کی مجیدیاں اور تین فرانسیسی پونڈ مجھ کو دے
دئے اور اٹھائیس پونڈ مع ایک بیگ کے جو میں نے عدسہ میں سات منات کو خریدا تھا اور اپنے کپڑے
جس میں لبادہ اور تین عدد نئی بانات کی قبائیں اور کمرتہ اور کئی پاجامے اور نئی بانات کا کوٹ اور عبا اور قلمدان
اور چائدان وغیرہ تھا سب اُس کی سپرد کر دئے۔ ایک طاف اور پرانی عبا اور کچھ قند اور چائے اور بسکٹ
لے کر ایک یکہ کرکے ایک پونڈ گاڑیبان کو دیا اور باقی پیسے میں نے لئے چنانچہ گاڑیبان سے کہہ دیا تھا کہ
مجھ کو یافہ پہنچا دے۔ وہاں سے میں بیروت پہنچا اُس آدمی کے پاس جس کو بتا دیا تھا کہ اس کے پاس
تیری چیزیں پہنچا دوں گا۔

میں نے کہا کہ میری امانت آپ کے پاس آئے گی۔

کہا۔ بہت اچھا۔ جب آئے گی تو میں تجھ کو خبر کر دوں گا۔ اس بات کو دو ہفتہ گذر گئے کوئی
خبر نہ ملی۔ میں نے خط لکھا جواب نہ آیا۔ دوبارہ لکھا۔ جواب ندارد۔ سفارش کرائی۔ بے سود۔ بالآخر
تنگ آکر میں نے جو بھی میرے منہ میں آیا گالیاں دینے اور بُرا بھلا کہنے میں مضائقہ نہ کرکے لکھ کر
ڈاک سے بھیج دیا۔ آخر کار ڈاک سے اس مضمون کا جواب آیا۔

تیرے چلے جانے کے بعد میری گرفتاری کا ارادہ کیا۔ دوکان بند کرکے میں آستانہ مقدسہ میں
پناہ گزین ہوا۔ تین دن اور تین رات میں گریہ وزاری کرنے سے نہ تھما۔ بالآخر نسیم رحمت چلی اور میرے جرم
سے درگذرے۔ تیرا مال اور سامان محض تیرے ارتداد کی وجہ سے مجھ سے چھین لیا اور مجھ کو پناہ دی۔
تیرا مال مومنین اور مستحقین کو بانٹ دیا۔ مجھ غریب کو تیری دوستی کی وجہ سے کس قدر نقصان پہنچا اور بدنام
ہوا۔ یہ تمام نقصان اور درجہ ورتبہ میں کمی تیری وجہ سے ہوئی باوجود اس کے میں تم سے شرمندہ ہوں۔ یہ
تمام اپنا قصور سمجھ کہ بغیر اجازت حاصل کئے آنحضرت کی خدمت میں داخل ہو گیا۔ جس کا
یہ پھل ملتا ہے۔

اس کا جواب۔ جو کچھ میرے قلم میں آیا میں نے لکھا اور کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اچھا ہوا کہ میری

ہوگیا بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور ابر بہار کی مانند رو دیا۔ تسکین کے بعد رخصت کی اجازت لے کر پھر سجدہ میں گر کر الٹے پاؤں دروازہ سے باہر آیا۔ حریم کے رہنے والے ہمیں دوسرے کمرہ میں لے گئے بڑی محبت و مہربانی سے پیش آئے اور تمبو پایا۔ میرا شک و شبہ بالکل جاتا رہا اور اعتقاد میں سوگنا اضافہ ہوگیا۔

پھر چند روز کے بعد ہموطن کے پاس جا کر میں نے التماس کیا کہ مجھ کو جلد باد جمال مبارک کے پاس لے چل کیونکہ میں لذت زیارت سے اس قدر شیریں کام اور مست ہوں کہ جان کنی کی تلخی بھی میرے مذاق کی لذت و حلاوت کو کم نہیں کر سکتی۔

ہموطن نے کہا۔ دربان اور حاجب کے لئے تحفہ کی ضرورت ہے۔ اپنی حیثیت کے موافق اُن کو کچھ پیش کرو۔ میں نے کہا۔ جان حاضر ہے۔ الغرض دونوں کا حق ادا کر کے خدمت میں بار پایا۔ پہلی عادت کی طرح حضوری کے احترام کے شرائط بجا لا کر لوٹ آئے ایک مہینے تک اس طرح سے ہر چند روز کے بعد ایک مرتبہ ہموطن کے ساتھ جاتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ خود مقربان درگاہ میں ہوگیا اور ہمراہی کی احتیاج سے مستغنی ہوگیا جب کبھی شوق زیارت ہوتا بغیر راہنما کے تنہا چلا جاتا اور لوٹ آتا۔

ایک روز پھر شوق زیارت نے دامن صبر و سکوت کو چاک کیا تھا آستان بوسی کا ارادہ کیا۔ دربان و حاجب کسی کو نہ پایا بے تحاشا کمرہ میں داخل ہوا۔ جمال نامبارک کوری کے ریچھ کے مانند اُلٹا پڑا ہے اور پاؤں اونچے کر کے دیوار پر رکھے ہیں۔ ایک شخص مقربان خاص میں سے پاس بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ گدھا ایسا نہیں ہوسکتا۔ اور جمال قہقہہ لگا کر ہنس رہا ہے۔ لاابالیانہ اور بے ادبانہ بات میں جو کمینوں اور اوباش سے بھی بعید تھی گرم محبت و صحبت تھے جب یکایک مجھ پر نظر پڑی وظیفہ پڑھنے اور محو ہو کرنے لگے۔ اُس کا ساتھی بڑی جلدی سے اُٹھا اور گردن پر مجھے کہے بڑی غضب آلود نگاہ سے مجھ کو دیکھا۔ خوف سے میرا رنگ اُڑ گیا اور بدن کانپنے لگا۔ فوراً باہر نکل کر ہموطن کی دوکان پر آیا لیکن ذرا سا بھی اشارہ جس میں گردن کا خطرہ تھا ظاہر نہ کیا۔ اس واقعہ کو تین دن گذر گئے۔ تیسرے روز ہموطن میرے پاس آیا اور کہا۔ کیا تو بغیر میرے حضور میں چلا گیا۔ میں نے کہا ہاں۔

کہا۔ کیا تو نے نہیں سُنا ہے۔ نبیؐ کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے، پھر کیوں ترک ادب کیا؟ اور اُسی بات سے جو تو نے دیکھی حضرت نے معلوم کر لیا کہ تیرے دل میں شک پڑ گیا ہے اور واجب ہوگیا کہ تجھ پر حد شرع جاری کی جائے۔ مریدان خاص شاید کل یا پرسوں تک تجھ پر حد جاری کریں گے لیکن تو میرا ہموطن ہمسایہ اور رفیق ہے اور تیرے تین حق میری گردن پر ہیں اس لئے میرا جی نہیں چاہتا کہ میرے سامنے تجھ کو سزا دیں۔ مصلحت یہ ہے کہ پہلے

طاقت مٹی میں بیٹھ گئی ہے۔

جواب دیا کہ یہ فیض عظمٰی اور سعادت کبریٰ جلدی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ بہت سے بڑے بڑے آئے جن کے کوتاہ ہاتھ اس نخل سعادت کے اوپر نہ گئے۔ مدت تک قیام کیا۔ آخرکار بے نیل مرام و ناکام واپس گئے۔

مگر میں ہمسائیگی و آشنائی قدیم کے حفظ کی وجہ سے مستعد ہوتا ہوں کہ بہت جلد تجھ کو اس فیض عظمٰی سے نائل کروں گا۔ روزانہ اُس کی دوکان میں جاکر تاکید اور اصرار زیادہ کرتا تھا۔ چند روز کے بعد کہا۔ کپڑے بدل اور اپنے آپ کو معطر کر کیونکہ آج زیارت جمال سے مشرف ہو جائے گا۔

میں نے بھی سر اور داڑھی منڈائی قبائے خضوع اور ردائے خشوع پہنی۔ دل پیچ و تاب میں اور تن اضطراب میں تھا کہ ٹہلتا ٹہلتا پہنچا۔ دربان ہم کو احترام کے ساتھ اوپر لے گیا۔ حاجب نے پردہ اُٹھایا۔ میرے رفیق نے آستانہ کو بوسہ دیا۔ میں نے بھی اُس کی پیروی کی بڑے وقار اور سکون سے داخل ہوا سجدہ کیا مانند عبد ذلیل کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحہ کے بعد آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر گھٹنوں کے بل جھکا اور زانو کو بوسہ دے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر دروازہ کے سامنے سینہ پر ہاتھ رکھے اور نظریں نیچی کئے بڑے خضوع و خشوع سے قالب بے جان کی طرح کھڑے تھے۔

میں بھی شدت خوف سے نگاہ کرنے کا یارا نہ رکھتا تھا۔ ایک گھنٹہ گذر گیا۔ عربی میں میرے رفیق سے کہا کہ مجھ سے فارسی میں کہہ دے کہ جو زحمتیں اور مشقتیں زیارت کے راستہ میں تو نے اُٹھائیں مقبول درگاہ اور ہماری رضا کا سبب ہوئیں اور تو ہمارے آستانہ کے مخصوصین کے زمرہ میں شمار کیا جائیگا۔ پھر کہا۔

یہ اُس کی زیارت کا قصد دریا میں فنا کی گرد باد کے تلاطم سے دو سو شخصوں کی نجات کا باعث ہوا کہ اگر وہ کشتی میں نہ ہوتا تو کشتی ٹوٹ جاتی اور تمام ساکنان کشتی قلزم بیکران میں نیست و نابود ہو جاتے مگر چونکہ اُس کی توجہ ہماری جانب تھی لہذا کشتی کو غرقاب بحر بے پایاں سے ہم نے نجات دی۔

اثنائے گفتگو میں میری نیچی نگاہ بولنے والے پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص درویش تنومند شراب کا مٹکا بیٹھا ہے مگر اُس کے بیانات کی وجہ سے کہ حقیقتاً دریا میں تلاطم اور گرد باد ہو گیا تھا یہاں تک کہ ہم اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے تھے میرا اعتقاد اور اخلاص زیادہ ہو گیا۔ واقعاً میں بھی کشتی میں تہ دل سے متوسل ہو گیا تھا۔ اس کو معجزہ اور خرق عادت سمجھ کر ارادت و بندگی میں مضبوط

اُن لوگوں میں سے ہیں جو عکہ سے آئے ہیں۔ میں خوش تھا کا اپنا قصہ آپ سے بھی بیان کریں گے تاکہ آپ بھی اس فیض سے محروم نہ رہ جائیں۔ اس کے بعد نے مہمان سے خطاب کر کے کہا۔ میری جان کی قسم۔ بیگ سے وہ حالات بیان کرو۔ مہمان نے بہانہ کیا کہ خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑو۔

کہا۔ میری جان کی قسم سب بے کم و کاست اوّل سے آخر تک بیان کرو کیونکہ بیگ اس قسم کے حوادث سننے کا بہت مشتاق ہے۔ کہا بھائی۔ مجھے نہ چھوڑو گے؟ کہا نہیں۔ تمہاری جان کی قسم۔ سب بیان کرو تاکہ بیگ سُنے۔ کہا اب زبردستی ہے تو یا علی یا مدد کہتا ہوں اور پھر اس طرح کہنا شروع کیا۔

یزد میں چند کمینے شخص ہیں کہ ہر روز ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ اُن میں سے بعض میرے دوست ہیں۔ مجھے اس قدر بہکایا کہ مجھ کو بھی اپنی لڑی میں لے لیا۔ ہر روز جمال مبارک کی تعریف و توصیف کرتے تھے اور حدیثیں بیان کرتے تھے اور افسانے کہتے تھے۔ آخر کار مجھ کو نادیدہ مرید بلکہ جمال مُبارک کا عبد عبید بنا دیا۔

اُن کے بہکانے سے اپنے چھوٹے بھائی کو دوکان میں چھوڑ کر حجاج کے ساتھ مکہ کے ارادہ کے بہانے سے عکہ کو روانہ ہو گیا بکمال انبساط اور بڑے شوق اور اخلاص مالا کلام کے ساتھ عدسہ کے راستہ سے اسلامبول کو اور اسلامبول سے یافہ کو اور وہاں سے عکہ پہنچا۔ چند ہموطن بھی وہاں موجود تھے جن میں سے ایک میرا ہمسایہ بھی تھا۔ وہاں مقیم تھا اور خوردہ فروشی کی دوکان رکھتا تھا۔ میں اس سے ملا اور پہچان بتائی۔ پہلے تو مجھ کو نہ پہچانا پھر میں نے اُسے مکان کا پتہ بتایا جب اُس کا اور اپنا نام و نشان بتایا تو کہا کہ پہچان لیا۔ جاننے پہچاننے کے بعد مزاج پُرسی کر کے کہا صد ہزار شکر اگر دُنیا نہیں رکھتا ہوں۔ اور آخرت نہیں رکھتا ہوں۔ مگر ایک دفعہ جمال مبارک کی زیارت دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ یہ دُنیا و عقبیٰ کی سعادت بڑے بڑے مالدار اور باعزت لوگوں کو میسر نہیں ہوتی ہے جو مجھے ہے۔ وہ جس قدر یہ راگ لاپتا تھا میرا شوق اور اخلاص بڑھتا جاتا تھا۔ میں نے بھی یزد والی جماعت کا حال اوّل سے آخر تک کہا۔

پوچھا کہ ہماری یہ نیک جماعت کتنے آدمیوں پر مشتمل ہے؟

میں نے کہا سو سے زیادہ ہیں۔ مگر بندہ نے جمال مبارک کے فیض حاصل کرنے کے لئے یہ زحمتیں اُٹھائی ہیں اور مشقتوں کے زہر چکھے ہیں جب کہیں آستان فیوضات پر پہنچا ہوں۔

مستدعی ہوں کہ شہد زیارت سے میرے مذاق کو شیریں فرمائیے گا کیونکہ جس قدر جلد ہو بہتر ہے۔ کیونکہ میرا سفینۂ صبر و توانائی گرداب بے صبری میں ٹوٹ گیا ہے اور زورق

روپیہ کھیچو کہ آنے لگے۔ اُس کے ایڈیٹر کا حق ہم ایرانیوں پر بہت ہے۔ اُس کے وجود کی قدر جاننی چاہیئے۔ کاش ایران میں تمام ممالک کی طرح اس قسم کے سینکڑوں متین اخبار قوم کے ناصح ہوتے۔ کیا فائدہ کہ ہم میں انصاف نہ حمیت اور نہ قدر شناسی ہے۔ تمام جبروں کو اخبار نویسوں یعنی عقلمند اور باتمیز نامہ نگاروں اور باہنر حکیمان سخن سنج نے خوش بخت قوم کے سامنے رکھ دیا ہے اور قوم کے ادنے اور اعلیٰ کی بہبودی کو رشتہ سخن کے ساتھ جس کو مضبوط بٹا ہے اُن کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور حیرت و شقاوت کے جنگل سے نکال کر دانائی اور سعادت کے شاہراہ پر ڈال دیا ہے اور بڑے بڑے کاموں کی اصلاح کر دی ہے ایک ناصح اخبار کی کوشش اور ایک دانشمند ایڈیٹر کی خدمت وطن اور اپنے اہل وطن کے لئے سینکڑوں خوش تقریر و خوش بیان واعظوں کے منبروں کے وعظوں سے اور میدان حرب کے دس مجاہد اور صفدر سرداروں سے زیادہ موثر اور سودمند ہے۔ اور ایک اخبار نویس اور مدیر باتدبیر و خوش تقریر کا احترام ممالک متحدہ میں سو واعظوں سے زیادہ ہے اور اُس سلطنت کے صدر اعظم سے کم نہیں ہے۔

افسوس بلکہ ہزار افسوس کہ سلطنت ایران میں اس قسم کے محترم اور با ایمان اشخاص کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اور مکار اور درویش افسانہ خواں سمجھتے ہیں اور یہ گناہ ایران کے بعض بوسیدہ ورقوں کے مالکوں کی گردن پر ہے جو اپنے آپ کو ان صفات سے لوگوں میں جلوہ گر کرتے ہیں اس لئے کہ اخبار نویس کا فرض یہ ہے کہ ایک خطا کار ظالم کی مذمت اور برائی کرے تا کہ اپنے اخلاق کی مذمت اخباروں میں دیکھ کر شاید متنبہ ہو جائے اور اخلاق زشت کے تزکیہ کی کوشش کرے جب کہ برعکس اُس کی غلطیوں کی تعریف اور اُس کو عدالت و حقانیت سے نسبت دے دیا تو خواہ مخواہ اُس کی جرأت کا باعث ہو کر بدبختی سے اپنے اور پر شتبہ ہو جائے گا۔ ہمیشہ اپنے آپ کو ممدوح چاہے گا اور اپنی برائیوں میں اضافہ کرے گا بے شک اس مدح کرنے والے کا قصور اُس ممدوح سے کہیں زیادہ ہے۔ جب کبھی ذرا سی نظر ایران اور اطلاع کے اوراق پر پڑیگی۔ یہ معما حل ہو جائیگا۔

یارے ابراہیم بیگ کے ساتھ بازار گئے۔ آقا جلیل کی دوکان کے سامنے سے گذرے۔ ہم کو آواز دی اور کہا۔ ابراہیم بیگ تشریف لائیے۔ بعد رسمی تکلفات اور خوش آمدید کے اُس نے ہنس کر کہا۔ ماشاء اللہ۔ آپ نے بڑا کرم کیا اس لئے کہ اس وقت میں آرزو کر رہا تھا کہ کاش آپ تشریف رکھتے ہوتے تا کہ آپ کی صحبت سے ہم فیض اٹھاتے۔ صبح سے اُس وقت تک ہنستے ہنستے انتڑیوں میں بل پڑ گئے ہیں۔

بیگ نے پوچھا۔ کیا بات تھی جو آپ کو میری آرزو تھی؟

آقا جلیل نے بیان کیا۔ چند آدمی کالونن کے کڑوے بھی تھے وہ بھاگ گئے۔ یہ مہمان محترم

میں نے کہا وہ کیا منت ہے جس سے تم نادم ہو؟ کہا میں نے منت مانی تھی کہ تمہارے آرام ہو جانے
کے بعد بی بی کی خدمت میں دف اور دائرہ بجا کر رقص کروں گی مگر سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ اگر ادا نہ
کروں منت پوری ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مجھے شرم آتی ہے کہ بی بی کے سامنے رقص کروں۔ میں نے کہا خود چند
روٹیاں جانوروں کو اور روپیہ فقیروں کو دیدے اور دف و دائرہ جو منت مانے ہیں جا ڈالیوں میں رکھ
لینا۔ اور رقص کرنے کیلئے بھی ایک دن ہمسائی لڑکیوں کو مہمانی کے لئے جمع کر، اُن کے ساتھ دف و دائرہ
بجا کر رقص کر۔ خانم نیچے تھی کہ آواز سُن لیں گی۔ تیری منت پوری ہو جائے گی۔ کہا محمد جان میں لڑکیوں کی
دعوت کروں گی۔ آسان کام ہے مگر اس کے بعد ان سے آمد و رفت اور رسم و ملاپ اور میل جول نہ رکھوں
گی۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اس مدت میں میرے متعلق کیا کیا نہیں کہا اور کیا کیا بہتان نہیں باندھے اور کیا کیا
غیبتیں نہیں کیں۔ بدمزہ اور آزردہ کر دیا ہے خصوصاً حُسن خیفتہ نے تو کیا کیا لغو باتیں میرے
سامنے کی ہیں۔

میں نے کہا۔ تم خود جانتی ہو مجھ کو تمہارے ذاتی خیالات اور عقائد سے سروکار نہیں۔ سنا میں
ابراہیم بیگ کے پاس گیا کہا۔ اخبار لائے؟ میں نے کہا۔ نہیں۔ ابھی نہیں لائے۔ پوچھا۔ یوسف عمو میرا
سیاحت نامہ کیا ہوا؟ میں نے کہا گھر میں موجود ہے۔ کہا اسلامبول میں تمام ہو گیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس
روز تک عمدہ باتیں زندگی میں ممنون ہوا اور دس دن تک گھر سے باہر نہیں گیا۔ حکیم عیادت کے لئے آیا۔
بہت خوش ہوا اور کہا میرا خیال تھا کہ تمام طبیبوں کو تمہارے دیکھنے کے لئے لاؤں مگر خیال کیا کہ شاید تم
پسند نہ کرو۔ میں نے کہا کہ کیا مہمان کو کوئی انکار کرتا ہے حالانکہ ایک پیالی قہوہ سے زیادہ اُن کے لئے زحمت
نہیں ہوتی۔ کون ہے جو ایک قہوہ کی پیالی سے مہمان کو قبول نہ کرے۔ چلا گیا۔ جمعہ کے دن اُن طبیبوں کو جو
ابراہیم بیگ کو دیکھنے آئے تھے جمع کر کے لایا۔ سب نے ابراہیم کی صحت کو دیکھ کر تعجب کیا۔ شیخ یوسف اُن سے
خود ستائی اور خود نمائی کرتا تھا کہ میں نے مرہم آباد والے شیخ الرئیس بوعلی سینا کے اصول پہ مرض کی تشخیص
اور تعیین کی۔ ڈاکٹر رودلف نے کہا۔ آپ کچھ دنوں کے لئے ماریاباد کی آب و ہوا میں چلے جائیے اور تھوڑی
دیر آرام کیجئے۔ اگر وہاں نہیں جاتے ہیں تو ستان یا اسکندریہ چلے جائیے اور کچھ عرصہ وہاں رہئے۔
ابراہیم بیگ نے بڑے غصہ سے کہا "اسکندر کا باپ مرے" چونکہ غصہ سے کہا تھا انگریز ڈاکٹر کو غصہ
آ گیا۔ حکیم صالح نے ڈاکٹر کی دلجوئی کی اور اشارہ سے سمجھا دیا کہ یہ شخص اسکندر کے نام سے چڑھتا
ہے۔ نہیں چاہتا کہ اسکے سامنے اسکندر کا نام بھی لیا جائے۔ القصہ گفتگو کے بعد چلے گئے۔

دس پندرہ دن میں دوستوں اور آشناؤں کی بازدیدیں تمام کئے۔ رفتہ رفتہ تجارت اور
قدیم حساب کتاب میں مشغول ہوا ایک دن کہا کہ کیا وجہ ہے ہمارے پاس حبل المتین نہیں آتا کیا
بند ہو گیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ پار سال میں نے منگایا نہیں انہوں نے بھیجا نہیں۔ کہا ذرا

کیا تم نہیں جانتے ہو اور نہیں پڑھا ہے کہ پیٹر سوم اور الگزینڈر دوم کو روس کے فرمانرواؤں میں سے اور سلاطین آل عثمان میں سے سلطان سلیمان، سلطان مصطفیٰ، اور سلطان عزیز کو خود اُن کی قوم نے نہیں مار ڈالا۔ اور ایران کے بادشاہوں میں سے نادر شاہ اور آقا محمد شاہ کو نہیں قتل کیا گیا۔ یہ دُنیا ہے۔ ابتدا سے یونہی ہوتا آرہا ہے اور ہوتا رہیگا تو اپنے دل کو چاہے رنجیدہ کر یا نہ کر۔ ابراہیم بیگ نے کہا۔ نہیں اس سے کیا سروکار۔ اُن کے لئے تو اپنے وزیروں نے خواہ غلط یا صحیح بہانہ ڈھونڈا یا کم سمجھی اور بے عدالتی سے منسوب کیا۔ یا اُن کے بھائیوں وغیرہ نے اپنی حیات سے خوف زدہ ہو کر جان کے ڈر سے یہ عمل شنیع کیا مثل حرامزادے بدبخت انارکسٹوں کے جنھوں نے بادشاہ اٹلی اور آسٹریا کے بچہ بادشاہ کو اور فرانس کے رئیس جمہوری کو قتل کر ڈالا لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایران میں انارکزم نہیں ہے۔ اس صورت میں اس قسم کی بدبختی اور رسوائی کیا ہے؟

بہرحال اُس کو بہت تسلی دی اور نصیحت کی کہ آیندہ تمام کام رُو بہ اصلاح ہوں گے شاید مشیت ایزدی یونہی تھی شاہ پچاس سال کی حکومت میں بھی صحیح اصلاحات نہ کر سکا یا نکرنی چاہیں یا نہ کرنے دیا مگر جوان بخت بادشاہ سعادت و رستگاری کا دروازہ عام قوم کے لئے کھول دے گا۔ ظلمت کا پردہ جو استبداد اور ولایت فردیتی نے ان کے سامنے ڈال دیا ہے قانون مشروطیت سے اُٹھ جائیگا۔ علم و مساوات کے انوار وطن پرستوں کے دلوں کو روشن اور منور کر دیں گے۔ اگرچہ ان باتوں سے بہت تسلی ہوگئی مگر پھر بھی فکر میں تھا مجھ سے کہا۔ اس خط کا جواب اس مرتبہ بھی تم ہی لکھ دو اور لکھ دو کہ اگر ممکن ہو تو مہینے میں دو مرتبہ خط لکھا کریں۔ میں بھی ورق کے حاشیہ پر چند کلمے اپنے خط میں لکھ دوں گا۔

میں نے کہا۔ بہت اچھا سرکار۔ اسلامبول کے خط کا جواب لکھ دو۔ ان دو سال میں چھ خط آئے ہیں ہم نے جواب نہیں دیا ہے۔ کہا۔ تم دو سال کیسے کہتے ہو۔ دو ماہ سے زیادہ نہیں ہوئے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ دو سال کے قریب ہوتے ہیں۔ کہا۔ کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا۔ عرض کر دیا کہ اس میں خلاف نہیں ہے۔ سر جھکا کر فکر میں چلا گیا۔ گویا اپنے حساب میں دو مہینے بستر پر پڑا رہا تھا۔ بہت متاثر ہوا میں نے گفتگو کی باگ پھیر دی یہاں تک کہ شام کا کھانا حاضر ہوگیا۔ شام سے پہلے مہمان چلے گئے۔

صبح سویرے محبوبہ میرے پاس آئی اور کہا۔ عمو جان۔ آقا کی بیماری میں میں نے منت مانی تھی کہ اگر میرے آقا اچھے ہو گئے اور بازار کو گئے تو ہزار غروش فقیروں کو یعنی ہر ایک کو پانچ پانچ غروش اور سو حقہ نان حیوانات یعنی کُتے بلی کو اور دو بکرے قربانی کر کے ایک مہینہ کے روزے رکھوں گی۔ میرے پاس روپیہ ہے تم کو دیتی ہوں کہ مہربانی کر کے ان کاموں کو پورا کر دو۔ ایک اور بھی منت مانی ہے مگر اُس کے ادا کرتے شرم آتی ہے۔

عزیز السلطان جوکہ کرتا دھرتا ہو رہا تھا اور تمام رعیت اور امرا اس کے افعال سے دل خون اور محزون ہو رہے تھے ملوکانہ ارادہ میں متہور اور دربار فلک مدار سے دور اور مہجور ہو گیا۔ شب و روز اہالی کا دست نیاز خداوند بے نیاز و بے انباز کی درگاہ میں بلند ہے شاہنشاہ عادل و باذل کی دولت و حشمت اور عمر کے دوام کی دعائیں رطب اللسان ہیں اور "زندہ باد شہنشاہ ایران" کہتے ہیں اس کے بعد پندرہ لاکھ تومان بے معنی و شلوق کے خرچ میں خزانہ عامرہ میں داخل ہوا کرے گا مگر میرے اعتقاد میں کام پورے طور سے سرکار کے حسب دلخواہ نہ ہوں گے اس لئے کہ اول تو وہی خود غرض اشخاص دربار میں دخیل ہیں اس کے علاوہ رکاب ہمایوں میں بھی بہت سے ننگے جوان ہیں جو عرصہ سے اپنے روز مسعود کا انتظار کر رہے تھے اور تمام مفلس ہیں اور ایسا دن خدا سے چاہتے تھے اس وجہ سے مراد کے موافق کام نہ ہونے دیں گے البتہ ان بھوکوں اور قدیم امرا کے سیر شکم میں ذاتی اغراض کی وجہ سے نہ کہ خیر خواہی دولت سے ملت سے اختلاف پیدا ہو جائیگا اور ہر شخص اپنے ذاتی منافع کو مد نظر رکھے گا خصوصاً زبان کا تعصب یعنی فارسی اور ترکی کا درمیان میں آئیگا۔ مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ اس دور میں درباربازی اس درجہ ترقی پکڑے گی کہ کسی زمانہ میں دربار ایران نے نہ دیکھی ہوگی یہ اس خرمست سے کہے گا۔ وہ اس فلان پدر سوختہ کو گالیاں سنوائے گا۔ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر قوم و ملک کے ناموس کو برباد کر دیں گے اور اگر موافقت بھی کی تو اس مصرعہ کا "میاں و ساقی موافقت کرلیں گے او اس کی بنیاد اکھاڑ پھینکیں گے" مضمون ہوگا۔ ان سب پر ایک تجربہ کار اور عقلمند اور باایمان افسر کی ضرورت ہے جو ہر طبقہ کے فرض کو ان کے استعداد و قابلیت کے موافق مقرر کر دے۔ اور ہاتھ کو پاؤں سے خطا نہ کرنے دے تاکہ ہر شخص اپنے عہدہ کے فرض کو پہچانے اور اجنبی کو قوم اور ملک میں تجاوز کرنے سے روکے ظاہر ایسا شخص آج کے دن مفقود ہے مگر یہ کہ دست غیب پردہ کے پیچھے سے باہر آ کر نامحرم کے سینہ پر ہاتھ مارے اور تمہارے محترم شخص کو اس کی جگہ کھڑا کر دے۔ جناب یوسف عمو سے مخصوص سلام کہئے۔ باقی ایام عزت مستدام باد۔ ابو الحسن کرمانی۔

خط پڑھنے کے بعد ابراہیم بیگ نے کہا کہ تم تو کہتے تھے بادشاہ نے وفات پائی اور یہ لکھتا ہے کہ مارا گیا۔ پھر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور غم و غصہ کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے۔

کہا یہ بھی ایرانی قوم کی بدبختی ہے کہ بادشاہ کشی میں تمام اقوام عالم میں رسوا ہوئی اور انہیں قصوروار درباریوں نے یہ تاریخی داغ ایرانی قوم کے ماتھے پر لگایا۔ دست تاسف ملتا تھا جب مہدی بیگ نے دیکھا کہ اس کو غصہ آ گیا ہے تو کہا بابا کیا بات ہے؟ بیمار آدمی کو اپنا خیال کرنا چاہئے یہ غصہ کس لئے ہے؟ یہ بات کچھ ہماری ہی قوم پر منحصر نہیں ہر قوم اور ملک میں ہزاروں واقعات اس سے بدتر ظہور میں آتے ہیں۔

گویا اس کی چوٹ تمام ایرانیوں کے دل پر لگی۔ فی الفور شاہ کا کام تمام کر دیتے ہے جناب میرزا علی اصغر ابن السلطان صدر اعظم نہایت دانائی عمل میں لاتے ہیں یعنی بادشاہ کو گاڑی میں سوار کر کے اس طرح لاتے ہیں کہ ایک متنفس کو بھی بادشاہ کی وفات کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ انصاف یہ ہے کہ بڑی عقلمندی کی اور امن و آسایش کے اسباب ہر جگہ مہیا تھے۔ ایسی مسرت عظیم ایسی کدورت جسیم سے۔ اور ایسا عیش منیر ایسے ماتم وفیر سے آن واحد میں مبتدل ہو گیا اسباب عیش کو طیش سے تبدیل کر دیا۔

مگر جیسا کہ بعد میں شہرت ہوئی صدر اعظم خود اس کام میں دخیل تھا اس لئے کہ ایک معتبر شخص نے چہار شنبہ کو صدر اعظم کے نام اس مضمون کا خط لکھا تھا۔

"قربان جاؤں۔ میرزا رضا کرمانی معروف اسلامبول سے مازندراں کے راستہ آیا ہے اور شاہزادہ عبد العظیم میں چھپا ہوا ہے اور موقع کا منتظر ہے۔ یقیناً کوئی بڑا کام نظر میں ہے اور بادشاہ کے شکار کا خیال رکھتا ہے۔ ایران اور ایرانیوں کو اس سے زیادہ بڑا صدمہ نہ ہو گا۔ میں نے سُنا ہے کہ اعلیحضرت ہمایوں کل شاہزادہ عبد العظیم جانے کا خیال رکھتے ہیں۔ ہرگز غافل نہ ہونا کیونکہ میرزا گھات میں اور امیدوار ہے کہ اپنا کام پورا کرے اور ایرانیوں کو یتیم کر دے۔ میں نے خبر پہنچانے کا حق ادا کر دیا" صاحب مکتوب کو معلوم تھا کہ صدر اعظم عمداً اس تحریر کی پروا نہ کرے گا اس لئے تین معتبر شخصوں کو اپنے خط کا گواہ بنا لیا تھا تب یہ خط صدر اعظم کو لکھ کر اُن کے سامنے بھیجا تھا۔ بادشاہ کا کام تمام ہونے کے بعد جب سرداروں اور بزرگوں کے سرتھو پے گئے تو صاحب خط نے صدر اعظم کے منہ پر کہا میں نے آپ سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ صدر اعظم نے کہا کہ میں نے تمہارا خط پڑھا نہیں۔ آخرکار نتیجہ اس بات پر پہنچا کہ خط منگوائیں۔ جب خط لائے تو اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اور یہی سبب ہوا کہ کسی دوسرے سے متعرض نہ ہوا اور صرف اُس میرزا رضا قاتل کو پھانسی دے دی ورنہ صدر اعظم ہوتا تھا کہ اپنے ہزاروں دشمنوں کی شمعوں کو خاموش کر دے۔ جدید شاہنشاہ مظفر الدین شاہ کا قاصد طہران پہنچا شاہ پرستوں نے قزوین تک استقبال کیا۔ بڑے شوق و ذوق سے درود پڑھتے ہوئے دار الخلافہ میں لائے سلام عام ہوا اور مفصل لکچر دیا مضمون کا ماحصل یہ تھا کہ "تمام نوکر صادق اور جان نثار رہو۔ اس کے بعد کسی نوکر دربار کو لقب اور نشان مرحمت نہ ہو گا مگران شاندار خدمات اور جان نثاریوں کے لئے جو ہماری شاہانہ مراحم ہمایوں کی مستحق ہوں گی" ایسی مبارک تقریر نے تمام وطن پرستوں کے لئے خوشی کا دروازہ کھول دیا۔ اُن کی خوشیوں میں خوشی کا اضافہ ہو گیا کامل امیدواری حاصل ہو گئی۔

چند روز کے بعد شاہ ماضی کے عام حرموں کو سرائے سلطنتی سے باہر نکلنے کی اجازت عطا ہو گئی صدہا اہل حرم جن میں سے ہر ایک صاحب خدم و حشم تھی اور جن کا خرچ قوم کے دل کے خون سے تھا۔ انہوں نے گوشہ عزلت اختیار کیا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔

میں خرید لاؤں گا۔ قنبر نے جانا چاہا دوبارہ بیان کیا۔ قنبر۔ احتیاطاً کچھ زیادہ ہی تیار کرنا۔ کہا ہاں۔ دوبارہ کہا جو کچھ میں نے کہا سب ٹھیک کر لینا شاید مہمان آجائیں۔
قنبر نے کہا۔ بہت اچھا۔ میں نے دیکھا کہ حاجیہ خانم مسکرا رہی ہیں۔ محبوبہ دروازہ کے پیچھے تہقہ لگا رہی ہے۔ قنبر نے تعظیم کی اور چلا گیا۔ اس یکایک شفا سے تمام دوست اور آشنا مسرور و خوشحال ہو گئے۔ عربی اور عجمی دوست اور گاؤں کے آشنا نہایت ہشاش بشاش آمد و رفت کر رہے تھے۔ ایک روز حکیم نے آکر مریض کی حالت کا معائنہ کیا اور کہا کہ حمام جانا چاہئے۔ اس کے بعد جہاں جی چاہے جا سکتا ہے۔ کمزوری بالکل جاتی رہی۔
دوسرے روز گاڑی منگا کر گھوڑے جڑوائے۔ ابراہیم بیگ۔ میرزا عباس۔ مہدی بیگ اور میں سوار ہو کر چلے جو شخص ہم کو دیکھتا تھا کھڑا ہو جاتا تھا اور دائیں بائیں سلام تھے کہ برابر ہو رہے تھے۔ بیگ داہنے اور بائیں ہاتھ سے سب کو سلام کر رہا تھا اور جواب دیتا تھا۔ کچھ دور پھر کر گھر لوٹ آئے۔
حاجی مسعود آج کی ڈاک کے خطوط لائے۔ میں نے لئے۔ ایک طہران کا تھا مشہدی حسن کا۔ پوچھا کہاں سے آیا ہے میں نے کہا طہران سے مشہدی حسن کرمانی کا۔ کہا اس کے علاوہ اور بھی خط لایا تھا۔ میں نے عرض کیا ایک اور یہ دوسرا ہے۔ کہا پڑھو۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ مضمون یہ تھا۔
فدایت شوم۔ مراسم بندگی کے اظہار کے بعد گذارش ہے کہ سرکار عالی کا خط آئے ہوئے مدت ہوئی مگر جواب نہ لکھنے کا سبب یہ ہے کہ سرکار کی کم لطفی سے طبیعت کو آزردگی حاصل ہو گئی تھی۔ سو میرا اخلاص تمہاری مرحمت کا گلہ رکھتا ہے۔ اگرچہ خط پر جناب عالی کی مہر تھی مگر دو کلموں سے دستخط شریف کے ساتھ مجھے سرافراز نہیں فرمایا تھا۔ میری ارادت کے مقابل میں اس قدر سرکار کی کم لطفی بعید ہے۔ بہر حال آج اخلاص باطنی محرک ہوا کہ اپنے وعدہ کو وفا کروں اور ہر مہینے اس ملک کے حالات عرض عالی میں پہنچاتا رہوں۔ چونکہ سرکار یہاں کے حالات معلوم کرنے کے مشتاق ہیں اس لئے بیان کرتا ہوں۔
ماہ ذیقعدہ کی چاندرات سے شاہ مبرور کے پچاس سالہ جشن کے انتظام میں مشغول تھے بدیہی ہے کہ آپ نے تار سے سمجھ لیا ہوگا کہ تمام دول نے مخصوص وزیر تہنیت کے لئے بھیجے تھے۔ جشن میں ایک دن رہا تھا کہ بادشاہ شاہ عبدالعظیم کی زیارت کو گئے۔ ایک شخص میرزا رضا نام جسکو میں کہتے ڈرتا ہوں کہ وہ میرا ہم وطن یعنی کرمانی تھا عرضی ہاتھ میں لئے ہوئے اور عرضی کے نیچے چھ فیر والا ریوالور تھا۔ جونہی کہ شاہ مقابل میں آیا طمنچہ کو خالی کر دیتا ہے۔ گولی ایک دم بادشاہ کے سینہ میں لگتی ہے۔

کہ ایسا بیحس اور بے ہوش آدمی دو دن میں کس طرح بدل گیا اور ہوش میں آگیا۔ حکیم صالح آفندی نے اطمینان بخش کلموں میں کہا کہ اب کسی چیز کا پرہیز نہیں ہے۔ فرحت افزا باتیں کیا کرو اور ایک ہفتہ بلکہ دو ہفتہ تک گھر سے باہر نہ جانے دینا۔ بہرحال دو تین روز اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔ ایک دن دیکھا کہ اپنی قوت پر تعجب کرکے دیکھ رہا ہے اور ادھر اُدھر نظر پھیرتا ہے اور دیکھتا ہے کیونکہ اُس کے ہاتھ مثل قلم کے سوکھ گئے تھے اور کھال ہڈیوں سے چمٹ گئی تھی اور مطلق گوشت کا اس میں نام و نشان نہیں رہا تھا۔ کہا سکینہ۔ چھوٹا آئینہ لاؤ میں نے اشارہ کیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے اور کوئی دوسری بات چھیڑ دی اور وہ آئینہ کو بھول گیا۔ میں نے اُٹھ کر جانا چاہا۔ کہا عمو یوسف ملکی اور غیر ملکی اخباروں میں ایران کے حالات ہوں گے۔ لاؤ میں بازار گیا۔ حاجی محسن آقا نے روزنامہ تاتار ترجمان باغچہ سرائے مجھے دیا اور کہا۔ لے جاؤ اور ابراہیم بیگ کو دو۔ دو ملکی اخبار بھی میں نے خریدے اور لوٹا اخبار ابراہیم بیگ کو دیدئے۔ پوچھا ایران کے حالات ان پر ہیں؟ روزنامہ ترجمان باغچہ سرائے کو کھولا۔ ایران کے حالات ڈھونڈے۔ عنوان ذیل لکھا تھا۔

ترجمہ۔ بادشاہ جدید ایران اعلیحضرت مظفر الدین شاہ نے دربار عام میں ایک نہایت عمدہ لیکچر دے کر فرمایا کہ اب سے میں نشان اور لقب اور خلعت اُس شخص کو مرحمت کروں گا جو قوم و ملت کے لئے خدمات شائستہ کرے گا اور خائن کو بغیر سزا کے نہ چھوڑوں گا۔ ابراہیم بیگ نے اس لیکچر کے سننے کے بعد کہا۔ بے شک مسلم ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ گویا یہ لیکچر ابراہیم بیگ کی بھوک کا سبب ہوا ایک سیگار پی کر چاء مانگی پھر کہا۔ والدہ میں بھوکا ہوں خانم نے کہا۔ بیٹا کیا مانگتے ہو؟ ابراہیم بیگ نے کہا۔ یوسف عمو۔ باورچی کو آواز دو یہاں آئے حاجی مسعود کو میں نے بھیجا۔ وہ آیا اور اپنے آقا کے ہاتھ چوم کر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ابراہیم بیگ نے قنبر سے خطاب کرکے کہا۔ قنبر باسمتی کے چاول ہیں؟ کیوں نہیں جناب؟ فرمایا تھوڑے سے چاول اور کباب پکانا۔ کہا۔ بہت اچھا۔ پھر کہا۔ قنبر۔ بیگن بھی ملتے ہیں۔ کہا۔ ہاں جناب۔ فرمایا کہ چند مسلم چوزے بھی پکانا۔ کہا بہت اچھا۔ پھر کچھ سوچ کر کہا۔ قنبر۔ قیمہ بھی پکانا۔ کہا بہت اچھا۔ قنبر نے جانا چاہا۔ پھر ابراہیم بیگ نے پوچھا۔ تازہ مچھلی بھی ملتی ہے۔ کہا۔ ہاں اور حکم دیا کہ چند عدد تازہ کفال مچھلی بھی لینا۔ قنبر سر جھکا کر باہر چلا گیا۔ پھر ابراہیم بیگ نے مجھ سے خطاب کرکے کہا۔ یوسف عمو۔ قنبر کو آواز دو۔ میں نے آواز دی۔ وہ آگیا۔ کہا۔ قنبر کہ دہی کو نہ بھول جانا۔ پھر کہا ہاں۔ حکم دیا کہ چند عدد خربزہ بھی لانا۔

میں نے کہا خربزہ گھر میں موجود ہیں علاوہ اس کے اس کو اچھے کی شناخت نہیں ہے۔

میری جان تیری زبان شیریں پر قربان۔ جان مادر ابراہیم جان۔ محبوبہ روتی ہوئی سیڑھیوں سے گئی کہ سیگار لے آوے۔ مدت دراز سے ایک سیگار کی ڈبیا رکھ چھوڑی تھی۔ فوراً اس کو اٹھا کر جلدی سے آتی ہے کہ سیڑھی میں اُس کا دامن اُلجھا اور معلق ہو کر نیچے آپڑی۔ سیگار کیس ٹوٹ گیا اور سیگار بکھر گئے۔ بیچاری عجیب حالت سے کیونکہ خجالت اور شرمساری کا باعث ہے پڑی ہوئی رو رہی تھی اور گرنے سے بڑی شرمندہ تھی۔ میں نے کہا۔ بابا۔ ہوش میں آؤ۔ اپنے آپ کو گم مت کئے دو۔ تم سب کے سب ایسی ہوشیاری دکھا رہے ہو گویا پہلے سے اس خبر سے مطلع ہی نہ تھے۔ سیگار لے کر میں نے ابراہیم بیگ کو دیا۔

حکیم نے کہا اول چائے لاؤ۔ محبوبہ دوڑی گئی۔ چائے اور بسکٹ لائی۔ میں نے کہا بسکٹ اُٹھا لے۔ کہا نہار منہ سیگار پینا نقصان دیتا ہے۔ میں نے کہا تم اندر جاؤ کھڑی نہ ہو۔ ابھی صبر کرو۔ ہاتھ پاؤں مت پھلانے دو۔ میں نے چائے دی۔ چاہتا تھا کہ چمچہ ہاتھ میں پکڑے۔ لوٹ گیا۔ ہاتھ کانپنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ بے قوت ہے۔ آگے بڑھ کر مدد کی۔ سیگار پی کر کھانسنا شروع کیا۔ حاجی محسن آقا نے کہا۔ حقیقتاً ایران میں بڑا بھاری جشن منایا گیا ہے۔ مہدی بیگ نے کہا۔ بے شک ایسے بڑے بادشاہ کا جس قدر بڑا جشن کیا جائے روا ہے ؎

جوان اور جوان بخت اور روشن ضمیر۔ دولت میں جوان اور تدبیر میں پیر ہے دانش میں
بزرگ ہے اور ہمت میں بلند ہے۔ بازو میں قوی اور دل میں ہوشمند ہے۔

ابراہیم بیگ نے کہا۔ یوسف عمو۔ اخبارات قانون کے متعلق کیا لکھتے ہیں۔ قانون بنایا اور جاری کیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا۔ قربان جاؤں ضرور معلوم ہے۔ گفتگو بڑھ گئی۔ برابر ادھر اُدھر دیکھے جاتا ہے تاکہ معلوم کرے کہ یہ خبر صحت رکھتی ہے یا نہیں۔ رات آدھی گذر گئی تھی مہمان اُٹھے اور ابراہیم سے ہاتھ ملا کر خدا حافظ کہا۔ اُس نے ہر ایک کو سر کے اشارہ سے تسلیم دی۔ حاجیہ خانم نے آکر اپنے بیٹے کو آغوش میں لیا اور بوسہ لے کر پیار کیا اور رونے لگی۔

ابراہیم بیگ نے آہستہ سے کہا۔ والدہ روتی کیوں ہو؟ کیا بات ہے؟ گویا بیچارہ کو کسی چیز کی خبر ہی نہیں۔ محبوبہ اب مجوبہ ہو گئی۔ اندر نہیں آسکتی ہے۔ دروازہ میں سے دیکھتی ہے معلوم ہے کہ رات کو اپنے کمرہ میں سوئے گی۔ سکینہ خانم کو ان حالات کی خبر نہیں۔ شام سے ہی سو گئی تھی۔ میں بھی چلا گیا اور ہر شخص اپنے کمرہ میں آرام میں مشغول ہو گیا۔ حاجیہ خانم ابراہیم بیگ کے کمرہ میں سوئیں۔ صبح کو نماز پڑھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ماں بیٹا آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں چائے اور نان دو آتشہ لائے۔ ہم نے بھی پی۔ ظہر کے وقت حکیم صاحب آئے۔ احوال پرسی کر کے شکر کیا۔ سخت تعجب تھا۔

عورتوں میں شہرت ہے کہ ولیعہد تخت پر بیٹھ گئے بادشاہ ہو گئے۔ میں نے یقین نہ کیا کیونکہ عرب عورتوں کے جعل مشہور ہیں میں نے کہا۔ نہیں۔ گر صنعت نہیں ہے مردوں میں بھی یہ خبر پھیل رہی ہے کہ ولیعہد بادشاہ ہو گئے۔ ایک دم ابراہیم بیگ نے بے اختیار حرکت کر کے میری طرف دیکھا اور کہا "یا حق یا مدد" گویا بولنا چاہتا ہے۔ میں نے اور بات نہ کی اور اُٹھ کر باہر چلا آیا۔ آدمی کو میرزا عباس کے پاس بھیجا کہ حاجی محسن آقا اور مہدی بیگ سے اس بات کا اظہار کریں اور حکیم صالح آفندی کو بھی میں نے خبر بھیج دی کہ وہ بھی آئیں۔ مہمانی کا بندوبست موجود اور تمام مہمان آ گئے۔ میں نے حکیم صالح سے کہا۔ حکیم صاحب۔ آپ کی اور دوسروں کی زحمتوں کا نتیجہ دو سال بعد نکلا یعنی جو کچھ شیخ یوسف البید نے کہا تھا۔ اُس نے پوچھا۔ یعنی کیا؟ میں نے کہا۔ اب ممکن ہے کہ ابراہیم بیگ کو امیر علاؤالدولہ کی مانند جس کو بکری ہو جانے کا مالیخولیا ہو گیا تھا کھلائیں۔ شاید ایک ہفتہ میں دو سالہ بیماری کا بستر طے ہو جائے مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر دفعتہً اطلاع کر دیں گے تو سکتہ عارض ہو جائے گا اور یا زیادہ تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا اور اب اس امر کا پہنچانا آپ کی حکمت پیرائی سے منوط و مربوط ہے۔ صالح آفندی نے کہا۔ اشارہ اور صراحت سے کہنے میں کوئی فرق نہیں اور اس کو نقصان نہیں پہنچائے گی کیونکہ یہ خبر اُس کے درد کی دوا ہے۔

میرزا عباس نے کہا شام کا کھانا کھانے کے بعد سب کے سب ابراہیم بیگ کے پاس چلیں۔ میں کہوں گا بیگ خوشخبری! ایران کے حالات ایسے اور ایسے ہیں۔ حکیم نے کہا۔ شاہ ماضی کے قتل کو نہ کہنا۔ اگر سوال کرے تو کہہ دینا کہ اس کی وفات کا سبب معلوم نہیں۔ الغرض شام کا کھانا کھایا گیا میں نے حاجی مسعود سے کہا۔ جاؤ کہہ دو کہ ابراہیم بیگ کے پاس کوئی نہ رہے۔ اُس کے بعد سب نے جا کر سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ میرزا عباس نے کہا۔ تار تھا جو کل آیا تھا۔ دوسرے نے کہا کہتے ہیں کہ نصف اہالی طہران نے قزوین تک استقبال کیا تھا۔ تیسرے نے کہا۔ اس کے بعد ایران میں بڑی سرعت کے ساتھ اصلاحات ظاہر ہوں گی۔ ایک دم ابراہیم کے منہ سے 'یا حق یا مدد' کی آواز زور سے سُنی گئی میں نے کہا۔ سرکار بیگ حالات سے بیخبر نہیں ہیں۔ واضح طور سے فرمائیے تا کہ واقف ہو جائیں حضرت ولیعہد نے موروثی تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اب شاہنشاہ مظفرالدین شاہ کے نام کا سکہ و خطبہ ہے گویا یہ میری گفتگو حضرت عیسیٰؑ کی پھونک تھی جس نے مُردہ میں جان ڈال دی۔ بے اختیار بلند آواز سے کہا۔ یا حق یا مدد۔ بخت یا اللہ۔ اور بڑی ہوشیاری سے میری طرف دیکھتا ہے گویا منتظر ہے کہ حالات پوچھے۔ ہر شخص نے سلطنت کا ذکر شروع کیا ایک دم ضعیف آواز سے پوچھا۔ یوسف عمو۔ کیا ہوا؟ میں نے کہا قربان جاؤں بیس روز سے زیادہ ہوئے۔ کہا یوسف عمو۔ ایک سیگار دو مجھے گا۔ میں نے دیکھا کہ دروازہ کے پیچھے سے حاجیہ خانم کی آواز بلند ہوئی۔ وہ کہہ رہی ہیں

سے اے شخص پچاس برس کی تیری عمر ہوگئی اور تو سو رہا ہے۔ کیا ان پانچ دن میں تو کچھ حاصل کر سکے گا؟

میں نے کہا۔ حاجی مسعود یہ شاعر بیوقوف ہیں۔ اس کو سچ مچ بھیجا ہے یا مذاق کیا ہے۔ بہر حال جو کچھ لازمہ جشن تھا میں نے مہیا کیا ایک عزلی بینڈ باجہ تین دن کے لئے بارہ پونڈ روزانہ دے کر بلایا۔ شربت اور شیرینی اور تمام لوازم مہیا کئے۔ چار دن گذر گئے کہ یکا یک حاجی مسعود نے آکر کہا۔ یوسف عمو۔ کچھ خبر ہے؟ میں نے کہا کس کی؟ کہا تار آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ ایران کو مارڈالا یا مر گیا۔ اخباروں نے بھی خبر لکھی ہے۔ باہر جاکر میں نے دیکھا کہ یہ خبر پھیل رہی ہے کہتے ہیں کہ کونسل خانہ میں بھی تار آیا ہے۔ قونسل کے چپراسی سے ملا اور پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے کہا اچھی خبر نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ جیسا کہ لوگ کہتے ہیں حقیقت میں صحیح ہے؟ کہا ہاں۔ ہم نے جو آرائش کی تھی سب سیاہ کر رہے ہیں۔ اب جا رہا ہوں چند سیاہ کپڑے کے تھان لاتا ہوں وہاں سے واپس آکر میں نے یہ حالات حاجیہ خانم سے بیان کئے۔ کہا اس صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ ہم بھی سیاہ کر دینگے۔ طاق کو ڈھک دیں گے۔ میں نے سب سے منع کر دیا کہ اس قسم کی باتیں ابراہیم بیگ کے سامنے نہ کہیں۔ آدمی بھیج کر باجہ والوں کو خبر بھیجی کہ جو بیانہ اُن کو دیا تھا وہ اُن کا ہے۔ اب ضرورت نہیں ہے۔ نہ آویں ایران کی رعایا جمع ہو کر قونسل خانہ پہنچی۔ تعزیت کی تیسرے روز قونسل کو مظفر الدین شاہ کے جلوس کا تار اس عنوان پہنچا۔

"نئے بادشاہ نے تبریز میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور موکب ہمایوں طہران کی طرف روانہ ہوا۔"

چند روز بادشاہ کا سوگ منانے کے بعد ہر طرف سے لوگوں نے میرزا علی اصغر خاں امیر السلطان صدر اعظم کی بڑی تحسین و تمجید کی کہ کیسا عاقل اور ہوشیار اور باتدبیر ہے کیونکہ ایسے موقع پر ایسے اقدامات عمل میں لایا اور ایسی تمہید کو کام میں لایا کہ قوم اور سلطنت کے امور میں مطلق خلل واقع نہ ہوا۔ تمام رعایا آسودگی کے گہوارہ میں سوئی۔

میرزا عباس آئے کہ چلو ابراہیم بیگ کے پاس اُس کو حضرت ولیعہد کے تخت سلطنت پر جلوس کرنے اور موکب ہمایون کے طہران کی طرف روانہ ہونے سے آگاہ کریں۔

میں نے کہا موکب ہمایون کے پائے تخت سلطنت میں آنے تک صبر کرو۔ چاہئے کہ رفتہ رفتہ اُس کے کان میں ڈالیں۔

دس روز کے بعد میں تنہا حاجیہ خانم کے پاس گیا اور کہا کہ اخبارات ایران کی عمدہ خبریں لکھ رہے ہیں۔ ابراہیم بیگ نے کہا یا حق یا مدد لیکن پہلے کی نسبت زیادہ زور سے۔ حاجیہ خانم نے کہا۔

وہ سب کو مثل نیست و نابود کے سمجھ کر جان و دل سے تمام حواس کے ساتھ اس مریض میں مشغول تھی جو قالب بے رُوح تھا۔ ؎ اگر مجھے قیامت میں اختیار دیدیں کہ تو کیا چاہتا ہے تو کہہ دوں گا کہ دوست مجھ کو دیدو اور فردوس کی تمام نعمتیں تم لے لو۔

محبوبہ کو ایک دوست نے تمام دوستوں سے مستغنی کر دیا تھا۔ ایک دن حاجی محسن آقا آئے اور ہاتھ میں عربی اخبار تھا۔ کہا طہران میں بڑا بھاری جشن منایا گیا ہے۔ میں نے پوچھا کیسا جشن؟ جواب دیا کہ اعلیحضرت ہمایوں ناصر الدین شاہ کا پچاسواں سال جلوس ہے۔ چلو ابراہیم بیگ کے پاس چل کر اخبار پڑھیں شاید خوش ہو کر کچھ کھا پی لے۔ میں نے کہا صبر کرو۔ میں کسی صورت سے بیان کر دوں گا۔

ایک ہفتہ بعد کونسل خانہ علیۂ ایران نے اطلاع دی کہ رعایا جمع ہو۔ میں بھی گیا۔ قونسل نے ایک عمدہ لکچر دیا اور کہا۔

"آج اعلیحضرت قوی شوکت شہنشاہ ایران کے پچاسویں سال جلوس میمنت مانوس کا جشن ہے۔ ایرانیوں کی بادشاہ پرستی تمام ممالک خصوصاً ملک مصر میں شہرۂ آفاق ہے۔ ہم سب پر لازم و واجب ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق گھر اور کمروں اور دوکانوں کو قندیلوں اور چراغوں سے چراغاں کر کے مانند آیہ نور کے رشک وادی طور بنا دے اور باجوں گاجوں کے ساتھ گانے بجانے والوں سے رونق دے تاکہ ممالک خارجہ کے لوگوں کی نظروں میں ممتاز اور سربلند اور تمام دُنیا کے اخباروں میں ایرانیوں کی بادشاہ پرستی اور حمیت و غیرت پہلے سے زیادہ لکھی جائے۔"

چا اور مٹھائی کھائی گئی اور سب منتشر ہو گئے۔ میں نے آکر حاجیہ خانم سے کہا۔ فرمایا کہ کمی نہ کرنا۔ میں سو پونڈ جشن کے خرچ کے لئے دیتی ہوں۔ شال اور قالین اور جو شان و شوکت کے لوازم ہیں مہیا کرو۔ کل مکان کو خوب آراستہ کرنا۔ میں نے مہدی بیگ شاعر کو رقعہ لکھا کہ مناسب حال شعر کہے تاکہ وصلی پر لکھ کر شیشہ کے پیالہ میں رکھ دیا جائے اور وصلی کے پیچھے چراغ رکھ دیں تاکہ باہر سے پڑھا جائے۔ میں خود ہاشم بدوی خطاط کی دوکان پر گیا کہ شیشہ پر خط جلی میں لکھ دے۔

اے اللہ برکت کر ہمارے بادشاہ کے پچاسویں سال جلوس کو طٰہٰ و یٰسٓ کے طفیل میں اور سلطان ناصر الدین کو نصرت دے۔" اور دوسرے شیشہ پر "خسروا پاینده باد" لکھ دے۔

حاجی مسعود بھی مہدی بیگ کے پاس سے آ گئے۔ کہا مہدی بیگ نے جواب دیا ہے کہ یوسف عمو سے کہہ دو کہ اس موقع کے مناسب تو شیخ سعدی ساڑھے چھ سو سال پہلے کہہ گئے ہیں بہتر ہے کہ اس کو وصلی پر لکھ کر رکھ دیں اور ایک کاغذ کا ٹکڑا مجھ کو دیا اور کہا۔ کل میں اُن سے خود ملوں گا۔ میں نے کاغذ کھول کر دیکھا تو مہدی بیگ نے لکھا تھا۔

دیکھی ہے کہ تم سے کہوں گی۔

میں نے کہا۔ خیر ہے۔ انشاء اللہ۔

کہا ایک دن میں محبوبہ کے کمرہ میں گئی تھی اور نماز پڑھی تھی۔ جائے نماز اُٹھائی اور تھپکی کر بچھائی۔ جائے نماز کے درمیان خاک پاک کی تھیلی اور لونگوں کی تھیلی اور ملائم شال کی تھیلی تھی۔ عطر کی بُو مجھے اچھی معلوم ہوئی میں نے خیال کیا کہ پھر یری میں عطر لگا کر رکھا ہے۔ تھیلی کے گوشہ کو جا تو سے کھول کر میں نے دیکھا کہ سر کے بال ہیں تھوڑے سے نکال لئے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جس روز میرے بھائی کا سر مونڈا گیا ہے محبوبہ نے بالوں کو جمع کر لیا ہے تاکہ جادو کرے۔ اگرچہ میں نے والدہ کو خبر نہیں کی لیکن اگر جادو کیا ہوگا تو میں محبوبہ سے بڑا جھگڑا کروں گی۔

میں نے پوچھا تم نے کیا کیا؟

کہا کچھ اس میں سے نکال لئے پھر تھیلی کو سی دیا اور اسی جگہ رکھ دیا تاکہ اُسے خبر نہ ہو۔

میں نے کہا بیٹی محبوبہ جادوگر نہیں ہے اور علاوہ اس کے ایسے مرض کی حالت میں تیرے بھائی پر کیا جادو کرے گی؟ یقیناً اُن کو اپنی جانماز میں رکھ چھوڑا ہے تاکہ نماز کے وقت اُس کو یاد آجائے اور اُس کی شفاعت کے لئے دُعا مانگے۔ اُس کی عقل نے قبول کر کے یقین کر لیا۔

یہ سکینہ بڑی سیدھی سادی لڑکی ہے۔ عشق و محبت کے حالات سے بے خبر۔ اس کے کان میں اتنی بات پڑی ہوئی تھی کہ سر کے بالوں سے جادو کرتے ہیں اس وجہ سے یہ شبہ عارض ہو گیا تھا۔ میں نے کہا خانم سے نہ کہنا اور تو بھی اپنے بھائی کے لئے دُعا کر۔

الغرض اگر محبوبہ کے افعال لکھے جائیں تو معلوم ہو جائے کہ اُس کی محبت کا عالم وہم انسانی سے باہر ہے۔

رات کو میرزا عباس اور بعض احباب ملنے آئے۔ کچھ صحبت متفرقہ ہولی۔ حاجی محسن آقا نے کہا۔ یوسف عمو تمہارے جانے کے بعد روزنامچہ کس نے لکھا میں نے کہا کسی نے نہیں میں بھی اس کے بعد نہ لکھوں گا۔ طہران اور اسلامبول کا خط اُن کو دکھایا۔ میرزا عباس نے کہا۔ خبر اچھی ہے۔ جاؤں ابراہیم بیگ کے سامنے پڑھوں۔ میں نے کہا اگر پڑھنے کے قابل ہوتے تو میں تم سے پہلے ہی پڑھ دیتا۔

خلاصہ یہ کہ اسی طرح ایک ماہ گذر گیا۔ کامل بائیس مہینے تک ایک خاندان چھوٹے اور بڑے پریشان حال اور پریشان روزگار رہتے تھے۔ اور سب سے زیادہ پریشان محبوبہ تھی جس کا بدن رنجور۔ خاطر مشوش۔ افکار پریشان۔ دوستوں اور ہمسایوں کو چھوڑ دیا تھا۔ سب نے اُس کو بھلا دیا تھا اور

کے آثار عتیقہ کا ٹھیکہ سفیر فرانس کے توسط سے فرانسیسی کمپنی کو دے دیا ہے۔ اگرچہ ایرانی قوم ان حالات سے بے خبر ہے مگر جو لوگ کہ اس قسم کی چیزوں کے بُرے نتائج سے واقف ہیں وہ بحر غم و الم میں غوطہ ور ہیں کہ وہ تمام ہمارے اجداد کے لاانتہا موروثی خزانے جن کو مادر وطن نے اپنے شکم میں برسوں سے ایرانیوں کے لئے محفوظ رکھا اور کروروں روپیہ قیمت رکھتے تھے فرنگی کی ایک آواز میں دے دیے۔ اس خزانہ کے عوض میں میرزا علی اصغر خان صدر اعظم نے پندرہ ہزار تومان اپنے واسطے لئے اور اُس کا ٹھیکہ دیدیا اگرچہ یہ شرط ٹھیری ہے کہ سلطنت کو بھی اس میں سے ایک حصّہ دیں گے۔

مگر یہ امر مسلّم ہے کہ ایک انگلی اس شخص کے منہ میں دے دیں گے جو سلطنت کی جانب سے نگرانی کرے گا اور کام تمام ہوجائیگا لیکن غیر تمندان وطن آثار عتیقہ کی دریافت کے لئے خاک ایران کو کھودنے میں ایسے ممنوع ہیں۔ جیسا کہ ممالک قانونی میں آدمی انسان کا سینہ چیرنے اور اُس کا جگر نکالنے میں۔ اس ٹھیکہ کے مقابل میں سو رحمتیں ہیں تمباکو نے رژی کے ٹھیکہ میں چونکہ اس معاملہ میں ہر پیرہ زن دعوئیں کے صرف کا حق رکھتی تھی عیوق تک فریاد پہنچادی مگر اس کو کسی نے اپنا حق نہ سمجھا سلطنت اپنی جہالت کی وجہ سے اُس کا مصرف نہیں رکھتی تھی۔ کاش کہ اُس کو دے دیتے اور اس کو چھوڑ دیتے تمام عقلمند جانتے ہیں کہ ایران کی کس قدر ثروت و دولت اس ٹھیکہ کے دینے سے برباد ہوگئی۔

بہر حال گذشتہ پر افسوس کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ مستدعی ہوں کہ کم سے کم ہر مہینہ سرفرازنامہ سے یاد و شاد فرماتے رہئیے میں بھی خط لکھنے میں کوتاہی نہ کروں گا۔ جناب آقا یوسف عمو کی خدمت میں عرض اخلاص مندانہ پہنچاتا ہوں۔ باقی ایام عزت مستدام باد۔

میں حاجیہ خانم کے پاس گیا اور عرض کیا۔

اسلامبول سے تین خط آئے۔ ہم نے کسی کا جواب نہیں دیا بڑی بُری بات ہے۔ ہم سے بہت محبت ہوگئی ہے اور پریشان ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم جواب دیں۔ آپ کیا فرماتی ہیں؟ اس کے علاوہ طہران سے بھی خط آیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جواب میں کیا لکھوں گا۔ فرمایا کہ اسلامبول کو لکھ دو کہ وہی حالت ہے جو تم نے دیکھی تھی۔ مگر طہران کو میری سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھنا چاہئیے۔

میں نے کہا۔ طہران کو بھی ابراہیم بیگ کی طرف سے لکھ دوں گا اور اس کے دستخط اور مہر کردوں گا۔ خانم کے پاس سے باہر چلا گیا۔ سکینہ خانم میرے پاس دوڑی ہوئی آئی اور کہا۔ چچا یُوسف۔ یہاں آؤ مجھے تم سے کام ہے۔ میں کمرہ میں گیا بیان کیا۔ چچا یوسف میں نے دو مہینے ہوئے ایک بات دیکھی ہے اور کسی سے نہیں کہی حتیٰ کہ والدہ سے بھی۔ اپنے دل میں پوشیدہ

عود کو ہاتھ میں لئے ہوئے یا حبیبی یا سیدی کی آواز بلند کرکے گا رہی تھی۔

ترکی غزل کو محبوبہ بڑے سوز کے ساتھ گا تی تھی۔ میں اگرچہ خود بھی جانتا ہوں کہ بڑا بے ذوق اور بدھا اور منحنی شخص ہوں مگر اس کی جانسوز اور شور آمیز صدا میرے تمام رگوں میں سرایت کر رہی تھی۔ بڑی جدوجہد کے ساتھ میں نے اپنے آپ کو روکا کہ غش نہ آجائے اور بیہوش نہ ہو جاؤں۔

لیکن ابراہیم بیگ مظلومانہ نگاہ سے دیکھ رہا تھا اور اس میں مطلق نہ حرکت تھی نہ جنبش۔ یہ اسکو دیکھ رہی تھی نالاں و گریاں۔ وہ اس کو دیکھتا تھا ساکت و حیران۔ میں نے سر پر سے کلاہ اُتار کر زمین پر دے ماری۔ اور ہائے ہائے کرکے رونا شروع کر دیا۔

حاجی مسعود آئے کہ کیا معاملہ ہے؟ دیکھا کہ محبوبہ عود بجا رہی ہے۔ تعجب کیا۔ پھر محبوبہ نے یہ گیت گانا شروع کیا۔ درمیان میں عود بھی بجا رہی تھی۔ اُس کو سُن کر میں ایسا متاثر ہوا کہ میرے دل میں اضطراب پیدا ہو گیا۔

(۱) اگر تیری پابوسی میسّر آجائے تو سر و جان سے گذرنا سہل ہے۔ (۲) جس نے ہجر کی مصیبت نہیں اُٹھائی وہ وصال کی قدر کیا جانے (۳) میرے مذہب میں وہ شخص زندہ ہے جو دوست کے رستہ میں قربان ہو گیا۔

افسوس ہے اُن لوگوں کے حال پر جنہوں نے ان عالموں کی سیر کی ہو اور بلائے عشق میں مبتلا ہوئے ہوں جو نہی کہ محبوبہ کی حالت کو نظر میں لائے ہوں اور اس کی عالم عشق کو سمجھے ہوں بے شک ممکن نہیں ہے کہ اس بلا دیدہ اور محنت کشیدہ لڑکی کے غم و اندوہ میں شرکت نہ کریں اور آنکھوں سے خون کے آنسو نہ برسائیں۔

الغرض عاشق مجنون کو سوز و گداز سے افاقہ ہوا اور کثرت نالہ نے اُس کے دل پُر درد سے کدورت رفع کی میں اُٹھ کر چلا گیا پوسٹ مین آیا۔ تین چار خط لایا۔ ایک کے اوپر ایران کا ٹکٹ دیکھ کر اُس کی مُہر کو دیکھا جس تھا۔ معلوم ہوا کہ مشہدی حسن کرمانی کا ہے۔ خط کھولا۔ اُس کا مضمون یہ تھا۔

از طہران الی مصر۔ بنظر جناب مستطاب ابراہیم بیگ مشرف شود۔

فدایت شوم۔ بندگان عالی کے سفر کو پندرہ مہینے گذرے۔ اگرچہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ہر مہینے ایک مرتبہ طہران کے حالات عرض عالی میں پہنچاتا رہوں گا مگر چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مسافر کے پیچھے سے خط نہیں بھیجتے ہیں اور ضروری ہے کہ اوّل مسافر خط لکھے۔ اس وقت تک جناب عالی کی جانب سے کوئی خط نہیں آیا۔ بہت انتظار اور تشویش ہے۔ مستدعی ہوں کہ کبھی کبھی سلامتی حالات خیریت علامات لکھتے رہیں گے۔

کوئی قابل تحریر حال نہیں ہے جو زحمت کا سبب ہو مگر یہ کہ چند روز قبل شوستر اور ہمدان

میں نے کہا جس دن حمام یا کسی اور جگہ جائیں تجربہ کر کے دیکھوں مؤثر ہوتی ہے۔ یا نہیں۔
کہا سکینہ خبر کر دے گی۔ میں نے جواب دیا کہ میں ذمہ لیتا ہوں خبر نہ کرے گی۔
کہا بہت اچھا۔ جب کبھی بی بی کہیں جائیں گی تو میں تیار ہوں گا نے بیانو بجانے ستار اور سنطور بجانے یہاں تک کہ رقص کرنے کیلئے اور مسخرہ پن کرنے کیلئے۔ چاہے کھڑکی سے نیچے کود نا ہی کیوں نہ ہو مگر کاش اس کی صحت کے لئے نافع ہو جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے۔ میں کمی نہ کروں گی۔
چند روز گذر گئے۔ ایک دن حاجی مسعود آیا۔ گاڑی بان سے کہا گھوڑے جوڑ۔ میں نے پوچھا کیا کرو گے؟
کہا۔ خانم راس الحسین کی زیارت کو جا رہی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آج موقع ہے۔ گاڑی تیار ہو گئی۔
حاجیہ خانم نے کہا۔ سکینہ چل ساتھ چلیں تو بھی اپنے بھائی کے لئے دُعا مانگ۔ شاید تیری دُعا قبول ہو جائے وہ تو سوار ہو کے چلے گئے۔
محبوبہ نے کہا۔ اگرچہ حاجی مسعود نہیں کہیں گے مگر احتیاطاً تم کہہ دو۔
میں نے کہا۔ بسر و چشم۔ اوپر گئی اور عود و قانون لا کر کھڑی ہو گئی اور کہا۔ یا سیّدی وحبیبی۔ تم خود جانتے ہو کہ تمہاری کنیز اُن بے شرموں میں سے نہیں ہے کہ تمہارے سامنے مسکرائے بھی پھر اسباب موسیقی کا ہاتھ میں لے کر بجانا تو کیسا۔ اور آپ کے سامنے آواز بلند کرنا تو کجا۔ میں آپ کے وجود مبارک کی صحت و عافیت کے لئے خودداری نہیں کر سکتی ہوں۔ میرے آقا نو مہینے سے میں آپکے قدوم اشرف کی منتظر اور چشم براہ تھی اور آپ کے فراق میں اپنے اوپر خواب و خور حرام کر دیا تھا اور اب جبکہ فراق کی تاریک رات صبح وصل سے مبدل ہو گئی ہے۔ . . . . . فراق کی حالت سے زیادہ مجھے مایوسی میں گھلا دیا ہے اور روز روشن کو اپنی کنیز ناچیز پر تیرہ و تار کر دیا ہے۔ برابر اس قسم کی باتیں کئے جاتی تھی اور ابرنیساں کی طرح اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عُود کو اُٹھا کر اُس کے دل پر درد کی تہ سے آہ سرد بھر کر گانا شروع کیا ؎ نہ مجھ میں تیرے وصل کی طاقت ہے اور نہ تیرے ہجر میں صبر ہے تیرا ہجر بلا ہے۔ تیرا وصل بلا ہے۔ کاش میں تجھ پر نثار ہو جاؤں۔
یہ گا کر ابراہیم بیگ کے سر کے گرد طواف کیا اور اُس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ مگر کیسا بیٹھنا اُس کے لب برگ گل کی مانند تھے جو ہوا کے تند جھونکوں سے کانپ رہے ہوں۔ اُس کے ہاتھ بیکار ہو کر خود بخود حرکت کر رہے تھے اور تمام اعضا و جوارح بید کی مانند لرز رہے تھے۔ چہرہ کا رنگ زرد پڑ کر شل سرخ پھول کے آفتاب عشق کی تابش سے پژمردہ ہو گیا تھا۔ زار و نزار گریان و نالاں

ہفتہ بعد حاجیہ خانم نے مجھ سے کہا میرزا یوسف ایک سفر ناتا کا تو کرو۔ فلاں فلاں کا وعدہ
آپہنچا ہے اُن کو وصول کرو۔ اگر عذر کریں کہ ہم نے روئی بھیجی ہے تو وہاں قیام کرکے جانوروں
کو فروخت کرو اور دوبارہ معاملہ کی تجدید کرو کیونکہ جیسا کہ معلوم ہوتا ہے ابراہیم بیگ
اس قدر جلد تندرست نہ ہو سکے گا کہ کاموں کو انجام دے سکے۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ سفر
کے اسباب کا بندوبست کرکے میں آیا ابراہیم بیگ کو بوسہ دیا حاجیہ خانم سے التماس کیا کہ
مجھ کو ابراہیم بیگ کے حال سے بے خبر نہ رکھے۔ محبوبہ کو بھی تسلی دے کر میں عازم مقصد ہوا۔
جانے کے دن سے واپسی کے دن تک ساڑھے چار مہینے ہوئے کیونکہ حاجیہ خانم کے فرمانے
کے بموجب روئی کی فروخت کے وعدہ تک میں وہاں ٹھیرا رہا۔ روئی کی فصل خوب تھی مگر خریدار
وقت پر نہ آیا لہٰذا چند شخصوں سے روپیہ اور بعض سے تجدید معاملہ کرکے اور رسید لے کر واپس
آیا۔ روپیہ اور رسید حاجیہ خانم کو دے کر ابراہیم بیگ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہی رفتار بیڈھنگی
ہے۔ وہی رنگ ہے وہی رویہ۔ میں نے جاکر ہاتھ ملایا۔ گریہ گلوگیر ہو گیا مگر خودداری کرکے
ہنسی اور مذاق شروع کیا۔ میں نے کہا۔ محبوبہ خانم بیگ زبان حال سے یہ شعر گا رہا ہے۔
؎ اگر میرے سرہانے طبیب کی طرح سے بیٹھے تو اس بیماری کی لذت کو دونوں عالم
کے بدلے میں بھی نہ دوں۔

محبوبہ نے کہا۔ چچا جان! کاش ایسا ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے ؎
یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے غلط ہے کیونکہ میرا دل رنج
سے خون ہو گیا اور اس کے دل کو خبر بھی نہیں۔

اگر اس پانچ چھ مہینے کی مدت میں محبت کی کن انکھیوں سے بھی میری طرف دیکھ لیتا تو میری دُنیا و
آخرت کیلئے کافی تھا اُسے خبر تک نہیں کہ میں ہوں یا بی بی سکینہ خانم ہیں۔ یا یہاں کوئی ہے بھی یا نہیں
اور کبھی سوائے یا حق یا مدد کے کوئی دوسرا حرف یا کلمہ اُس کی زبان سے سُنا گیا ہو۔

میں نے کہا۔ محبوبہ خانم یہاں آ اور ایک کام کر۔

کہا۔ کیا کروں؟

میں نے کہا۔ اس بات میں کہ تیری آواز رُوح پرور ہے کوئی شک نہیں ہے۔ کسی روز عود
لے کر اس کے سامنے بجا اور گا کیونکہ موسیقی اور خوش آوازی تمام مزاجوں میں تاثیر خاص
رکھتے ہیں خصوصاً مریض کے مزاج میں۔ شاید وہ حرکت میں آجائے ؎ شیریں دہن اور
شیریں لب اور شیریں کلام سے جو آواز خوش آتی ہے وہ دل کو لبھا لیتی ہے چاہے وُہ گاتے
یا نہ گائے۔ کہا اطاعت کروں گی بشرطیکہ بی بی گھر میں نہ ہوں۔

صوبہ کو بیچنے کا پیشہ کر لیا ہے الحمد للہ والمنہ کہ اُس کام کا انجام شر پر ختم نہ ہوا۔

غرض میرے سر میں بہت درد ہے۔ میں نے کبھی اس قدر بک بک نہ کی تھی۔ چونکہ مارسلیز میں چند نوجوان ایرانی ہیں جو اپنے آپ کو یقینی عالم سمجھتے ہیں بیکاری کی وجہ سے ہر شب کو ہم میں یہ جنگ و جدل کی گفتگوئیں رہتی ہیں۔ میری رائے اُن کی رائے سے جدا ہے یہ وجہ ہے کہ ہم کو فضول بکنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ حاجی محسن آقا نے کہا۔ سرکار خان حقیقتاً اگر تین دن اور رات اس بات کا ذکر کئے جائے تو میں سننے کیلئے تیار ہوں۔ واقعی بڑے لطف سے گذری۔ خلاصہ یہ کہ چائے پینے کے بعد ایک بج چکا تھا خدا حافظ کہہ کر متفرق ہوئے راستہ میں میں نے رضا خاں سے محبت سے کہا خان حقیقت میں تم نے خوب گفتگو کی۔ ہمارے حاجی محسن آقا بھی اس کے معتقد ہیں کہ ایران میں قانون کا اجرا مشکل ہے۔ عمل میں نہیں لا سکتے۔ جواب دیا۔ بابا جان یہ سب بہانے ہیں۔ ان نظامات کے لئے یہ صحیح ہے کہ بہت سی خونریزی ہوئی اس لئے کہ کبھی رعیت نے قانون سے وحشت کی۔ کبھی روسائے روحانی قانون کے منکر ہوئے اور کبھی سلاطین نے قانون کو اپنے استقلال کے منافی سمجھ کر مخالفت کی۔ آج ایران میں یہ باتیں تجربہ کو پہنچ چکی ہیں کہ سلطنت اور استقلال بادشاہ پارلیمنٹ کے قوانین کے ساتھ سلطنت بربری سے ہزار درجہ عزیز تر باعزت تر اور روشن تر ہے۔ رعیت بھی خوب سمجھ گئی ہے کہ اُن کی سلطنت و مکنت وحال کی بہبودی مجلس قانون سے وابستہ ہے اور علماء بھی متحد ہیں کیونکہ خدا کے احکام و اوامر قانون کے ساتھ خوب جاری ہوتے ہیں اور معطل نہیں رہتے۔ اگر اس کے خلاف رائے دیتے ہیں تو لوگوں میں بدنام ہو جاتے ہیں۔ دشمن اور خود غرض مشہور ہو جاتے ہیں۔ یہاں سوائے ان چند خائن اور بے انصاف درباروں کے کہ جن کی من مانی آمدنی میں قانون سے تنگی واقع ہوتی اور رعیت کے لوٹنے سے باز رہتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں کوئی شخص محبوب القلب اور خدا پسند مقدس قانون مشروطیت کا منکر نہیں ہے۔ یہ سب عذر بے دلیل ہیں۔ جو پیش کرتے ہیں۔ مشکل کر کے دکھاتے ہیں تاکہ لوگ وحشت میں پڑیں اور رغبت نہ کریں کیونکہ اُن کے ذاتی منافع میں نقصان آتا ہے۔

میری نظر میں ایران میں قانون کا اجرا ایسا سہل اور آسان ہے کہ گویا دوڑے جاؤ اور عطار کی دوکان سے گز انگبین خرید لاؤ۔ روٹی پک گئی ہے اور قبا سل گئی ہے۔ چلتے ہو تو کل چلے جاؤ انگریزوں کے قانون کی کتابیں لے آؤ اور ترجمہ کر لو۔ محکمہ قانون کو محکمہ اجرا سے علیحدہ کر کے جاری کر دو۔ جو کچھ لکھا ہے اول آپ اور اپنی اولاد تسلیم کر کے پھر سر تسلیم اس کے آستانہ پر رکھ دیتا ہے ہمارے وزراء اور حکام کا خیال یہ ہے کہ حکم تو آپ دیں اور اُن کا فراش باشی اجرا کرے۔ البتہ اس صورت میں مشکل ہے۔ اب ہم دوراہہ پر پہنچے ایک دوسرے سے جدا ہو کر خدا حافظ کہا۔ دو

ہمارا مالیہ ممکن نہیں کہ اس سے زیادہ ہوجائے کیونکہ اگر زیادہ لیا جائے گا تو ہزار مشکلوں کا باعث ہوگا۔ کس لئے؟ کیونکہ ہم محکمۂ مال نہیں رکھتے۔ ایک وقت تو تم دیکھو گے کہ ہمارے وزراء گویا تعلیم فرنگ کے معتقد ہوگئے اور فرنگستان سے سپاہیوں کے لئے معلم لا رہے ہیں مگر دوسری جانب علم وزارت فرنگ کے منکر ہیں گویا وزارت کے علوم وفنون کو سپاہیانہ مشق سے بھی حقیر جانتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ میونسپلٹی اصول تاتار کے موافق ہونی چاہئے۔ مالیہ مثل چنگیز کے وصول کریں۔ کسی سلطنت میں کوئی بادشاہ مثل بادشاہ ایران کے احکام صادر نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ محکمۂ مال نہیں رکھتا ایران میں کسی عہدہ کا حاصل کرنا کسی شرط سے وابستہ نہیں ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں جو سمجھ سکے کہ سلطنت ایران کس ہنر کی طالب ہے۔ اہل ایران یورپین اقوام سے زیادہ قابل اور ہر علم کی تعلیم کے لئے مستعد ہیں شرائط استحقاق کے مقرر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں جانتے ہیں کہ اپنی استعداد کو کس علم میں ظاہر کریں اور تحصیل علم سے عام لوگوں کے ذوق وشوق میں اضافہ کریں۔ اس بڑے عیب کی اصلاح یونیورسٹی کے قیام سے نہیں ہوسکتی۔ عہدوں کی تحصیل کو مشخص کرنا چاہئے یعنی قانون بنا دیا جائے کہ کوئی شخص فلاں رتبۂ عالی اور منصب پر نہیں پہنچ سکتا مگر فلاں علم حاصل کرکے (علم کے موافق احسان ہوتا ہے) اس قانون کو اگر دس سال تک عمل میں لاکر جاری رکھیں تو دس سال بعد دیکھیں گے کہ خاک پاک ایران میں کس قدر ارباب عقل ودرایت اور عالمان باکفایت وتمیز زندگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ چونکہ علو جاہ ومال سے محبت اور رغبت رکھتے ہیں اور سب چاہتے ہیں کہ دس روپیہ کی تنخواہ کو پچاس تک پہنچا دیں اور پست عہدہ سے اوپر ترقی کر جائیں اگر یہ درجے علم کے وجود کے ساتھ وابستہ ہوجائیں تو ہمارے ہر طبقہ کے اشخاص درجات علمیہ محیر العقول ترقیاں کریں گے مگر اس وقت کہ میرے ایک لڑکا ہے نہ وہ تحصیل علم کی فکر میں ہے اور نہ میں اس کو شوق دلانے کے درپے اس خیال سے کہ کرنیل بن جانا ہزار تومان کے وجود اور فلاں شہر کی حکومت دس ہزار تومان سے وابستہ ہے۔ جو شخص قدرت رکھتا ہے مقصد حاصل کرسکتا ہے ورنہ نہیں اور یہ کوئی تعجب کی جگہ نہیں۔ تعجب تو اس میں ہے کہ باوجود اس حال کے پیرس میں سفیر ہونا چاہتے ہیں۔ مساوات اور معاملات فرنگ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایران میں قانون جاری کرنا آسان اور بلاشک وشبہ مالیات اراضی کو دو سال میں دو کروڑ کیا جاسکتا ہے مگر بشرط تنظیم اور بشرطیکہ ہم ولایت ایران کو محکمۂ تنظیم کے تحت میں لاکر فروخت نہ کریں۔ ایک انگریز فلاسفر اپنے بادشاہ کو لکھتا ہے۔ اگر کبھی تو تنگدست ہوجائے تو اساس سلطنت کو فروخت کردے مگر ضلع۔ صوبہ کو فروخت نہ کر کیونکہ تجربہ ہوچکا ہے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ مگر انگریز فلاسفر نے یہاں غلطی کی ہزار سال ہوگئے سلطنت ایران نے ضلع اور

شعر یاد رکھتا ہے مگر بڑی عاجزی سے رعیت ان سے استدعا کرتی ہے کہ اس عقل کو امورِ سلطنت کی تنظیم میں صرف نہ فرما کے دوسری جگہ صرف فرماتے ہیں۔ اتنے زمانہ تک عقل سے کام لیا اُس کا فائدہ اٹھایا اور لذت چکھی بس کافی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ حاجی میرزا آقاسی عقل نہیں رکھتا تھا اور یا یہ وزیر لوزی ظلماتی تھا۔ میں کہتا ہوں کہ چونکہ علم مملکت داری نہ پڑھا تھا ملک ایران کو برباد کر دیا۔ اب مروت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے وزراء کی عقل پر قانع نہ ہو کر کہ وزرائے خارجہ کا بھی تھوڑا سا علم استعمال کریں مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ ایران منظم نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں کہ محکمہ مال کو منظم کر لیں۔ محکمہ مال کی تنظیم دو باتوں پر موقوف ہے ایک تو یہ کہ ہم اول جان لیں کہ تنظیم لازم لازم فطری ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ لازمی کی صورت میں جان لیں کہ کس صورت سے اس محکمہ کی تنظیم ہو سکتی ہے؟ پھر ان دونوں صورتوں کے سمجھنے کے بعد مطلب آسان ہو جاتا ہے۔ اگر آخری بات اختیار کی جائے تو بعید نہیں کہ ایران اور تیس سال تک تردد میں رہ جائیگا۔ پہلی بات جو ہے تو امرائے ایران ابھی تک اس عدالت کی ضرورت کے منکر ہیں یقیناً وہ اپنے ذاتی منافع کو ملحوظ رکھتے ہیں اور نظام مملکت کے منافع سے نظر بچاتے ہیں۔ اگر محکمہ مال کے ہزار عیبوں میں سے ایک کو بھی سمجھ جاتے تو ممکن نہ تھا کہ اس محکمہ کے تغیر کی خدا سے دعا نہ مانگتے۔ وزرائے ایران میں سے بعض صاحبان غیرت اور طالبان نظم تھے لیکن بجائے اس کے کہ تنظیم کے حالات کو سمجھیں . . . .

. . . . اپنی غیرت و خیالات کو مدتوں فروعات جزئی میں صرف کیا۔ ایران کی تنظیم اس بات کے سمجھنے پر موقوف ہے جو شخص اس اہم بات کو وزرائے ایران کے افکار میں بٹھائے وہ سلطنت ایران کے ساتھ بڑی خدمت کرے گا۔ اس سے انکار نہیں ہے کہ آخر میں بعض ارکین سلطنت نے ایران کی تنظیم کے لئے خیالات عالی کا اظہار کیا ہے اور بامعنی تدابیر استعمال کی ہیں لیکن ان تدابیر کا نتیجہ یا تو یاس انگیز رہا اور یا سلطنت کے نقصان کا باعث ہوا چونکہ ہم منظم محکمہ نہیں رکھتے دس مرتبہ حکم دیا گیا کہ زیادہ نوکر نہ رکھیں۔ اس بارے میں چند مرتبہ شوریٰ اور مشورہ کیا گیا اور قطعی قرار دیا کہ یہ جزئی اور مختصر حکم باوجود ان تاکیدوں کے کبھی عمل میں نہیں لایا گیا معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ بے نظم ہے ہماری محکمہ مال کی وضع ناقص ہے۔

اگر ہم کوئلہ کی کانوں کو کھدوائیں تو سالانہ پچاس لاکھ سلطنت کو فائدہ ہوگا لیکن اس محکمہ مال کے ہوتے ہوئے محال ہے کہ ایک دائرہ کس کا محکمہ بھی ترتیب دے سکیں۔ اگر کوہ کان کو آباد کریں تو ترکمانوں کی تنظیم ہو جائے مگر نہیں ہو سکتی! کیوں؟ اس لئے کہ ہم محکمہ کا انتظام نہیں رکھتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ ہماری فوجیں افواج فرنگ کی مانند ہو جائیں اور مدرسہ معلم سے آئیں محال ہے۔ کیونکہ ہم محکمہ مال نہیں رکھتے۔

اور گنتی قوانین کی باریکیوں کے رموز سمجھنے سے دیدۂ عقل خودبین عاجز ہے اور فکر بلند پرواز اس کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتی حکمائے بامعرفت سمجھدار عقلمندوں نے تین ہزار سال سے اب تک اپنے افکار کے تیشہ سے بڑی دلخراشی کرکے موشگافی کی ہے کہ زمانہ حال کے عقلمند جمع ہوجائیں تو آئین سلطنت کے باب میں ایک سطر بھی اضافہ نہیں کر سکتے اور نہ کم کر سکتے ہیں اور جو کچھ کہیں گے یا تو دائرہ سے خارج ہوگا اور یا مکرر ہوگا ہر قانون سلطنت کی ترتیب میں کم سے کم دو سال لگے ہیں۔ اگر اُن نقصان اور صدمات کا جو قوانین سلطنت کی تاسیس میں ملت فرنگ پر وارد ہوئے حساب کریں تو انگلستان اور فرانس میں اصول قوانین کی ہر سطر پر کم از کم پچاس لاکھ صرف ہوا ہوگا۔ باوصف ان مراتب کے ایک ایرانی ناخواندہ وزیر سامنے بیٹھتا ہے اور آن واحد میں بہترین قوانین فرنگ کو رد کر دیتا ہے۔ زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اُسی مجلس میں قانون فرنگ کے مقابل میں بہتر قانون ترتیب دینا چاہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ فرنگی نظامات کو آسمان سے نہیں لائے ہیں؛ ہم امیدوار ہیں کہ وزرا اس عقل و شعور کو صرف فرما کے تار، ٹیلیفون، فوٹوگرافی اور ایسی ہی چیزیں ایجاد کر دیجئے۔ اگر مجھ میں قدرت ہوتی تو ان باشعور اشخاص کو ایک جگہ جمع کر کے چھ مہینے کی مہلت دے دیتا کہ نوٹ کے معنی تو مجھے سمجھادیں نہ کہ روپیہ اور کاغذ کے۔ اگر ہم کہیں کہ چربی کی بتی بنادو تو کہیں گے کہ ہم روس نہیں گئے اور ہم نے نہیں سیکھا ہے لیکن اگر کہیں کہ ایران جو ایک وسیع اور بڑی سلطنت ہے بندوبست کر دو تو فوراً آواز دیں گے کہ حاضر ہیں اور سب سے بہتر اس کام کا فرض ادا کریں گے اور ان سے پوچھا جائے کہ تم نے شمع بنانے کا علم تو نہیں سیکھا ہے قانون سازی جس کے لئے صدہا علوم کی ضرورت ہے کہاں پڑھی ہے۔ جواب دیں گے کہ عقل کی رُو سے ترتیب دیں گے اور اصل غلطی یہی ہے کہ اپنے آپ کو عقلمند جانتے ہیں درآنحالیکہ اپنی بیعلمی کی تصدیق کرتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اس وقت نہیں سمجھتے ہیں کہ ان مراتب میں علم کی ضرورت ہے نہ عقل کی۔ خداوند عالم باوجود تمام قدرت کے اشیاء کی پیدائش کو علم سے نسبت دیتا ہے۔ نہ قدرت سے۔ کل خلق سے علیم و دانا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ بے علم کے کسی چیز کی خلقت و ایجاد ممکن نہیں۔ اگر ایک قوم کے افراد کی عقل افلاطون سے بھی زیادہ ہو تو بھی بغیر فنون جدیدہ کے نہیں سمجھ سکتے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی اور مجلس کے کیا معنی ہیں؟ پھر ہزار سال تک اُن کے شہر اسی کوتوال کے محکمہ سے تعلق رکھیں گے۔ ایران کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ہمارے وزرا اپنی عقل کو فرنگستان کے علوم وفنون پر ترجیح دیتے ہیں۔

جس وقت وزراء اپنی اس غلطی کی بزرگی کو سمجھ گئے ایک مہینہ میں ایران منظم ہوجائے گا۔ کوئی شبہ نہیں کہ ایران کے وزرا اشخاص عاقل اور ادیب باکمال ہیں اور ہر ایک عربی کے سینکڑوں

کو پہنچیں میں نے کہا۔ اے رذیل بیہودہ اور لغو بکنے والو۔ برس ہو گئے کہ تم اس ملک میں ہو ابھی تک
تم نے ایک فیصدی قانون میخواری کے نہیں سیکھے۔ اس منحوس شکل اور شمائل منفور اور ناپاک زبان
سے تم قانون اور حب وطن کا دم بھرتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ "م۔ ق۔ ع۔ د" کو کاغذ سے
صاف کرنے اور منہ کو شراب سے تر کرنے سے تم انسان کامل ہو گئے۔ ہر دین و مذہب و قوم و ملت
میں ہر قانون کے مروج کرنے والوں کی پہلی صفات امانت و دیانت ہیں اور چاہیے کہ اعتقاد پاک
اور مضبوطی کے ساتھ اپنے دین و مذہب میں قانون کو اپنے آئین کے رواج کے لئے جاری کرے
ورنہ بے دین اور لامذہب کے لئے نہ قانون کی ضرورت ہے نہ نظام کیونکہ بے قانونی اور بے نظامی
کا اول مرتبہ احکام مذہب کو سہل سمجھنا ہے حالانکہ قانون و نظام حفظ شریعت اور محافظت طریقت
اور نگاہداری معابد اور محافظت احکام کتاب آسمانی کے لئے ہیں اور لشکر کی ترتیب جہاد اور دشمنوں
کے حملہ کو دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قانون حب وطن اور اس کی حفاظت
کے لئے ہے تو میں کہوں گا کہ ہرگز سپاہیوں نے بلکہ ہمارے مختلف طبقوں کے اکثر بڑے بڑے
لوگوں نے اب تک حب وطن کا نام نہیں سنا اور اس کے قاعدوں کو نہیں سمجھے اور بالکل ان کیفیات
سے دور ہیں مگر قانون کے نتائج حسنہ وطن کے شامل حال ہو جائیں گے۔ الغرض کلام کا سلسلہ ہاتھ
سے جاتا رہا ہے پھر اپنے مطلب پر آتے ہیں۔ قانون اور اس کا ایران میں اجرا مشکل بھی اور آسان بھی
وہ جو مشکل ہے بلکہ نہایت مشکل اور سخت اور جس کے اجرا کے لئے لاکھوں روپیہ کی ضرورت اور بالکل
قتل نفوس درپیش آتا ہے مگر وہ جو آسان ہے نہ روپیہ کی ضرورت رکھتا ہے نہ کسی کی ناک سے
نکسیر پھوٹتی ہے مشکل یہ ہے کہ اگر وزرائے ایران چاہیں تو اپنی عقل و رائے سے قانون ترتیب
دے کر جاری کر دیں اور آسان یہ ہے کہ اہل مغرب نے دو سو سال زحمت اٹھا کر خون جگر پی کر
جانیں تلف کر کے قانون مرتب کیا اب بڑی فراغت اور سہولت سے اس کو جاری کرتے ہیں
اس کا صحیح ترجمہ کر کے فوراً بعض شقوں کو جو ایران کے منافی ہیں حک و اصلاح کر کے اجرا کر دیں۔

اس بات کی وضاحت کے لئے ایک مشہور شخص کی تحریروں میں سے چند سطریں یہاں
بیان کی جاتی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اصل مطلب سوائے اس کے نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ وہ مشہور
شخص یوں لکھتا ہے۔ اس زمانہ میں ہمارے بعض وزرا خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ سلطنت ایران کی
حفاظت ممکن نہیں ہے مگر قوانین دولتی کی تاسیس سے مگر اکثر بزرگان ایران مطلق نہیں سمجھے ہیں کہ
قوانین کا حاصل کرنا کس قدر مشکل اور کس قدر بڑا کام ہے ان کا خیال یہ ہے کہ صاحب عقل مقتدر ہوتا
ہے کہ اپنی افکار سے قانون مرتب کر کے جاری کر دے۔ میں ان سہو بلکہ خبط کے مراتب کی تشریح
نہیں کرتا ہوں لیکن اتنا عرض کرتا ہوں کہ یہ دائمی اور گشتی قوانین اس قدر باریک ہیں کہ ان دائمی

کہ یوں مت کہو بلکہ یوں کہو کہ فلاں چور قضاوت کرتا ہے ورنہ قاضی چور نہیں ہوسکتا ہزاروں
چور قاضی کے لباس میں مال ملت اور ناموس شریعت کی چوری کیلئے منتظر ہیں۔ اُن کی اصلاح
کرنا دولت وحکومت کے ذمہ ہے مگر امرائے سلطنت کے اعمال اس قدر بُرے ہیں کہ چور
سے ڈرتے ہیں اس لئے کہ اگر کبھی چور سے باز پرس کریں کہ فلاں مظلوم کا حق تو نے کیوں پامال
کیا اور کس دلیل سے فلاں ظالم سے رشوت لیکر فلاں مظلوم کے حق کو باطل کرنے کا حکم دے
دیا تو جواب دے گا کہ اس دلیل و قانون سے کہ تو نے سلطنت و قوم کا حق فلاں اجنبی کے ہاتھ
فروخت کر دیا اور فلاں حاکم جابر و ظالم جس کا ظلم و تعدی تیرے نزدیک مکرر ثبوت کو پہنچا تو نے
پھر تحفہ لیکر فلاں شہر کی حکومت بخش دی۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تیری بے اعتدالیوں کو ایک ایک
کرکے گنادوں سو ۵ نہ ہم سے نہ تم سے۔ چلے جاؤ اور دم نہ مارو۔ یہاں مجادلہ مصالحہ پر ختم
ہوگا۔ اگر ہمارے وزراء دیانت اور تربیت کو کام میں لائیں تو ظلم کی بنیاد اکھڑ سکتی ہے بشمار
حقانی (خدا اُن کی مانند زیادہ کرے) جو حافظ شریعت اور حامی ملت ہیں اگر تقویت دیں
اور قاضیوں کو صحیح لوگوں میں سے مقرر کریں تو نہ سلطنت کی عزت برباد ہوگی اور نہ قوم کا
مال تلف ہوگا۔ تمام عہد آسائش میں ہوئیں اگر اس طرح حالات واقع ہوں۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا چند بیوقوف شخص جونہی کہ ایک پیرس سے دوسرا استنبول سے اور
تیسرا روس سے واپس آیا اور بعض بے سروپا باتوں کو جو اس سے اور اس سے طوطی کی طرح
سنی ہیں قالب میں ڈھالتے ہیں رفتہ رفتہ لوگوں کو دین و مذہب سے آزاد کردیں گے۔ اگر کوئی
شخص اس قسم کے اشخاص کا گریبان پکڑ کر کہے۔ اے نادانوں۔ پانچ سال کے لئے ایران کا
اختیار تمھارے کف بے کفایت میں دے دیا۔ بسم اللہ۔ جو کچھ ہوسکے اصلاح کرو۔ اُس وقت
کیچڑ والے گدھے کی مانند رہ جائیں گے اور بولنے تک کی طاقت نہ رہے گی۔ ایک دفعہ میں ماسکو
میں ایک فرنگی مآب کے مکان پر مہمان تھا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ شراب و گزک رکھے گئے۔
فرنگی مآبوں میں سے ایک نے اٹھ کر لمبا چوڑا لکچر بیہودہ اور بے فائدہ باتوں کا دیا اور صاحب خانہ
کی سلامتی کا جام پیا۔ پھر ہر ایک ارکان مجلس کی سلامتی کا جُدا گانہ جام پیا۔ رفتہ رفتہ غائب
دوستوں اور بھائیوں کی سلامتی کا موقع پہنچا۔ ہر دور میں حُبّ وطن کا ذکر کرتے تھے اور اشعار
پڑھتے تھے۔ ایران میں قانون نہ ہونے کی شکایت کرتے تھے۔ افسوس کرتے تھے۔ دو گھنٹے نہ گذرے تھے
کہ ایک شخص خاموش رہ گیا اور مردہ کی مانند بے حس وحرکت گر پڑا۔ دوسرے کو قے ہوئی اور تمام مجلس
کو ملوث کر دیا۔ تیسرے نے دنگا شروع کیا۔ میں بھی ان مدعیان تہذیب اور طالبان نظام وقانون
کے حرکات و اطوار کی سیر کرتا رہا اور گوشہ میں گھس گیا تھا۔ دوسری مجلس میں اس سے قبل کہ اس حالت

جواب دیا کہ میں حق کے لئے تلوار چلاتا ہوں۔ میں بندہ حق ہوں نہ کہ جسم کا محکوم میں شیر حق ہوں نہ کہ شیر خواہش۔ میرا فعل میرے دین کا گواہ ہے۔

سلطان الاولیا اور خدا کی مخلوق کا بہترین شخص اس طرح برتاؤ اور سلوک کرتا ہے۔ پیر دانش کو مناسب نہیں ہے کہ اُس سرور کے قول و فعل پر اعتراض کرے بلکہ واجب ہے کہ اپنے کردار و رفتار اُن بزرگوار کی مانند بنائیں۔ پس معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والا کسی چیز کا محتاج نہیں ہے مگر نماز ہو نہ یہ کہ سر نیچا اور چوتڑ اونچے کر دئے یعنی خدا کی عبادت کرے۔ خدا کسی کے نماز روزہ کا محتاج نہیں ہے۔ جو کچھ حکم دیا ہے اُس کے بجا لانے میں بندوں کا فائدہ ہے اور جو کچھ منع کیا ہے اُس کے چھوڑ دینے میں بندوں کی مصلحت ہے۔

جاپانی قوم اور سلطنت سے عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ اپنے بُت پرستی کے دین میں کس قدر مضبوط ہیں باوجودیکہ وہ اپنے تمام قوانین فرنگستان سے لائے اور اپنے ملک میں جاری کئے اور ہر چیز پر قادر ہو گئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ذرہ بھر بُت پرستی اُن میں سے کم نہیں ہوئی قانون مُراد ہے اصول مملکت داری و لشکر آرائی اور اخذ مالیات اور حفظ حقوق رعیت اور اجرائے عدالت سے لیکن ہم بیچارے وہاں سے نکالے ہوئے اور یہاں درماندہ "دنیا اور آخرت کا نقصان" نہ قانون کو جانتے ہیں نہ مذہب کی شان کو سمجھتے ہیں۔ شریعت محمدی سے لاپروائی ہے اور بُھلا دی گئی ہے۔

جو گناہ تصور میں آسکتا ہے وہ ہماری مسلمانی میں موجود ہے ورنہ اسلام میں بذات خود کوئی عیب نہیں ہے۔ تمام عیوب ہمارے نفس میں ہیں۔ ہم بالکل نہ مسلمانی سے خبردار ہیں اور نہ اپنی قوم کے طریقوں سے واقف ہیں نہ اپنا حق پہچانتے ہیں اور نہ دوسروں کے حقوق جانتے ہیں ہم کو کسی کی خبر نہیں ہے۔ اگر ہے تو محض قول ہے نہ فعل و عمل۔ جب چند شخص ایک جگہ جمع ہو گئے چند باتوں کے بعد بادۂ ناب کا پیالہ زہر مار کر کے لکچر دیتے ہیں۔ اور افسوس کرتے ہیں کہ ہمارا وطن برباد ہو گیا ہماری قوم پیچھے رہ گئی۔ بعض عمامہ والوں سے خدا کی پناہ کہ عمامہ تو مکر سے غصب کیا ہے اور سوائے مسئلہ طہارت کے اور کچھ نہیں سمجھے بعض مکاروں میں سے ملک و ملت کے حقیقی خراب کرنے والے ہیں۔ کسی سے سننے میں نہیں آیا جو کہے کہ افسوس ہماری سلطنت کمزور ہو گئی۔ کون ہمارے مال و جان اور عرض و ناموس کا حافظ ہے؟ افسوس کہ ہمارے وزراء بحر معائب میں غرق ہیں۔ اپنے عیوب کے ظاہر ہونے کے ڈر سے مصنوعی مُلاؤں کی اصلاح میں مشغول نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ان کا قصہ وہی چور اور قاضی کا قصہ ہے کہ ایک عالم سے لوگوں نے کہا فلاں قاضی نے چوری کی۔ جواب دیا

تشریح کی جائے تو معلوم ہوگا کہ آنجناب کے ان تین دستور العملوں کا اہالی فرنگ نے ہوبہو ترجمہ کرلیا ہے اور عمل کیا ہے اور اس نیک بختی اور سعادت کو پہنچ گئے ہیں۔ ہمارے سر پر خاک کہ اپنا نام مسلمان رکھتے ہیں اور اُن کو قانون فرنگی بتاتے ہیں۔ پانچ روز فرنگستان میں رہ کر احکام شریعت کے حقائق کو نہ جان کر اپنے مذہب آئین پر اعتراض کرتے ہیں اور شریعت مطہرہ کو اس طرح قانون کے خلاف قرار دیتے ہیں کہ اگر اس پر عمل کریں تو چاہئے اس کو چھوڑ دیں یا تیس ہزار مسائل شریعت سے مٹا کر پھینک دیں۔ اگر ہم میں ذرہ بھر بھی سمجھ ہو تو جان جائیں گے۔ وہ نماز جس کا ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ پانچ وقت پڑھیں اگر صحت و درستی سے جیسا کہ حکم ہے بجا لائیں تو پھر ہم کو قاضی و حاکم و دار و غہ اور فراش کی ضرورت نہ رہے گی اس لئے کہ اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے کہ "نماز فواحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے"۔

نماز پڑھنے والا لوگوں کے مال میں دست درازی نہیں کرتا ہے۔ اس کی جاہ و جامہ غصب کیا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر مقروض ہے تو نماز سے پہلے ادا کرتا ہے کہ بغیر قرض ادا کئے باوجود استطاعت کے نماز درست نہیں اور اُس شخص سے جو قرض کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو ہرگز مطالبہ نہیں کرتا ہے اور لوگوں کو نیکی کی ترغیب اور خلاف طریقہ سے منع کرتا ہے۔ مساوات و مواسات کو پیشہ بناتا ہے۔ غرور کی چادر بدن سے اُتار پھینکتا ہے تواضع اور انکساری کی قبا پہن لیتا ہے۔ بندہ اور آقا پادشاہ و گدا کے ساتھ ایک طریقہ کا برتاؤ کرتا ہے۔ دروغ گوئی اور مردم آزاری سے ڈرتا ہے بلکہ کسی ذی رُوح پر آزار و جفا جائز نہیں رکھتا۔ اگر انسان انسان ہو تو انسانیت کے مقام کے سرمو خلاف نہ کرے اس لئے کہ خدا اور رسول کا حکم مساوات کا ہے نوع بشر پر فضیلت چاہنے کو شریعت نے منع کیا ہے۔ مومن بھائیوں کے ساتھ ہمرنگ ہو۔ شرع محمدی قیامت کے دن تک ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ مولوی رومی نے مثنوی میں خوب فرمایا ہے ؎ حضرت علیؓ سے اخلاص و عمل سیکھ اور شیر حق کو مکر و فریب سے پاک سمجھ جہاد میں ایک پہلوان پر قابو پایا اور جلدی سے تلوار لے کر اُس پر جھپٹے تاکہ اُس کا سر بدن سے جُدا کر دیں۔ اُس نے غصہ میں اُن پر تھوک دیا جب اُس نے حضرت علیؓ کے منہ پر جو ہر ولی کے فخر کا باعث ہیں تھوکا تو ذوالفقار ہاتھ سے پھینک دی اور بیٹھ گئے۔ اس کو قتل کرنے سے چھوڑ دیا اور خوشی میں مست ہو گئے وہ جنگجو اس حرکت سے حیرت میں رہ گیا یعنی بے موقع رحم اور معافی سے کہا تو نے مجھ پر تیز تلوار اٹھائی تو کیوں پھینک دی اور کیوں چھوڑ دیا!

چاہیں گے اور اس کے منقطع ہونے کی آرزو نہ کریں گے۔ اُن کو وسعت دے اور اُن کے حسن خدمت پر آفرین کہہ۔ سب کی قدر و مرتبہ کو ظاہر کر۔ ہر ایک کی زحمتوں کی زبان سے تعریف کر کیونکہ اُن کی تعریف اور اظہار دلیروں کو کام میں منہمک رکھے گا اور ساکن میں بھی غیرت پیدا کر دے گا۔ چاہیئے کہ ہر شخص کا کام اس کو سمجھا دے اور اس تکلیف کو اس سے نسبت نہ دے مبالغہ بے حد نہ کر یعنی نہ اُس سے گھٹائے اور نہ اُس سے بڑھائے۔ بڑی زحمت کو جو بلند مرتبہ نہیں رکھتی کم مت سمجھ اور اگر کوئی بڑا کام پیش آجائے جس کا تدارک مشکل ہو اور تیری سمجھ میں نہ آئے کہ کیا کروں اُس کو خدا اور رسول پر چھوڑ دے جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے " اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تم میں صاحب امر ہو اور اگر کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو"۔ اے مالک حکومت شرع اور انجام مہام قضا کیلئے اس شخص کو انتخاب کر جو حقیقت میں دوسروں پر فضیلت رکھتا ہو عمال قضا اور حکام شرع کے عمل سے خبردار ہو اور خفیہ پولیس مقرر کر۔ اُن کی معاش میں وسعت دے تاکہ غدر اور بہانہ کا راستہ قطع ہو جائے۔ خلاف حق نہ کریں اور رشوت نہ لیں۔

اے مالک مفسد کے فساد سے ڈرتا رہ کیونکہ عمدہ قانون اشرار کا کھلونا ہے اور اغراض بدکاری کے گرفتار نفس کی خواہش سے اُس میں عمل کرتے ہیں۔ اپنے قانون کو دستاویز بنا کر دُنیا طلب کرتے ہیں۔ چُوں اور چناں کو نظر میں رکھنا چاہیئے اور حاکموں کو پہلے آزما لینا چاہیئے۔ امتحان کے بعد مامور کر خصوصاً جس چیز کو نظر میں رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ کسی کو تحفہ لے کر اُس کی مرضی کے موافق کام نہ دے۔

اے مالک صاحبان حاجت کے لئے یعنی وہ لوگ جو تجھ سے سروکار رکھتے ہیں۔ وقت مقرر کر اور جب تو مجلس میں بیٹھے تو عام اجازت دے اور اپنے آپ کو مطالب عامہ کے سننے کے لئے تیار رکھ اور اپنے پیدا کرنے والے اور حق تعالےٰ کی بزرگی کو یاد کر۔ اس طرح برتاؤ کر کہ مستغیثوں کے خوف و ہیبت کا باعث نہ ہو جائے۔ اُن کی زبان بند نہ ہو جائے تاکہ جرأت کے ساتھ اپنی تکلیف بیان کر سکیں۔ اے مالک اگر کوئی مستغیث شرط ادب سے قصور کرے تو اُس کے منہ پر مت لا۔ اے مالک خلوت میں زیادہ مت بیٹھ اور اپنے آپ کو رعیت سے پوشیدہ مت رکھ۔ اے مالک یگانہ و بیگانہ میں فرق مت کر۔ رعیت اپنے حق میں بادشاہ کے ساتھ درجہ مساوات رکھتی ہے۔

اگر حضرت امیرالمومنین ؑ کی تمام فرمایشوں کو تفصیل سے بیان کیا جائے اور

اور خراج دینے والوں کا انتظام قاضیوں عاملوں اور منشیوں کے ساتھ ہے کیونکہ اُن کے امور اور اعمال خاص اور عام حکومت اور احکام اور عقد معاملات اور کتابت کے ساتھ صُورت پکڑتے ہیں اور معنی قبول کرتے ہیں اور ہر دو گروہ کے منافع ان گروہوں کے ہاتھ سے مرتب ہوتے ہیں اور اُن کی وساطت سے اپنے ملک و مال سے مطمئن اور ظلم و تعدی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

تمام طبقات مذکورہ کی راحت و فراغت کی بنیادوں کو مضبوطی نہیں ہے مگر تاجروں اور صناعوں کی جماعت سے جو انقصائے ممالک سے ہر قسم کا کپڑا اور متاع کھینچ کر لاتے ہیں۔ اُن کی صنعتوں سے اہالی شہر و قصبات آرام پاتے ہیں اور بازار آراستہ کرتے ہیں اور کارخانوں کے اسباب بڑھاتے ہیں مگر طبقۂ پست کہ محتاج ہیں مناسب ہے کہ پیسے والے اُن کی مدد کریں اور اُن کو ایک دم نہ گرنے دیں۔ خدائے تعالےٰ نے ہر طبقہ کے لئے ایک اندازہ قرار دیا ہے ہر ایک رعایا کا اپنے حاکم پر اس قدر حق ہے کہ اُس کا کام اصلاح کی طرف مائل ہو اور فساد کے لئے سر نہ اُٹھائے

اے مالک جب تم چاہو کہ کسی شخص کو کوئی کام سپرد کرو تو اس شخص کو پسند کرنا جو خدا سے ڈرے اور پیغمبر اور امام کا مطیع ہو دامن پاک اور حلم کامل کے ساتھ جو غصے کے وقت تیزی سے نہ چلے اگر گناہ کا عذر کریں تو قبول کرلے۔ ضعیفوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرے اور طاقتوروں کی روک تھام کا فرض ادا کرے اس گروہ میں سے صاحبان حسب و نسب کو اور ان لوگوں کو جو خاندانِ کرم سے ہیں منتخب کرے اور اُن اشخاص کو جو بزرگی کے خوگر ہو گئے ہیں فضیلت دے۔ اور جو لوگ اہل سربلندی و شجاعت ہوں اُن کو برتری دے کیونکہ ان خصلتوں والے جامع انواع کرامت اور صاحب اقسام مکرمت ہوتے ہیں۔ اُن کی پرسش حال اس طرح کر جو ماں باپ کے لئے مناسب اور لائق ہے۔ اگر ان کی تقویت کرے تو اپنے سامنے کچھ مت سمجھ۔ اُن سے جو وعدہ کرے۔ وفا کر۔ یہ مہربانیاں اس گروہ کو اس پر آمادہ کریں گی کہ اپنی ولالت اور رہنمائی کو تجھ سے دریغ نہ کریں گے اور تیرے حق میں اچھا گمان کریں گے۔ اے مالک لشکر کی سرداری اُسے زیبا ہے جو لشکریوں کو اپنے مال میں شریک کرے علاوہ مقررہ وظیفہ کے اس قدر احسان اور بخشش کر کہ اپنے متعلقین اور وابستوں کو آسودہ رکھ سکیں۔

جب یہ سلوک دیکھیں گے تو وہ بھی ضرور جہاد میں یکدل و یکجہت ہو کر تیرے فرمان کے مطیع ہو جائیں گے۔ اس وقت جو تجھ سے محبت دیکھیں گے تو سلطنت کا زوال نہ

کا منکر ہو جاتا ہے۔ علاوہ اپنے انکار کے دوسروں کی گمراہی کے لئے دلیل و برہان قائم کرتے ہیں یعنی تمام دلائل کو جو فرنگستان کے مدرسوں میں پروٹسٹنٹ پادریوں سے سیکھے ہیں۔ بیان کی آگاہی بناتے ہیں۔ بدبختی سے اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ قانون اساسی کے اجرا کی مانع ہے اور اس قدر عقل و تمیز نہیں رکھتے ہیں کہ دنیا کے اولین مکمل قانون کو صاحب شریعت مطہرہ اسلام نے دنیا میں پھیلا دیا ہے۔

ایک روز ایک مستفرنگ نے جو اپنے آپ کو فاضل ترین اہل ایران سمجھتا تھا اور فرنگی مآبی میں پہلا شخص تھا اپنے ایک دوست کو یہ لکھا تھا۔ تو قانون کو کس قدر سہل اور آسان سمجھتا ہے۔ جب تک کہ شریعت اسلام سے تئیس ہزار مسئلے محو نہ کر دوگے اور نعوذ باللہ آگ میں نہ جلا دوگے اسلام میں قانون کا اجرا نہیں ہو سکتا۔ اُس شخص نے فاضل جلیل کا خط مجھے دکھایا اور کہا۔

تم خدا کے لئے انصاف کرو کہ اس بے انصاف فرقہ کے انکار باطل کس درجہ تک ہیں۔ نظم قانون اور اس کا اجرا احکام شریعت مطہرہ کے بطلان میں کیا دخل رکھتا ہے۔ جاپانی قوم نے اپنے مذہب کے مسائل میں سے کسی کو ترک کر دیا۔ سلطنت ٹرکی نے کون سے احکام شریعت مقدسہ کو ٹیک دیا بلکہ شریعت مطہرہ کی بنیاد کے استحکام سابق سے زیادہ ساعی ہو گئی۔

قانون کیا چیز ہے؟ قانون وہی دستور العمل ہے جو مولائے متقین امیر المؤمنین خلیفہ برحق حضرت سید المرسلین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مالک اُشتر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا جب کہ اُن کو حکومت مصر پر بھیجا تھا۔ اگر پڑھیں اور سمجھیں کہ اُن بزرگوار نے مالک اُشتر کو کیسا قانون دیا تھا تو ان کو شک و شبہ باقی نہ رہے کہ مغربی ممالک کی سلطنتوں کا قانون اسی دستور العمل سے لیا گیا ہے جنہوں نے اپنا کام اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ سوائے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے دستور العمل اور نمونہ کے کوئی مسلمان دوسرے قانون کا طالب نہیں ہے خواہ سول ہو یا ملٹری خواہ مال ہو خواہ عدالت خواہ قضا وت تمام آنجناب کے دستور العمل کی رو سے اخذ ہوں تو کافی ہے۔ منجملہ وہ بزرگوار فرماتے ہیں اے مالک جان لو کہ فوجی لوگ ملک ملتان کے حکم سے رعیت کے لئے بمنزلہ حصن حصین اور قلعہ محکم و استوار و زینت ہیں (اور راہ بندی دین و ایمان اور طرق امن و امان اور آسائش رہروان) فوجیوں کے کام کا نظام و قوام خراج و باج پر ہے جو وصول ہوتا ہے۔ تاکہ اُن کی روزی ہو اور اُن کی رفع حاجت کرے اور رد حملہ دشمن کے فرض کو پورا کریں اور خرچ

و انتظامی جاری رہی تو ظاہر ہے کہ یہ قافلہ حشر تک لنگڑا ہے۔ جو لوگ کہ پیسہ رکھتے ہیں اور پیسہ جمع کیا ہے ظاہر کرتے ہیں گویا ہر ایک وزارت خانہ کے دس دروازہ رکھتا ہے کہ ہر وزارت خانہ میں پچاس جلد قانون کی کتابیں موجود ہیں اور ہر کتاب میں پانچ سو فیصلیں لکھی ہوئی ہیں کہ سب ملا کر پچیس لاکھ فیصلہ ہوئیں۔ ان تفاصیل کے مقابل میں ہمارا ایک صدر اعظم ہے چاہئے کہ یہ سب پچیس لاکھ اس شخص کے سر سے نکلیں اور جاری ہوں۔ حضرت صدارت پناہ وزیر اعظم ہیں۔ وزیر جنگ ہیں وزیر مالیہ ہیں وزیر داخلہ ہیں وزیر خارجہ۔ ٹیکس۔ راہ۔ تعلیم۔ معادن بحریہ۔ خزانہ۔ دربار۔ علاوہ ان سب قسموں کے روزانہ سینکڑوں تار پہنچتے ہیں۔ گرانی ملک کے ظلم حکام کے۔ مدرسوں کے طالبعلموں کے ظلم کے۔ علمائے سلطنت کے۔ سفرائے خارجہ کے۔ اور ستائے ہوؤں اور مظلوم و حاکم و محکوم کے صبح سے شام تک۔ ہم نے تسلیم کیا کہ اگر یہ صدر ایک تربیت یافتہ عالم اور تجربہ کار انسان ہو کیونکر اس قدر مشاغل کے ہجوم کا تحمل رکھ سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وحشی گری و فحاشی اور تذلیل شروع کر کے ہر ایک کو ایک کلمہ بدر یختہ سے اپنے سر سے دفع کرے کوئی علاج نہ کر سکے گا۔ ایک انسان میں کس قدر صبر و تحمل ہو سکتا ہے۔ اُس کی خلقت ما ورائے خلقت بشر نہیں ہے۔ کیا یہ شخص دو سو کان اور سو زبانیں اور پچاس آنکھیں رکھتا ہے؟ اگرچہ دنیا کے بہترین شخص کو اصلاح کے لئے انتخاب کریں تو کیا ان اوامر و نواہی کا جن میں عدل و انصاف مقصود ہے سینکڑوں میں سے دسواں حصہ کا بھی فرض ادا کر سکتا ہے؟ بخدا نہیں۔ سوائے اس کے نہ ہوگا۔ جو ہم نے دیکھا اور دیکھتے ہیں۔

باوجود ان تمام نقائص کے تمہارا شہر مثل پیرس کے اور تمہارا لشکر مثل جرمنی کے اور تمہاری عدالت امریکہ کے پایہ کی ہو۔ اس صورت میں منتظر رہو کہ قائم مقام باغ سے باہر آئے یا امیر کبیر کاشان کے حمام سے نکلے۔ میں نے جاپان کے تمدن کا ایک شمہ جو ان کی ترقی کا سبب ہوا مختصر تم سے بیان کیا۔ باوجودیکہ انہوں نے یورپ کے قانون مدنیت کو قبول کر لیا ہے۔ مگر اپنے مذہب و آئین کی نگہداشت میں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور اپنے آئین مذہبی کی شان کی نگہبانی میں پہلے سے زیادہ ہیں۔ بہ نسبت اور تمام مذہب والوں کے جو امانت و دیانت ان میں ہے وہ کسی قوم میں نہیں۔ روزانہ اپنے معابد و بت خانہ کی رونق بڑھا رہے ہیں۔

مگر یہ فرنگی مآب محض اس لئے کہ ایک مہینہ فرنگستان میں رہا اور اس قدر تحصیل زبان و اخلاق کی کہ کھڑے ہو کر موت سکتا ہے۔ واپسی کے بعد اپنے آباؤ اجداد کے آئین و مذہب

اور سیاسی نظام ایک دوسرے کے ساتھ موجودہ اور آیندہ حالت میں جانچ کر اپنی اطلاعات مجلس کو دکھائیں۔

مگر ہماری سلطنت کے اشخاص نے اس زمانہ میں چند مرتبہ یورپ کی سیاحت کی اور نیم شاہی نفع بھی اس سیاحت سے حاصل نہ کیا اور لوٹ آئے۔ اس لیئے کہ اُن کا خیال صرف ایک نقطہ سربستہ کے دیکھنے میں منحصر تھا جس کے لیئے انتہائی لفظ آوارہ گردی اور بے شرمی ہے سوائے اس کے کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ سمجھنے کو بھی بدعت سمجھا۔ اب ہم سمجھ گئے کہ الف بے حروف کی شکلیں مطالب سے کچھ واسطہ نہیں رکھتی ہیں ؎

یہاں بال سے زیادہ باریک ہزاروں نکتے ہیں۔

ہم نے فرض کیا کہ ہمارا بادشاہ سلطنت کے اختیارات اور حقوق سے درگذرا مگر کیا حاکم اور ایرانی امیر اس خیال میں ہے کہ اپنے شخصی امتیازیں سے بال برابر بھی حُبِ وطن پر فدا کردے۔ ہمیشہ اس آرزو میں رہتا ہے کہ تیس چپراسی اور اردلیوں کے ساتھ متکبرانہ چلے۔ اس صورت میں مجبور ہے کہ تنخواہ اور وظیفہ اور فیس اور باورچی خانہ اور اصطبل کے خرچ کے نام سے ایک کی جگہ دو وصول کرے اور سیر نہ ہو اور یا یہ کہ عزت طلب اشخاص سے منصب اور لقب عطا کرنے کے واسطے سو تومان پیشکش لے اور وہ بھی ہر سو تومان کے بدلیں پانچ ہزار تومان بیچاری رعیت سے وصول کرے گا۔ اس حساب کو لمبا چوڑا لکھنے والوں یعنی آڈیٹروں سے پوچھنا چاہیئے۔

اس صورت میں خزانہ میں ایک ارب پونڈ نقد موجود رہنا چاہیئے مگر مجھے یقین ہے کہ دس لاکھ بھی نہیں ہے۔ پناہ بخدا شاید سوائے خزانہ کی رسم کے بساط میں کوئی کچھ نہ رہا ہوگا۔ آمر۔ مامور۔ حاکم اور محکوم سب یکساں ہیں۔ حالانکہ مالیہ ایران کو کم سے کم ڈیڑھ دو کروڑ کو پہنچا دینا کچھ مشکل نہیں۔ یہ ڈیڑھ دو کروڑ کو پہنچا دینا ہمارے آج کل کے بے علم مامورین کا کام ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر عالم ہو تو کیا ہو سکتا ہے؟ بشرطیکہ جو کچھ لیتے ہیں برباد نہ کیا جائے۔ اور حاکم لوگ دس سال بعد دس بڑے بڑے گاؤں کے مالک ہونا نہ چاہیں خزانہ کی آمدنی قوم و سلطنت کے حقوق کی حفاظت میں صرف ہو۔

اب باتیں بہت ہیں وقت گذرا جاتا ہے۔ اگر حاکم عالم کی خواہش کریں تو چاہیئے کہ اول روپیہ کا بندوبست کریں بے پیسہ کے قاضی بھی راضی نہیں ہوتا۔ نپولین نے کہا جنگ تین چیزوں سے ہو سکتی ہے۔ پہلے پیسہ۔ دوسرے پیسہ۔ تیسرے پیسہ۔ اُس کے اول میں پیسہ ہے آخر میں پیسہ ہے۔ اب یہ پیسہ کہاں سے لانا چاہیئے۔ اگر کام میں اسی طرح بے نظمی

آگاہ ہو جاؤ کہ آج میں کہ موجب کسو د تمہارا ایک سوا کے دال بادشاہ اور میکاڈو ہوں اپنے بزرگوں کے تمام صفات اور عادات پاؤں پر ڈالتا ہوں۔ وہ بڑے سہو اور بڑی غلطی میں پڑے تھے کہ تم کو بندہ اور اپنے آپ کو معبود اور آسمان کا بیٹا کہتے تھے۔

میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی وقت سے میرے اور تمہارے درمیان برادری اور برابری کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ میں نے تمام سلطنتی اور روحانی حقوق جو سلاطین میں منحصر ہیں تم کو بخش دیئے۔ اب اپنے آپ کو تم میں سے ایک فرد سمجھتا ہوں۔ آج کے دن سے پارلیمنٹ قائم کر دو اور مجلس شورائی ملی ترتیب دو۔ جو کچھ جاپانی قوم اور حکومت کی سعادت کیلئے ضروری ہے مہیا کرو۔ یورپین تہذیب و تمدن کو اپنا شعار بناؤ۔ اسلحہ جنگ اور دشمن کی مدافعت کے آلات فراہم کرو۔ گویا مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ اہل مغرب تم کو آرام سے نہ بیٹھنے دیں گے اور تمہارے گھروں سے تم کو آوارہ کر دیں گے۔ اس حرص و طمع کی وجہ سے جو ان کو ہے بڑے بڑے کاموں کے مرتکب ہوں گے تاکہ اول مشرق کا کام تمام کر دیں اور پھر اس کی اصلاح میں مشغول ہوں۔ اس دفاع کے پہلے اسباب علم و بصیرت ہیں۔ پس تم پر فرض ہے کہ مثل اولاد کے میرے معاون ہو جاؤ۔ میں بھی مثل باپ کے تمہاری مدد کروں گا۔ چھ مہینے کی تم کو مہلت دیتا ہوں کہ قانون مساوات کی ترتیبات کو مجھے دکھاؤ اس شرط کے ساتھ کہ پہلے اپنے قانون اساسی میں لکھ دو کہ قوم بادشاہ کے دستخط بغیر حق نہیں رکھتی ہے کہ مجلس سے حکم صادر کرے اور میں بھی تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ بغیر مجلس کی اطلاع کے صلح و جنگ اختیار نہ کروں گا۔

بادشاہ نے یہاں اپنا لکچر ختم کر دیا۔ ظالم سرداروں اور حکام نے خوشی و مسرت میں ہائے ہائے کر کے رونا شروع کیا اور بائیس سال میں وہ کام کر دکھایا کہ دنیا میں کسی آسمان الٹ دینے والے سے نہ ہو سکا اور دول روئے زمین کے منہ میں حیرت کی انگلیاں دے کر اپنے آپ کو انگشت نما کر دیا۔

جو سلطنت کہ اپنے ملک کی حفاظت پر اکتفا کرتی ہے وہ ہرگز اس کی محافظت پر قادر نہیں ہو سکتی۔ اراکین سلطنت کو چاہیئے کہ ہمیشہ اپنی فکر کو دوسروں کے ملک میں تجاوز کرنے اور اپنی سلطنت کے وسعت و کشادگی میں مصروف رکھیں۔ اگر دوسروں کے ملک میں تجاوز کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے تو اپنے ملک کی حفاظت تو کم سے کم ان کو دشوار نہ ہوگی۔

ہمت بلند رکھ کیونکہ دنیا کے بہادر اسی ہمت سے بڑے بڑے مرتبوں پر پہنچ گئے ہیں۔

مجلس کا پہلا فرض یہ قرار پایا کہ چھبیس ہوشیار اور باہمت شخص انتخاب کر کے چھ جماعتیں قرار دیں۔ چار شخص امریکہ کو۔ چار انگلستان کو۔ چار روس کو مقرر کر کے اور کافی سفر خرچ دے کر بھیج دیں تاکہ وہ جماعت کچھ مدت تک اس سلطنت میں رہ کر ان کے اوضاع و اطوار و اخلاق

ہاں کوئی سررشتہ تعلیم ہو۔ لیکن یہ بات قانون سے کوئی واسطہ نہیں رکھتی۔ نظیر اس کی موجود ہے۔ جاپان کی الف بے ہماری سے ہزار درجہ زیادہ مشکل ہے۔ جب کوئی شخص پندرہ ہزار شکلیں یاد کرلیتا ہے تب جاپانی زبان کی لغت اور وہاں کی ادبیات کا ماہر ہو سکتا ہے۔ یہ قوم باوجود ان درسی اشکالات کے تھوڑی سی مدت میں علوم و فنون کی تحصیل اور رموز ملک داری اور رعیت پروری اور مالیہ کے لینے اور تہذیب و حسن اخلاق کے حاصل کرنے اور ادبیات کی وجہ سے اہل مغرب سے دو سو سال آگے نکل گئی ہے۔ اور سبقت کی گیند لے گئی ہے۔ اب جاپانی چودہ کالج اور تین سو ہائی اسکول اور اٹھاون ہزار پرائمری سکولوں کے مالک ہیں اور انہی سکولوں کی وجہ سے اُن کی مدنی اور حربی اور ایسی صنائع کے مالک ہیں کہ تمام عقلمندوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اُن کی بہادری اور فوجی نظام بیان سے باہر ہے چنانچہ چین کی جنگ میں روئے زمین کی سلطنتوں پر انہوں نے اپنے اقتدار اور شجاعت کو ثابت کر دیا اگرچہ دول مغرب نے متفقہ طور سے اُس کو فتح کے ثمرات حاصل کرنے سے ایک حد تک محروم رکھا مگر اس میں شک نہیں کہ ایک وقت دول مغرب پر دست درازی کرے گا اور اُن کو مشرق کے فائدوں سے مایوس کر دے گا۔ میرا عقیدہ ہے کہ اگر ہم زندہ رہے تو دیکھ لیں گے کہ مشرق و مغرب والوں کا خون بحر اخضر کو بحر احمر کر دے گا۔

میرزا عباس نے کہا ابراہیم بیگ نے بھی اس جنگ کے انجام کو لکھا ہے کہ طول طویل ہوگی۔ اور بہت جلد ختم نہ ہوگی۔ رضا خاں نے خوب لکھا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ سلسلہ دراز ہے اور اس کو کسی نے فراہم نہیں کیا مگر ایک شخص کی حمیت و غیرت یعنی یہی میکاڈو جو موجودہ شہنشاہ ہے۔ اس میکاڈو کے اجداد اپنے آپ کو آسمان کی اولاد بتاتے تھے۔ طبقہ رعایا کے لئے اُن کا دیدار مشکل تھا۔ بڑے بڑے حکام جن کو دُرہ بکی کہتے ہیں سال میں ایک دفعہ بادشاہ سے ملاقات کرتے تھے بعد ازاں قوم کو مثل موجودہ ایران کی حالت کے جس طرح اُن کا دل چاہتا تھا مانند زر خرید غلام کے مارتے تھے۔ مار ڈالتے تھے۔ بیچتے تھے۔ جُرمانہ کرتے تھے وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ اس خوش بخت جوان کی حکومت کی نوبت آئی۔ ایک دم ایک انجمن قائم کی۔ ہر طبقہ سے وزیر۔ امیر۔ سول۔ ملٹری۔ تاجر۔ پیشہ ور اُس انجمن میں جمع ہوئے اور خلاف توقع میکاڈو بنفس نفیس ملکہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آپہنچا اور حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا۔

تمہارے یہاں بُلانے سے ایک نہایت اہم بات کا اظہار کرنا ہے جو میں نے سوچی ہے اور اُس میں بہت سے منافع ہیں اور اُس کے خلاف کرنا مجھ پر اور تم پر حرام ہے۔ جان لو اور

ہے جو یہ باتیں فرماتے ہیں۔
کہا۔ ہرگز نہیں۔ میں ہزار گواہ رکھتا ہوں کہ میرا وجدان اس قسم کی نوکری کے لئے راضی نہ ہوا اور اس وجہ سے ترک کر دی۔ ایک روٹی کا ٹکڑا اکاڑھے پسینے کی کمائی کا خدا پہنچا دیتا ہے۔ کھا لیتا ہوں۔ باپ دادا نوکری کرتے تھے اور وہ معذور رہتے۔ اُس وقت بربریت کا زمانہ تھا۔ وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہم مسلک تھے مگر میں اب دیکھتا ہوں کہ فرانس کی فوج کے سلطان کی کیا ڈیوٹی اور فرض ہے۔ میں بچہ اگر رفیقوں کے ساتھ ہمراہی نہ کروں تو ممکن نہیں ہے اگر کرتا ہوں تو اپنے نفس اور وجدان کے نزدیک منفعل ہوں۔ اس وجہ سے اعراض کر کے میں نے ملاحظہ کیا کہ فرنگی آبی سے اس قسم کے مواد میں انسانیت اور تہذیب کی خوشبو زیادہ واضح اور پھیلی ہوئی ہے۔ اس مسلک کو میں نے اختیار کیا اور راستہ پر چلا۔
میں نے عرض کیا۔ سرکار خان۔ کیا آپ کے اعتقاد میں ایران میں قانون جاری ہو سکتا ہے؟ ہنسے اور کہا قانون ذی رُوح نہیں ہے جس کا پیدا کرنا انسان کی قدرت کے احاطہ سے باہر ہو۔ قانون مُراد ہے اُس قرار داد سے جو کر لی جائے مثلاً کل ایک من کا وزن پچاس مثقال تھا آج ستر مثقال ہونا چاہئے لیکن یہ قانون اس وقت تمام رواج پائیگا جب کہ پہلے سلطنت اپنے نمک کو اسی وزن سے رعیت کے ہاتھ فروخت کرے تاکہ دوسرے بھی پیروی کریں۔
میں نے کہا پچاس مثقال کو ستر میں تبدیل کرنا علم پر موقوف ہے۔ کون جانتا ہے۔ کہ بیس مثقال جو پچاس پر زیادہ کئے گئے ہیں ستر ہو گئے۔ کہا وہی بیس جو پچاس پر زیادہ کئے ہیں ستر ہو گئے مگر ستر کو دو سو اُنہتر میں تقسیم کرنا مفصل علم کی ضرورت رکھتا ہے وہ ستر کرنا بھی ایک حکم قطعی کے ساتھ وابستہ ہے کہ علم تقسیم بھی اس حکم میں داخل ہوگا۔ حکم صحیح وہی تدارک مکاتب میں کوشش کے ساتھ قدم رکھنا ہے اور بقدر مقدور ممالک خارجہ سے اس کے اسباب لانا اور اُستاد و معلم کا فراہم کرنا ہے۔
میں نے کہا۔ جناب خان۔ جیسا کہ میں نے سُنا ہے۔ قانون کچھ ایسا سہل اور آسان کام نہیں ہے جس کے فیض اور برکت سے اتنے جلد فائدہ اٹھالیں۔ اس کے علاوہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی الف بے بڑی مشکل اور بے معنی ہے۔ اہل یورپ کے تعلیم و تعلم کے مقابلہ میں دس سال کا فرق پڑ جاتا ہے مثلاً ایک مسلمان مبتدی بچہ کو ایک فرنگی مبتدی بچہ کے ساتھ تعلیم دو تو فرنگی بچہ دس سال پیشتر اپنی تحصیل تمام کر لے گا۔
رضا خاں نے کہا۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری الف بے بیمعنی ہے اور اس میں کلام نہیں کہ سخت اور مشکل ہے مگر یہ سررشتہ تعلیم کا فرض ہے کہ وہ اصلاح کرے۔ اگر ہمارے

جس نے حکم دیا ہے اگر جرمانہ وصول کرنے والے سے کوچہ و بازار میں ملیں تو ایک دوسرے کو نہ پہچانیں کہ کل اس شخص سے حکم سے فلاں جگہ سے جرمانہ وصول کیا گیا ہے۔ اگر قانون میں مخصوص شرط نہ ہو تو ہر شخص کے حق میں ایک فصل کے فتویٰ سے حکم جاری نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قانون میں حاکم کو چاہئیے کہ اول اپنے آپ کو مطیع سمجھے۔ حکام کو یقیناً اس لئے مامور کیا ہے کہ اگر حمال کسی کے حق میں دس پیسے برابر تجاوز کرے تو فلاں سزا پائے گا اور اگر قیدی بھی اُس گناہ کا مرتکب ہو گا تو وہی سزا پائے گا۔

ہمارے ایران میں کاغذ کے اوپر ایک حرف بھی قانون کے نام سے نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ لکھا گیا ہے تو جھوٹ کہتا ہے بس ایران میں ہر شخص کی کھوپڑی قانون کا قلعہ ہے حاکم ہو یا رعیت۔ سول ہو یا ملٹری ایک شخص جاتا ہے اور اپنی پسند سے سپاہی ہو جاتا ہے کہ ہر شخص پر ظلم و جور کرے۔ اگر کبھی فوج سفر کو جاتی ہے تو ایک مزدور اور حمال کو اپنے بدلہ میں کرایہ کر کے اپنا نشان اور لباس اس کو دے کر بھیج دیتا ہے کہ جاؤ یا باسفر کرو۔ بہادران حمال خانہ کا سر کس طرح داہنے اور بائیں سے باہر نکلتا ہے۔ اور وہ کیا جانتا ہے کہ داہنا کیا چیز ہے ؟ بایاں کیا ہے ؟ اُس کے واسطے سب یکساں ہیں۔

اگر قانون ہوتا تو سرتیپ کی کیا مجال تھی کہ سلطان کو فوج سے خارج کر دے سرہنگ کیا بلا ہے کہ سپاہی کو مار ڈالے تنخواہ سرکاری خزانہ سے پاتا ہے۔ سپاہی کی موت حیات سرہنگ کے ہاتھ میں نہ ہونا چاہئیے۔

چالیس سال ہوئے ایران میں چالیس کارخانے کھولے گئے ہیں۔ کھدر۔ بلور چینی۔ برف۔ زری۔ دیا سلائی۔ شکر۔ بانات وغیرہ وغیرہ۔ روپیہ ہے کہ فرنگستان کو فلاں مشین کے لئے فلاں اسباب کے لئے فلاں پیچ کے لئے برابر آرہا ہے اور ایران میں بیکار پڑا ہے۔ لطف یہ ہے کہ بادشاہ بعض اشیاء کے خریدنے کا حکم دیتے ہیں اور حکم صادر ہو جاتا ہے وزیر خارجہ حاضر ہو کر عرض کرتا ہے " قربان جاؤں فلاں وزیر مختار کو لکھ دیتا ہوں وہ بندوبست کر دے گا۔ چار جلسوں میں ہر شخص اپنی قوت کے موافق مثل لٹیروں یا مالکوں کے اپنا حصہ فراشی اٹھا لے جاتا ہے پیسہ چلا گیا اور معلوم نہ ہوا کیا آیا۔

کیوں نہ ہوا؟ کس لئے نہ ہوا؟ قانون نہیں ہے۔ کہتے کہتے سلسلہ کلام کہاں سے کہاں چلا گیا

حاجی میزبان نے کہا۔ جناب رضا خاں آپ بھی تو ایک وقت مصاحبوں میں تھے۔ اب سرہنگ و سرتیپ کا عیب بیان فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ فرنگی آب و ہوا آپ کی دامنگیر ہو گئی

فضل ہیں سے تم دنیا و آخرت میں کیا یادگار چھوڑ جاؤ گے جس پہ قوم اور ملک فخر کریں گے اور اس سے غریبوں کو فائدہ پہنچے گا۔

ارے دیوانہ اتنا نہیں سمجھتا کہ ان لغو اور بے نتیجہ باتوں سے تو تم نے لوگوں کو معطل کر دیا۔ بیس سال لفاظی کے حاصل کرنے میں تلف کئے اور اخیر ایک واہیات اور پوچ سطر کی تفسیر میں سننے والا تین دن تک متحیر رہ گیا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں لفت معنی کے تابع ہے جو تم اس طرح اپنے اور ہمارے وقت کو ختم کرتے ہو۔ ایک یورپین اپنے علم سے ایک مشین ایجاد کرتا ہے اور ایک دم ایک کرور فرانک کا مالک ہو جاتا ہے۔ رات کو آرام سے سوتا ہے۔ تم رات کو تین مرتبہ اٹھ کر شمع روشن کرتے ہو کہ کل کو پانچ تومان فلان فرعون صفت سے دروغ بافی کے صلہ میں لو گے۔ نیند کو اپنے اوپر حرام کرتے ہو۔

الغرض اس ژولیدہ مُو نے اس قدر کہا کہ وہ ادیب بھی اس کی سادہ گوئی کو کچھ نہ سمجھے۔ بے شک سہ آشنا ہی آشنا کی آواز پہچانتا ہے۔

میں نے میرزا عباس سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے۔ کہا مازندرانی ہے اور مارسلیز میں مقیم ہے۔ ایران کو چیزیں خرید کر بھیجتا ہے۔ میں نے خواہش کی کہ کاش ابراہیم بیگ موجود ہوتا اس لئے کہ یہ آدمی اس کے کام کا ہے۔ سب اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ نماز کے بعد شام کا کھانا کھانا چاہا۔ دسترخوان پر بیٹھے۔ کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد حاجی محسن آقا نے پوچھا چچا یوسف یہ محترم شخص کون ہے جس کا سیاحت نامہ میں ذکر کیا ہے اور کس شخص نے وزرا اور امرا اور ایسے ہی اشخاص کے گھروں میں رہبری کی تھی۔ میں نے کہا شہدی حسن کرمانی۔ اور یہ بھی حاجی خان کے مشورہ اور رہنمائی سے ہوا۔ یہ شہدی حسن اچھے لوگوں میں سے ہے اور ہر مقام سے واقف ہے۔ ابراہیم بیگ سے وعدہ کیا ہے کہ ہر مہینے ایک دفعہ طہران کے بلکہ کل ایران کے حالات بجنسہ لکھتا رہے گا۔ بڑی اطلاع رکھنے والا اور ہر زبان سے آشنا ہے۔

پھر پوچھا کہ اس محترم شخص نے کیسا قانون لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا ہے۔ پھر اس مازندرانی شخص نے گفتگو کرنی شروع کی۔ بابا خدا کے لئے بتاؤ ایران میں قانون ہے کہاں؟ نظام کیا کرتا ہے؟ کبھی کبھی کہتے ہیں کہ بادشاہ نے ایسا فرمایا۔ مست آدمی کو پکڑ لیتے ہیں۔ جرمانہ کر دیتے ہیں اور خود جرمانہ کی تمام رقم جو شرابخور سے وصول کی ہے شراب کی قیمت میں دے کر علانیہ پیتے ہیں۔ قانون سب کے لئے برابر جاری ہونا چاہئے بغیر استثنا کے۔ اجرائے قانون کا محکمہ علیحدہ ہونا چاہئے۔ جرمانہ کا حکم ایک شخص کرے اور تاوان دوسرا وصول کرے اور اس کی جگہ پر پہنچا دے۔ جرمانہ دینے والا اور وہ حاکم

کے ایسی کتاب کہ مکتب کے بچوں کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اگر وہ نہیں سمجھتے ہیں۔ تو ٹکٹکی پر باندھ کے اُن کو سزا دی جاتی ہے حالانکہ معلم خود نہیں سمجھتا ہے اور مصنف نے بھی سوائے بکواس اور لغت جھاڑنے کے کوئی معنی پیش نظر نہیں رکھے ہیں ایک مؤلف اور مصنف لکھتا ہے کہ ایران کی تحریریں عجب تماشے کی ہوتی ہیں۔ ایک کلمہ نہیں ہوتا کہ اُس کا جھوٹ بغیر اثبات اور شاہد کے ہو جہاں کہیں کلمہ 'واصل' ہو گا تو حکمی کلمۂ 'حاصل' بھی لازم و ملزوم ہو کر جانے کہ اُس کی دُم سے چپکا ہوا ہو۔ جب کبھی میں نے لفظ 'وجود' دیکھا تو نہ دیکھا کہ 'ذیجود' اُس کے بعد میں نہ ہو۔ مزاج بغیر وہاج کے نہیں آتا۔ اگر تم نے اول صفحہ کے آخر میں دروغ پڑھا ہے تو ضروری صفحہ دوم کے اول میں بے فروغ دیکھو گے۔ خدمت بغیر رفعت کے نہیں آتا۔

لکھا ہے کہ ایک دن چند بیہودہ گو ایک محفل میں جمع تھے۔ ہر شخص اپنی نظم و نثر جو اُس نے لکھی تھی ایک دوسرے کے سامنے پیش کر کے تفخر کر رہا تھا۔ اُن میں سے ایک نے بڑے وقار کے ساتھ ایک کاغذ کی نلکی کمر میں سے کھولی اور بڑے فخر کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔

"طبع کا بلند پرواز شہباز جو ہمیشہ گلستان سخن پروری کو سحاب کلک کے قطروں سے سلک خضارت و طراوت کی داد دے کر اُس کے پرندو پرنیاں کو ازہار معانی کے موتیوں کے قرابہ سے رنگین اور مزین کرتا رہا ہے ہمت قضا سمت کے اشہب خوشخرام کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ بزم ہنروری میں حدائق حقائق کو شقائق دقائق سے آراستہ کرے اور دوشیزہ کلام کو مشاطۂ فکر کی مدد سے پردۂ خیال سے ایوان بلاغت میں لا کر شاہد مقصود کے رخسار کو روائح فوائح فصاحت کے ساتھ لوث ہموم و سموم غم سے صاف کرے اور برکات مکارم کرم کامگاری کے میامن کو کان کرامت میں دانائی کے محل پر رکھ کر دل کو نہنگ زمانہ کے حلق سے" یہاں تک پڑھا تھا کہ ایک شخص جس کے بال اُلجھے ہوئے تھا اور گوشہ میں بیٹھا تھا چلا اُٹھا۔

اے پدر فلان بیدین۔ کیا کہنا چاہتا ہے جلد کہو۔ میرا حوصلہ تنگ ہو گیا آخر اے کم گو یہ تیرے کام و کرم کہاں ختم ہوں گے؟ اور اس کی انتہا کیا ہے؟ اے چلا دنفس مردم۔ اس بکواس سے تیرا کیا مطلب ہے؟ مجھے بتا۔ ان ادیبوں میں سے اگر کوئی کہے کہ میں سمجھ گیا ہوں تو وہ بکتا ہے۔ کیا چیز سمجھا۔ باوجود اس بکواس کے اور باوجود اس ناپسندیدہ طرز کے تم پھولے نہیں سماتے ہو اور صدر نشینی کی توقع رکھتے ہو اور متوقع رہتے ہو کہ تمہارے آنے کے وقت چوبدار کہے۔ ہٹ جاؤ۔ فاضل صاحب آتے۔ تمہارے سر پر خاک۔ اس

عمداً کیا تا کہ ابراہیم بیگ اس کے القاب کے عنوان اور اُس کے مرتبہ کی بزرگی کو جان جائے۔ ابراہیم بیگ بھی یہ بات سمجھ گیا۔ نیچی نظریں کر کے آہستہ سے کہا۔

سرکار حاجی صاحب اس القاب لکھنے کی زحمت سے تو یہ بہتر ہے کہ ایک کلمہ لکھ دیں کہ "حضور۔ باری تعالیٰ برسد"۔ حاجی نے مسکرا کہا آقا جان کیا کیا جائے اب تو یہ رسم ہو گئی ہے کہ ہر شخص کے شان اور رتبہ کے موافق عنوان لکھتے ہیں۔

ابراہیم بیگ نے کہا یہ کیا رسم ہے؟ اور کیا مجبوری ہے کہ اپنے وقت عزیز کو ان مزخرفات اور لاطائلات کے لکھنے میں صرف کریں۔ اس میں سولہ کلمے فضول ہیں۔

عریضۃ الخلوص۔ در دارالسلطنت تبریز۔ خدمت ذی رفعت بندگان جناب مستطاب مستغنی الالقاب۔ عمدۃ الاعاظم والتجار و زبدۃ الاعیان والاشراف۔ اجل الناس۔ سرکار قبلہ مکرم و خداوندگار اعظم۔ آقائے حاجی آقا۔ قراجہ داغی۔ دام اقبالہ العالی مشرف وملحوظ باد۔ الشہیر بخرازی فروش۔

ابراہیم بیگ کو غصہ آگیا۔ حاجی نے بھی بدستی شروع کی۔ آپ کے بھائی قہقہہ لگا رہے تھے۔ قریب تھا کہ دست و گریبان ہو جائیں۔ حاجی قراجہ داغی بساطی کو بھی غصہ آگیا اور وہ طیش میں اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس اجنبی فرنگی مآب نے کہا حقیقت میں کس قدر بے معنی اور کیسی احمقانہ قیدیں ہیں کچھ دور نہیں کہ رفتہ رفتہ خدا اشگان بلکہ خداوند ہونا بھی اُن کی کسر شان ہو۔

فرانس میں سلطنت جمہوری کے پریسیڈنٹ کو ایک کلمہ مسٹر لکھتے ہیں۔ اُس کی شان و شوکت میں بال برابر بھی فرق نہیں آتا۔ یعنی دو لقب نہیں رکھتے ہیں کہ اپنے خطوں کے عنوان میں لکھیں۔ خطوں کے لئے دوسرا عنوان نہ لغت میں پڑھا ہے اور نہ مکتب میں اور نہ بچپن میں سوائے اس کے سُنا ہے۔ خطوں کے لئے کوئی دوسرا عنوان نہیں پایا جاتا۔ میں نہیں جانتا کہ اہل ایران اس یا وہ گوئی پر کس قدر اپنا وقت عزیز و شریف ضائع کرتے ہیں اور کس قدر لوگوں پر تکالیف شاقہ ڈالتے ہیں۔ کتابوں اور خطوں میں اس قدر عبارتیں اور الفاظ مغلق مطالب میں داخل کر دئے ہیں کہ اُن کی کتابیں اور خطوط غلیظ ہو گئے ہیں گھنٹہ بھر پڑھتے رہو کچھ مطالب سمجھ میں نہ آئے گا۔ نہ سر رکھتا ہے نہ پاؤں۔ میں نے تین مرتبہ تاریخ وصاف پڑھی ہے ایک کلمہ اس میں کا یاد نہیں۔ بے انصاف شخص مثل لکڑی کا بوجھ اُٹھانے والے کے اس قدر زحمت کے عوض میں اپنے آپ کو شماتت کا باعث بناتا ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اُسے پڑھے اور لکھنے والے کو گالیاں نہ دے کیونکہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ چنگیز نے کیا غلطی کی اور کیا ظلم کیا اور کس لئے کیا اور ہلاکو نے کیا گوہ کھایا۔ باوجود ان مشکلات

تو وہ جھوٹی ہے اور وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔"

میری خواہش ہے کہ اس کے بعد میرے دل حزیں کو ملامت بے جا سے رنج نہ پہنچاؤ گی جس کا بدلہ خدا سے پاؤ گی۔ ایک دفعہ میری طرف دیکھو اور میری آہ سوزناک سے ڈرو۔ یہ جو تم نے لکھا ہے "کہ میں نے تم کو اپنے گھر سے نکال دیا" حاشا ثم حاشا" یہ بڑا بہتان ہے" چونکہ بیگ تنہا اور بے پرستار تھا اور مریضوں کی دیکھ بھال واجب ہے۔ میرا دل وہیں اٹکا ہوا تھا لہٰذا میں جلدی سے چلی گئی۔ دیکھو عشقبازی کا ذکر نہ کرو اور اگر میری شریک درد نہیں ہو سکتی ہو تو کم سے کم چپ ہی رہو نہ یہ کہ میری پریشان حالی کا نام عشقبازی رکھو۔ جب کہ میں تمہارے قول کی تصدیق کرتی ہوں تو یہ بات اس کنیز کی صداقت اور حق شناسی اپنے آقا کے بارہ میں تصدیق کرتی ہے۔ کیا فائدہ ہے تو ان مقامات سے دور اور نہ سمجھنے میں معذور رہے

کاش میں اپنا سینہ تیرے سینہ پر رکھ دیتی
تاکہ دل تجھ سے میرا غم دیرینہ کہتا

ان تمام تفاصیل کے بعد ستم کم کر اور تشریف لا کیونکہ یہ مکان تیرا مکان ہے

تیری محب۔ محبوبہ"

میرزا عباس کے گھر سے شیرینی آئی تھی۔ میں نے لے کر حاجیہ خانم کی خدمت میں بھیج دی ابراہیم کے صحت مزاج سے مجھے بڑی مسرت اور خوشی تھی اس لئے کہ آج اس کی حالت پہلے سے بہتر اور اس کے چہرے سے بہبودی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

جب رات ہو گئی میں نے حاجیہ خانم سے عرض کیا۔ آج حاجی تبریزی کے ہاں میری دعوت ہے اگر اجازت دو تو چلا جاؤں۔ فرمایا کہ چلے جاؤ۔ میں چلا گیا۔ کوئی نہیں آیا تھا۔ رفتہ رفتہ جمع ہوتے گئے۔ بارہ شخص تھے۔ جلسہ میں ایک شخص ایسا تھا کہ جس سے میری شناسائی نہ تھی اور میں نہ پہچانتا تھا گویا فرنگستان سے آیا تھا۔ چاء پینے کے بعد میزبان حاجی نے پھر ظرافت شروع کی۔ کہا چچا یوسف۔ ہاں۔ کہئے تبریز میں تم نے کیا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا مگر سرکار بیگ نے جو کچھ دیکھا ہے لکھ دیا ہے۔ کہا میری جان کی قسم بتاؤ۔ بتاؤ۔ میں نے کہا کہ ایک چیز دیکھی جو ابراہیم بیگ نے نہیں دیکھی۔ پوچھا کیا؟ میں نے کہا۔ ایک دن تمہارے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ پوسٹمین تمہارے بھائی کے خطوط لایا۔ ایک شخص وہاں تھا۔ اُس نے پوچھا کیا میرے نام کا کوئی خط ہے؟ کہا یہ دو لفافے آپ کے نام ہیں۔ نکال کر دئے۔ اُس شخص نے لفافہ میں سے خط نکالا اور لفافہ ابراہیم بیگ کی طرف پھینک دیا یعنی ہوا اس کی طرف اُڑا لے گئی مگر ظاہر تھا کہ یہ کام اُس نے

لے کر میں نے غور سے پڑھا تم نے اپنے خیال میں ان شاعرانہ تحریروں اور ادیبانہ نگارشوں سے گویا دوستی اور اتحاد کا حق ادا کیا ہے۔ کاش میری طبیعت لیلےٰ کے گیسوؤں کی طرح پریشان نہ ہوتی اور بصیرت ظاہری کا ادراک مثل دیدۂ زلیخا کے نور بینش سے محروم نہ ہو جاتا۔
اور طبع موزون اور قوت ممیزہ رکھتی اور ہر نکتہ کو سمجھ سکتی تاکہ اس خط کے جواب میں عاجز نہ ہوتی اور اپنے عجز و انکسار کا اعتراف نہ کرتی۔ جو کچھ تم نے لکھا ہے اگر یہ ظن اور اعتقادات غلط نہیں ہیں تو ان میں سے کوئی صحیح بھی نہیں ہے۔ عہد قدیم میں اخوان امور یکجہتی کے قوی البنیان ارکان میں استحکام رہا ہے۔ علوی محبت نے مالیات دنیا کو ہوس خاطر کا اس قدر دامنگیر نہیں کیا تھا۔ نعمت صداقت وولا کے لذت طلبوں نے جنہوں نے سفرۂ اتفاق پر موائد وفاق و اشفاق کے نمک سے لب آلودہ کئے تھے اُس کے حقوق کو سالہا سال تک فراموش نہ کیا تھا۔ روز بروز لحظہ بہ لحظہ بہار محبت و یگانگی کے ہمیشہ بہار پھول کی طراوت کیلئے فیوضات ابر گوہربار کے نزول سے ہوائے اعتقاد و اخلاص بڑھتی تھی۔ حضور و غیبت میں یکرنگی و اتحاد کے مضبوط رسی کے رشتہ کو دست استحکام سے مضبوط پکڑا تھا اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرتے رہے ہیں۔ خزانہ جان و مال کی بہت سی نقدی کو راہ ہمدمی و ہم بزمی میں نثار کیا تھا اور کبھی رضائے ہمنفسی کے خلاف دم نہیں مارا تھا۔ موانست و مصاحبت کے جادۂ مستقیم کے طے کرنے میں دو مغز ایک پوست میں سماتے تھے اور مقصد کے گھوڑے کو حسب دلخواہ دوڑایا تھا اگر میں کسی چیز سے خبردار نہیں ہوں مگر دوستی کی قدر و قیمت اور اس کا مقدس فرض جس کی منزل اول ترک مال و جان ہے جانتی ہوں۔ دوست کا اپنے دوست کو نصیحت کرنا فرائض حتمیہ میں سے ہے۔ عزیزۂ من رفیقہ۔ تو نے سوراخ دُعا کو گم کر دیا ہے۔ جو نصیحتیں تو نے کی ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تو مجھ کو آشفتہ جانتی ہے۔ تو ابھی آشفتگی اور عشق و عشقبازی کے فرق کو نہیں سمجھتی ہے۔ ع۔ عشق اور صبر میں ہزار کوس کا فاصلہ ہے۔

افسوس کہ میں عاشق نہیں ہوں۔ اگر عاشق ہوتی تو اپنے آپ کو دنیا کے سعادتمندوں میں سے سمجھتی۔ کاش میں بھی عاشق ہوتی تاکہ میرا نام زلیخا اور لیلی اور عذرا کی مانند شعرا و فضلا اور ادبا کی تصانیف کے اوراق کی زیب و زینت ہوتا اے میری عزیز۔ عشق اور ہی چیز ہے۔ عشق کی شان اور مرتبہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ ذکر کیا جائے۔ تو اپنے ہر کلام میں عشقبازی صرف کرتی ہے۔ عشق کو کھیل کے برابر مت کر۔ تجھ پر افسوس ہے کھیل کھیل ہے۔ اور عشق عشق ہے۔ علاوہ ازیں میں ان دونوں سے مبرا ہوں۔ " اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہوتی

پس ہر عاقل اور عاقلہ کو لازم و واجب ہے کہ اپنے شخصی حقوق اور نام و ننگ کی حفاظت اور رعایت کرے اور ایسا راستہ نہ چلے کہ اس کی گفتگو لوگوں کے لئے طعم حنظل ہو اور کسی کے دل میں اس کی محبت کی تصویر نہ کھنچے۔ ایسا شخص ہمیشہ دلوں کے خزانہ کے قبول کا نامحرم ہوتا ہے اور اس کا چراغ حضور کسی بزم میں روشنی نہیں رکھتا ہے۔ عام لوگ اُس کی صحبت سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور اجنبیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اور ان باتوں کے لکھنے کو اپنی محبۂ صادقہ کے ذمہ فرض عین اور عین فرض سمجھ کر ہرگز احسان نہیں کرتی ہوں ؎ عقلمند شخص ایسا کام کیوں کرے کہ جس سے آخر میں شرمندگی اُٹھانی پڑے۔

دوستوں کے ساتھ دوستی کرنا کوئی احسان کا کام نہیں۔ جو شخص دشمن کو نصیحت کرے وہ شخص مخلص ہے قدما نے خوب کہا ہے اور ہم پر فرض ہے کہ اُن کی نصیحتوں کو سرمشق بنائیں۔ ؎ دوست وہ ہے جو تیرے تمام عیب آئینہ کی طرح تیرے سامنے روبرو رکھ دے۔ نہ وہ جو شانہ کی طرح پیچھے جاکر بال بال بیان کر دے۔

کاش تو کل رات ہمارے گھر میں ہوتی اور اپنی آنکھ سے دیکھتی کہ عرب کی بے تربیت لڑکیوں کے ساتھ میں آدھی رات تک کس طرح جنگ و جدل کرتی رہی ہوں۔ میں تیرے خلوص کی مدافعت کرتی رہی لیکن انہوں نے مجھے اور تجھے ایک جان کر کہا "آخر زبان دان ایسی ہی ہوتی ہیں کہ عشق و سودا اُن کے سر میں سماتا ہے۔ فرانسیسی زبان جاننے پر فخر کرنا۔ گٹ پٹ۔ گٹ پٹ کرنے کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہے ؎ میں ڈرتی ہوں کہ تو آزردہ ہو جائے گی ورنہ باتیں تو بہت سی ہیں۔ شاید اس وقت تک اپنی محبہ کو گھر سے نکالنے کی قباحت سے تم آگاہ ہو گئی ہو گی کچھ حرج نہیں ؎ عشق نے اس سے بہت زیادہ کیا ہے اور کرتا ہے۔ تسبیح کو زنار بنا دیا ہے اور بنا دیتا ہے۔

باقی الداعی الفقیرۃ الحقیرۃ محبک "رفیقہ"

میں نے اول سے آخر تک خط پڑھا۔ پھر لپیٹ کر لفافہ میں بند کر دیا اور مہر چپکا دیا۔ اور حاجی مسعود کو دے کر کہا۔ لے جاؤ محبوبہ کو دے دو جب اس کا جواب لکھ لے تو لے آؤ میں پڑھ لوں گا۔ شاید وہ جواب میں کوئی ایسی بات لکھے جو مصلحت کے خلاف ہو۔ مگر اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں مطلع ہو گیا ہوں۔ حاجی مسعود خط کو لے گئے۔ دوسرے روز جواب لے کر میرے پاس لائے۔ مضمون یہ تھا۔

جواب مکتوب رفیقہ از جانب محبوبہ۔

(یہ خط ہے محبوبہ کا اُس کی دوست صادق رفیقہ کے نام) عزیزۂ من۔ تمہارا خط

ہے۔ میری ماں نے اُسے دودھ پلایا ہے۔ وہ میرا بھائی اور میں اُس کی بہن ہوں۔ میری نظر میں نہ اور کوئی خیال تھا نہ ہے۔

میری نظر میں جو کچھ میں نے تجھ سے کہا ہے وہ تقدس ذات انسانیت کے ہمیشہ بہار گلشن کے آب و رنگ کے ظہور اور اصلیت و انسیت کی درستی کے چراغ پر نظر رکھ کر ہے جو در حقیقت صاحبان ہوش و خرد و آداب و عقل و تمیز کے لئے حیف و ننگ ہے انسان کامل کو ایسے کام کا مرتکب نہ ہونا چاہئے کہ بے تمیز دشمن اُس کے قیمتی موتیوں کو ٹھیکری سمجھیں۔ تیرا عمل خواہ نیک ہو خواہ بد مگر عام لوگوں کی نگاہوں میں مذموم ہے۔ ع بدکاری کا پتھر سر پر مارنا گویا دیوانہ پن کا پھول لگانا ہے + عاقل اور کامل انسان کو چاہئے کہ اپنے عیوب کے اظہار سے ناموافق محفلوں میں ہر ناکس سے مراد بے تربیت عرب لڑکیوں سے ہے پرہیز کرے اور تہمت کے مقام سے بھاگے "تہمت کے موقعوں سے پرہیز کرو" تیری محبت کی داستان ایک داستان ہے جو ہر بازاری کے سر میں ہے اگرچہ تہاری محبت ان کو جواب دیتی ہے مگر کیا ہو سکتا ہے جب کہ رسوائی کا طشت بام سے گر پڑا ہو اور اُس کی آواز عالمگیر ہو گئی ہو۔ تو گھر میں بیٹھی ہے اور سامنے دروازہ بند کر لیا ہے باہر کی خبر نہیں ہے کہ کیا ہنگامہ ہو رہا ہے ؎ تیری رسوائی کا ڈنکا بج گیا بازار میں۔

اس فقیرہ کی دوستی و محبت و خصوصیت کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ تیری صلاح کار کو بتاتی رہوں اور تیری کم لطفی سے رنجیدہ نہ ہوں اور تیری حقارت سے ترک محبت نہ کروں۔ اگر مجھ کو ہزار بار نکالے اور بُلائے اور گرائے اور نوازش کرے میں دوستی کے فرض کو جانوں گی اور اپنی طبیعت کو رنجیدہ نہ کروں گی۔ ؎

نکالے گی جو اُس در سے تو میں آؤں گی اِس در سے

تیرا روشن اور منوّر دل آگاہ اور تیرے ضمیر کی سچائی گواہ ہے کہ میری ارادت سابقہ اور عقیدہ صادقہ اصلی و ثابت ہے نہ فرعی اور غیر راسخ ؎

یہ بوستان ہے جس میں باد خزاں نہیں ہے۔

تیری دوستی و محبت کی بنیاد میرے دل میں ایسی محکم و مستحکم ہے کہ کسی حوادث کی صرصر اس کی بنیاد میں رخنہ نہیں کر سکتی اور وہ حصن حصین اور قلعہ متین کرپ کی توپوں سے بھی صدمہ گزین نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے پھر تجھ سے کہتی ہوں تیرا آئینہ قلب صاف و بے غش اور خیانت کی کدورت سے مبرا و مصفا ہے اور تیرے تمام خیالات اغراض کے دھبوں سے مقدس اور منزہ ہیں اگر کیا کیا جائے کہ لوگوں کی نظروں میں نفرت انگیز اور ناپسندیدہ ہیں۔

انشاءاللہ رفتہ رفتہ اُٹھے گا اور گفتگو کرے گا۔ محبوبہ ایسی خوش ہوئی کہ گویا دنیا کی مالک ہو گئی۔ ایک گھنٹہ بعد میں نے جاکر دیکھا حقیقتاً اُس کے چہرہ کا رنگ کل کی نسبت بہت بدل گیا ہے۔ بہبودی کی علامت پیشانی سے ظاہر ہے۔ محبوبہ نے کہا۔ چاء پکائی ہے۔ میں نے کہا لے آ۔ جونہی لائی۔ میں نے پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا۔ یہ چائے ایران سے لائے ہیں۔ پی لو۔ فوراً یا حق یا مدد کہا اور پی گیا۔ لیکن پیتے وقت اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے اُس کے قریب بیٹھ کر اور پاؤں دبا کر کہا۔ پھر پسینہ پکاؤ۔ عصر کے وقت میں باغیچہ میں تھا۔ دیکھا کہ ایک حبشی عرب کا بچہ آیا اور ایک خط حاجی مسعود کو دیا۔ حاجی مسعود کو میں نے آواز دی۔ آیا۔ پوچھا خط کس کا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کہا ہمسائی لڑکی نے چھوٹی بیگم کو لکھا ہے۔ میں نے کہا اگرچہ ٹھیک نہیں مگر شدید وعدہ صالح آفندی کے قول کے موافق دعا نویس یا رمال ہو۔ بے پروائی نہ کرنی چاہیئے۔ میں نے خط لے کر کھولا۔

خط کا مضمون یہ تھا۔

از جانب محبۂ صادقہ۔ بطرف محبۂ صادقۂ خود محبوبہ خانم۔

عزیزۂ محبوبۂ محترمۂ من محبوبہ خانم۔ تین روز ہوئے کہ میں بھی تمہاری طرح پریشان اور خستہ خاطر ہوں۔ مگر میرے اور تمہارے درمیان فرق وہی ہے کہ تمہاری پریشان حالی اور تکدر لشکر عشق کے ہجوم سے حاصل ہوئی ہے اور تیری محبوبہ کا رنج وکدورت غیرت اور عصبیت کے غصہ کی دست درازی سے ہے۔ اس لئے کہ میں جن حوادث کا خواب میں بھی دیکھنا گمان نہ کرتی تھی اُن کو بیداری میں دیکھ لیا اور مشاہدہ کر لیا۔ باوجودیکہ بارہ برس ہو گئے ہم نم انیس وجلیس رہے ہیں عالم صدق وصفا اور راسمۂ مہر ووفا اور ظاہر وباطن میں خواہرانہ انس ومحبت رہی ہے۔ بغیر اس کے کہ اس محبۂ صادقۂ ذلیلہ کی طرف سے کوئی تقصیر یا ترک محبت ہوا ہو اپنے دولت خانہ سے خائب وخاسر نکال دیا اور خدمت سے مہجور رکھا۔ حالانکہ سوائے وفاداری میرا کوئی قصور نہ تھا۔

میں اُس وقت سے تپ لرزہ کی تکلیف میں گرفتار ہوں اور اب تک ہوش نہیں آیا ہے۔

خدا کی قسم دوستوں کی مفارقت بہت سخت ہوتی ہے۔

میں نہیں جانتی کہ میرا گناہ اور تقصیر کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ میں نے مہر ووفا اور صدق وصفا اور خلوص ارادت کے طریقہ سے اور نیک خواہی سے نصیحت کی تھی اور تیری دنیا وآخرت کی بہتری بتائی تھی افسوس کہ میری باتوں کو معاذ اللہ تو نے سوء ظن سمجھا۔ میرا خیال ہے کہ شاید تو نے میری نصائح مشفقانہ کو غرض نفسانی پر محمول کیا حالانکہ ابراہیم بیگ میرا رضائی بھائی

زمین کی عاقل و کامل ترین قوم بن گئے۔ وہ بے تربیتی کی وجہ سے وحشی اور جنگلی رہ گئے۔
امریکہ والوں نے علاوہ زمین کے فوائد حاصل کرنے کے ہوا کو بھی مسخر کر لیا اور بجلی کی قوت کو اپنی اطاعت اور قابو میں لے آئے۔ مگر ہماری سلطنت میں باوجود اس قدامت اور عظمت کے ایک مکتب بھی ایسا نہیں ہے جس کا معلم یہ جانتا ہو کہ سوائے تقلید کے کوئی ایسا علم بھی ہے جس سے ایک سلطنت کے لئے سرمایۂ سعادت اور ایک قوم کے لئے نیک بختی حاصل کر سکیں۔ اس وسیع ملک میں ایک اخبار نہیں نکلتا اور اگر برائے نام پایا بھی جاتا ہے تو وہ دو کاغذ کے پرچے ہیں کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ بڑی زحمت سے پتھر پر چھاپ لیتے ہیں۔ اور اس کے مضامین اور عنوان ملک و قوم کو ایک کوڑی کا بھی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ روزنامہ ایران اور اطلاع ہمارے زندہ شاہد ہیں۔
تیس سال قبل جاپان صرف تیس اخباروں کا مالک تھا جو تمام مزخرف اور لاطائل تھے۔ بلکہ ایران اور اطلاع سے بھی بدتر۔ اب ایک ہزار روزنامہ اور ہفتہ وار اخبار اور ادبی و سیاسی ماہواری رسالے اُس سلطنت میں شائع ہوتے ہیں۔
حاجی تبریزی نے کہا۔ یوسف بس کرو۔ ایک بج گیا۔ پرسوں رات غریب خانہ پر تشریف لائے اور اس گفتگو کو وہاں تمام کیجئے۔ میں نے کہا۔ تبریز میں بیس روز ہم نے آپ کو تکلیف دی تھی وہی کافی ہے۔ یہاں اب تکلیف نہ کیجئے۔
کہا دوست احباب کا جمع کرنا مقصود ہے کہ گفتگو کریں گے تکلیف کا ذکر درمیان میں نہیں ہے۔ اور تکلف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پرسوں رات سب صاحبان ضرور تشریف لائیں۔ مجلس منتشر ہوئی۔ میں گھر آکر سو گیا۔
علی الصباح اُٹھ کر دو رکعت نماز ادا کر رہا تھا کہ یکایک میرے کمرہ کا دروازہ دھڑا دھڑ کرنا شروع کیا۔ میں نے نماز ختم کر کے پوچھا کون ہے؟ محبوبہ نے کہا میں ہوں چچا یوسف محبوبہ کی آواز سن کر مجھ کو بڑی وحشت ہوئی۔ میں سمجھا کہ ابراہیم بیگ کی حالت دگرگوں ہو گئی جلدی سے پوچھا خیر باشد۔ کیا بات ہے؟ کہا انشاء اللہ خیریت ہے۔ خوشخبری لائی ہوں الحمدللہ خود بخود آقا نے نیم خیز ہو کر پیداں کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں سمجھی پانی مانگتے ہیں میں نے دیا۔ پی لیا۔ اُن کا چہرہ بشاش اور روشن ہے آپ کو خوشخبری لائی ہوں کہ آئیے اور دیکھ لیجئے۔ آدھے اُٹھے ہوئے اور تکیہ سے سہارا لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حاجیہ خانم کہاں ہیں۔ کہا بیگ کے پاس سو رہی ہیں میں نے کہا حاجیہ خانم سو رہی ہیں جب تک نہ اٹھیں میں نہیں آسکتا ہوں۔ آپ کا انعام میرے سر آنکھوں پر۔ جاؤ میں بعد میں آؤں گا۔

راضی ہوگیا فوراً پادری کے حکم پر عمل کیا۔

اب آپ دیکھئے کہ تمدن کے اوصاف حسنہ کو کس طرح جمع کیا ہے۔ یہ ہے جو میں عرض کرتا ہوں۔

دنیا وحشت آباد تھی۔ رفتہ رفتہ اصلاح پذیر ہوگئی۔ انشاء اللہ عنقریب ایران بھی تمدن کے دائرہ محمودیں آکر قانون مساوات کے مدارج پر عروج کرے گا۔ جیسا کہ حضرت ولیعہد کے ارادوں کی تعریف و توصیف کرتے ہیں ایران مستقبل کے لئے بہت سی امیدوں کا سرمایہ ہے۔

میں نے کہا آقا جان۔ تمام قوموں اور ملکوں کو یا تو ایک عقلمند بادشاہ نے مثل میکاڈو جاپانی کے ہدایت کی ہے۔ یا قوم کو اخباروں اور مطبوعات نے غیرت دلائی ہے اور حکما و اُدبا نے بیداری ملت کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں معائب کو بتاکر سب کے سامنے رکھ دیا ہے۔ سلطنت کے حقوق قوم کے سامنے اور قوم کے حقوق سلطنت پر محدود کرکے لوگوں کے سامنے جلوہ گر کر دئے ہیں یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اُن کا کوکب اقبال طلوع ہوا اور اگر ایسا نہ کرتے تو یقیناً ایسے نہ ہو جاتے۔ بدقسمتی سے ایران میں میں نے اس خیال کا ایک شخص نہیں دیکھا جو قوم اور سلطنت کے عیوب تحریریں لائے جو شاعر ہیں اُن پر خدا کی پھٹکار اُن کے تمام حواس اور خیال اس پر منحصر ہیں کہ ایک فرعون صفت اور نمرود روش شخص کی تعریف کرکے ایک عدد لنگڑا ٹٹو حاصل کریں۔ اور جو حکما ہیں .... کیا تعریف کروں کہ وہ موہومات رکیکہ میں غرق ہیں۔ ؎ جو خود گمراہ ہو وہ کسی کی کیا رہبری کر سکتا ہے۔

جو علماء ہیں اُن کو طہارت ہی کے مسئلے سے فرصت نہیں ہوئی۔ کسی کتاب فروش کی دوکان میں جاؤ وہی دو سو تین سو برس پہلے کی کتابوں کے سوا کوئی جدید تصنیف و تالیف نہ ملے گی! اور اگر کوئی نئی کتاب لکھی بھی گئی ہے تو فقط نام بدل دیا گیا ہے مضمون وہی ہے جو قدما لکھ گئے ہیں۔ کسی امیر یا وزیر کو نہیں دیکھا جس نے ایک جلد کتاب لشکر اور توپخانہ کی وضع یا ٹیکس اور اصول ملک داری اور رعیت پروری اور مالیات کی وصولی کے قوانین اور حکمرانی و مساوات کے قانون پر لکھی ہو۔ کبھی درخت امید خود بخود نہیں اُگا اور پھل نہیں آیا۔ اور اگر آیا بھی تو تمتع کے قابل نہیں ہوتا ہے مانند جنگلی پھلوں کے تلخ اور بے مزہ ہوتا ہے۔ اگر تمدن کے اصول پر ہم ایک درخت لگائیں اور اس کی تربیت کریں تو یقیناً اس کا پھل لذیذ اور شیریں ہوگا انسان کو اگر تربیت ہوتی ہے آدمی بن جاتا ہے۔ افریقہ والے ایسے حیوانوں کی مانند نہ ہوتے اور امریکہ والے بھی افریقہ والوں کی مثل تھے۔ یہ کامل انسانوں کے ہاتھ میں پڑ گئے روئے

مگر دو روز ہوئے کہ اس سیاحت نامے نے مجھ کو بہت مضطرب کر رکھا ہے۔ میں ایران کو اس درجہ تک پریشان نہ سمجھتا تھا۔ جہاں کہیں ابراہیم بیگ کے خلاف لکھا ہوتا تھا یقین نہ کرتا تھا مگر چونکہ ابراہیم بیگ خود ان باتوں کا مدعی تھا اور اب باوجود اس تعصب و غیرت کے جو وہ رکھتا ہے ان باتوں کو لکھا ہے چار و ناچار یقین کرنا چاہئے۔ بعید نہیں ہے کہ ابراہیم بیگ نے پھر بھی تعصب فطری اور غیرت کی وجہ سے بعض چیزوں سے پردہ پوشی کی ہو۔ میرزا خلیل ہمدانی نے کہا۔ اس طرح نہیں رہے گا۔ اب وہ زمانہ ہے کہ دنیا کی طبعی گردش خود بخود تمام عیوب کی اصلاح کر دے گی۔ اس سے قبل تمام زمین وحشت آباد تھی۔ یہ مت سمجھو کہ اہل مغرب وحشی گری اور برہنگی سے ایک دم مہذب بن گئے تھے۔

میں نے سُنا ہے کہ ایک دن اسپین میں پادریوں کی انجمن نے ایک بے گناہ جوان کو متہم کر کے اُس کے جلانے کا فتویٰ دے دیا۔ شہر کے میدان کے وسط میں سیاک کے سامنے کھلم کھلا بہت سی لکڑیاں ڈالی گئیں اور مٹی کا تیل چھڑک کر آگ جلائی تاکہ اس متہم جوان کو جلائیں۔ اُس وقت جوان بادشاہ فرڈلان ادھر سے گذرا۔ پوچھا کیا ہنگامہ ہے؟ لوگوں نے کہا۔ یہ جوان پادریوں کے نزدیک ملزم ہے۔ آگ میں جلائیں گے۔ مہربان بادشاہ نے دلسوزی سے کہا "ہائے بیچارہ" اور فوراً وہاں سے چلا گیا۔

ملزم کا کام تمام ہونے کے بعد "لاٹ پادری کو خبر کی گئی کہ بادشاہ اُس میدان سے گذرا تھا اور ملزم جوان کو اس حالت میں دیکھ کر اس نے دلسوزی اور انسانیت سے کہا تھا کہ "ہائے بیچارہ" پادریوں نے اس بارہ میں خاص طور سے جلسہ کیا! اور بحث کی کہ بادشاہ کا افسوس کرنا ہماری شریعت و طریقت کی توہین ہے لہٰذا بادشاہ کی ذات بھی جلائے جانے کی مستوجب ہے۔

یہ خبر بادشاہ کو پہنچی کہ کام تمام ہوگیا اور تمہارے جلانے کا بھی حکم قطعی صادر ہوگیا ہے۔ بادشاہ آدھی رات میں تن تنہا لاٹ پادری کے گھر پہنچا اور جاتے ہی اُس کے قدموں پر گر پڑا اور رونا شروع کر دیا اور کہا "لوگوں نے صحیح خبر دی ہے کہ میں نے 'ہائے بیچارہ' کہا تھا۔ مگر توہین مقصود نہ تھی بلکہ یہ بات بے اختیار انسانیت و ہمدردی کی بنا پر میری زبان سے نکل گئی۔ اب خدا کے واسطے میری جوانی پر رحم کرو اور میرا قصور معاف کرو۔"

پادری نے بڑے غور کے بعد جواب دیا کہ تیرے جلانے کا فتویٰ صادر ہو چکا ہے منسوخ نہیں ہو سکتا لیکن ایک فصاد بُلوا کر فصد کھلوا اور اپنا خون شیشہ میں لے جا تاکہ جس جگہ آگ جلائی گئی ہے وہاں تیرا خون آگ میں ڈال دیں اور وہ جل کر تیرے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ بادشاہ

ولیعہد کی عمر دراز کرے، ہم سب نے کہا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ابراہیم بیگ متحیر کھڑا ہے۔ نہ اُس نے خربوزہ کھایا اور نہ ہم نے زہر مار کیا۔ فالیز والوں کو انعام دے کر سوار ہوئے اور چل پڑے ابراہیم بیگ یحییٰ کے پیچھے جا رہا تھا۔ میں بھی اس کے رفیق کے ساتھ اُن سے آگے جا رہا تھا۔ گفتگو کے درمیان اُس کے ساتھی سے کہا۔ اس قسم کی سلطنت میں کس طرح زندگی بسر کرتے ہو۔

کہا۔ چچاجان۔ سب جائداد اور بیوی بچے والے ہیں۔ بیوی بچوں کو چھوڑ کر ہجرت نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی ہو گذر کرنی چاہیئے۔ حب وطن ہے۔ کیا کیا جائے۔

میں نے کہا۔ شیخ سعدی نے برسوں پہلے کہا ہے ؎

اے سعدی حب وطن اگرچہ صحیح حدیث ہے مگر سختی میں بھی تو نہیں مر جاتا کہ

میں یہاں پیدا ہوا ہوں۔

پیچھے پلٹ کر میں نے دیکھا کہ ابراہیم بیگ ہمارا مکالمہ سُن رہا ہے۔ فوراً میں نے لب بند کر کے سانس روک لیا۔ پھر غصہ کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر ہوئے۔ میرزا عباس نے کہا حقیقت میں خدا ولیعہد کی عمر دراز کرے تمہیں خدا کی قسم آمین کہو۔ سب نے آمین کہی۔ پھر بے اختیار کہا کہ اگر ذرا دیر سے پہنچتا تو بیچارہ زندہ درگور ہو جاتا۔

حاجی تبریزی نے کہا حقیقتاً معصوم و بے گناہ تھا۔ اس مظلوم شخص کی خلاصی بموجب اس آیۃ کریمہ کے کہ "جس نے ایک شخص کو بچایا گویا اس نے تمام لوگوں کو بچایا" گویا حضرت والا نے ایک آدمی کو زندہ نہیں کیا بلکہ تمام مخلوق اور ابنائے بشر کو زندگی بخشی۔ یہ احسان عام اور نیکنامی قیامت کے دن تک باقی رہے گی۔

میں نے کہا۔ چچا۔ حضرت ولیعہد کے حُسنِ نیت اور پاکی طینت اور ستودگی سیرت اور نیک فطرت کے قصے لوگ بہت بیان کرتے ہیں۔ ابراہیم بیگ کو بھی حضرت والا کی بادشاہی سے بہت سی امیدیں ہیں۔

کہتا تھا کہ انشاء اللہ تعالےٰ ولیعہد کے سلطنت موروثی کے تخت پر جلوس کرنے کے بعد مدتوں کے تمام گڑبڑی درست ہو جائے گی اور ظلم و تعدی کی بیخ و بنیاد اکھڑ جائے گی۔ خزاں رسیدہ ایران بہار گلستان ہو جائیگا۔ اس لئے کہ موجودہ گڑبڑ اور عاملوں اور حاکموں کے ظلم سے کامل واقفیت حاصل کر کے سب کی باحسن وجہ اصلاح کر دے گا۔

حاجی محسن آقا نے کہا۔ جیسا کہ ابراہیم بیگ نے لکھا ہے۔ اگر ہمسائے والے وزیر باتدبیر کو جو صاحب عزم و حزم اور بادشاہ کے خیالات کا مؤید ہو ایران میں تسلط و تفوق پانے دیں تو ایران ترقی کر سکتا ہے۔

حضرت والا مجرم کو بلاتے ہیں۔ اتفاق سے حضرت والا شکار سے تشریف لاتے تھے
دور سے ہم کو دیکھ کر پوچھا۔ ہم لوگوں نے کیفیت عرض کی۔ خود کیمپ میں چلے گئے اور ایک سوار
میرے بلانے کے لئے بھیجا۔ مجھ کو خیمہ کے پاس لے گئے اور کہا۔ جا اور گریہ وزاری کرکے التماس
کر۔ میں نے کہا "سیاہی سے بڑھ کر کوئی اور رنگ نہیں ہے" میں ہرگز بے گناہی کے ہوتے ہوئے
التماس نہ کروں گا۔ انہوں نے جا کر عرض کر دیا۔ مجرم حاضر ہے۔ سامنے بلایا۔ مجھے لے گئے۔ میں
بغیر تعظیم کئے اور سر جھکائے کھڑا ہو گیا۔ جونہی کہ مجھ کو دیکھا حکم دیا کہ اس کے گلے سے زنجیر نکال
ڈالو۔ اور آزاد کر دو۔ کوئی شخص اس سے متعرض نہ ہو۔ زنجیر نکال دی گئی۔ لشکر کے درمیان
میں ایسا مسرور اور خوش ہوا کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ کسی نے کوٹ۔ کسی نے ٹوپی۔
کسی نے جوتیاں۔ کسی نے قبا بخشی۔ یہ بھی چاہا کہ آپس میں چندہ کریں۔ مگر میں راضی نہ ہوا۔
اور کہا۔

میں محتاج نہیں ہوں۔ خدا ولیعہد کی عمر دراز کرے! تم ایک گھوڑا کرایہ کر دو جو مجھے
تبریز پہنچا دے میرے ماموں حاجی جعفر کے گھر۔ اس کا کرایہ میں دوں گا۔ پیشخدمت نے اس کے
نوکر سے کہا کہ میرے واسطے گھوڑا تیار کرے اور خود بھی سوار ہو کر مجھ کو لے جائے حاجی
جعفر کو سلام کر کے لوٹ آئے۔ یہ ہے میری داستان اور ولیعہد کو دعا دینے کا سبب اب میں
تم سے انصاف چاہتا ہوں کہ اگر ہر سانس پر دو مرتبہ ولیعہد کی ثنا کروں اور دو دعا دوں تو کیا
اس نعمت کا شکر بجا لا سکتا ہوں؟

اس لئے کہ میری زندگی اس کی وجہ سے ہے۔ میں بیوی بچوں والا ہوں۔ اُن کے واسطے
جو روزی کماتا ہوں وہ اُسی کی مہربانی سے ہے جس نے مجھے زندگی بخشی۔ درحقیقت میں ولیعہد
کا زندہ کیا ہوا ہوں۔ خدا ولیعہد کی زندگی کو دراز کرے۔ جب تک زندہ ہوں سوتے جاگتے۔
کھاتے پیتے۔ بیٹھتے اُٹھتے یہ ذکر میرے ورد زبان رہے گا۔ اب تم ہی تصدیق کرو کہ میں ٹھیک
کام کرتا ہوں یا نہیں؟ خدا ولیعہد کی عمر دراز کرے۔

مجھے بے اختیار رقت طاری ہو گئی۔ ہائے ہائے کر کے رونا شروع کیا۔
یحیٰی نے کہا بابا جان۔ روتے کیوں ہو؟ خدا کا شکر ہے کہ مجھے مار نہ ڈالا اور جلایا
نہیں اور زندہ درگور نہ کیا۔ میں نے کہا۔ اس بے سری قوم کی حالت پر روتا ہوں کہ ان
بیچاروں کی قیمت کس قدر ارزاں ہے۔ کن لوگوں کے سپرد کئے گئے ہیں۔
کرایہ دار نے پوچھا۔ یہ ولیعہد کون ہیں؟
کہا۔ اب بڑے ہو گئے ہیں۔ تبریز میں ہیں اور مظفرالدین میرزا نام ہے سب کہو۔ خدا

روزانہ محصلین چودھری اور چپراسی یہاں تک کہ خود امیرزادہ سے خرچ وصول کر لیتے تھے۔
الغرض تین مہینے کے بعد میرے ماموں نے تبریز سے لکھا کہ مجھ کو خفیہ راستہ سے ماموں جعفر دلال کے گھر تبریز بھیج دیں۔ لکھے پر عمل کیا گیا۔ ماموں جعفر مجھ کو مجتہد کے گھر لے گئے۔ تین دن میں وہاں رہا۔ اس کے بعد مجتہد صاحب نے فرمایا "یحییٰ کو ساعد الملک کے طویلہ میں لے جاؤ" اور خود معزی الیہ کو سفارش نامہ لکھا۔ مجھ کو پوشیدہ طریقہ سے ساعد الملک کے طویلہ میں پہنچایا۔ حضرت ولیعہد اور ساعد الملک چمن میں تھے۔ لشکر بھی وہیں تھا۔ تین دن بعد چند توپچی آئے اور میرے ہاتھ پیچھے کو باندھ کر زنجیر گردن میں ڈال کر لشکر میں لے گئے۔ جب میں ساعد الملک کے سامنے پہنچا۔ انہوں نے سلطان کو بلا کر کہا۔
"یہ تیرے بیٹے کا قاتل ہے۔ جس طرح تیرے دل کو تشفی ہو سکے اس کے ساتھ برتاؤ کر۔ اس حکم کے ساتھ تو محکم اور مختار ہے۔ سلطان میرا ہاتھ پکڑ کے لشکر کے باہر لے گیا اور ایک توپچی کو ایک امیریال دے کر کہا۔ "ایندھن لے آ" ایک گھنٹہ بعد تین مزدور لکڑیاں لائے ایک جگہ ڈال کر آگ جلائی۔ جب لکڑیوں نے آگ پکڑ لی اور اس کے شعلے بلند ہوئے۔ سلطان نے مجھ سے خطاب کر کے کہا
"پدر سوختہ۔ مادر بخطا۔ اب تجھے ایسا جلاؤں گا کہ تجھے آدمی جلانے کا مزا مل جائے"
اس مثل کے بموجب کہ "جو مرنے سے ہاتھ دھو لیتا ہے اُس کے جو جی میں آتا ہے کہتا ہے" میں نے جواب دیا کہ اے پدر سوختہ۔ مادر بخطا تیری ماں کی بیوی اور بہن کی بیوی۔ اگر میں نے تیرے بیٹے کے ساتھ بدی کی ہے تو اس کی سزا جزا بھگتوں گا ورنہ شہید ہو کر روز قیامت اس آگ کے عوض تجھ کو نار جہنم میں ڈالوں گا تاکہ تو بھی جہنم کی آگ کا مزہ چکھے۔ اس پر ایک توپچی نے میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ چونکہ میرے ہاتھ بندھے تھے میں نے اُس کے منہ پر تھوک دیا۔ میرے کپڑے اُتار لیے گئے۔ کرتہ کے سوا کچھ نہ رہا۔ اُس وقت ایک چپراسی نے آکر کہا۔
سردار حکم دیتے ہیں کہ چونکہ آدمی کا جلانا شرع اور رسم کے خلاف ہے اس لئے اس کے جلانے کو موقوف کر کے کسی اور طریقہ سے مار ڈالیں۔ سلطان کو بہت غصہ آیا اور کہا۔ میرے دل کو جس طرح تسلی ہو سکے اپنے بیٹے کے قاتل کو ماروں گا۔ پھر حکم دیا کہ گڑھا کھودیں تاکہ مجھے زندہ گاڑ کر مٹی ڈال دیں۔ ایک رسی میرے برابر لے کر زمین کی گہرائی ناپی۔ یکایک دور سے ایک جماعت آتی دکھائی دی ایک سوار گھوڑا بڑھا کے آیا اور کہا۔

رکھتا تھا کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اس وجہ سے میرے ساتھ ظاہراً محبت کرتا تھا۔

میں نے کہا کہ آج کی رات بھی جیلر کو کھانا بھیجو۔ اس اثنا میں جیلر خود مکان میں داخل ہوا اور آہستہ میرے کان میں کہا امیرزادہ نے تیرے لئے خلعت بھیجا ہے باہر آ اور استقبال کر۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور چاہا کہ باہر جاؤں۔ عورتیں جمع ہوگئیں اور مجھ کو اندر کھینچ لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ خلعت کی بات جھوٹی اور حیلہ تھا۔ عبدالاحد کے قتل کے بعد ابراہیم سلطان تبریز چلا گیا ساعدالملک سے عرض کی۔ اُس نے عزیز خاں سردار سے حالات بیان کئے۔ عزیز خاں نے حکم دیا کہ دوار ولی مراغہ جائیں اور اس کو باندھ کر لے آئیں۔ ضیاء الدولہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی۔ ایک مخصوص ڈاک والا مراغہ کو بھیجا اور اپنے بیٹے کو تاکیدی حکم بھیجا کہ یحییٰ کے دو ٹکڑے کرکے تبریز کے دروازہ کے سامنے لٹکا دے۔ سردار کون ہوتا ہے جو میرے دارالحکومت سے آدمی لے جاسکے۔ میرے لئے یہ حکومت بلکہ زندگی باعث شرم ہے۔

یہ تحریر میری خلاصی کے آدھ گھنٹہ بعد مراغہ میں پہنچی۔ امیرزادہ نے مجھ کو علی محمد بیگ فراشباشی کے ہاتھ بلوایا۔

جیلر نے کہا یحییٰ مجھ پر اعتماد رکھتا ہے۔ میں جاتا ہوں۔ حیلہ کرکے اُس کو لاتا ہوں۔ چند سپاہیوں کو لے کر آیا اور دروازہ کے سامنے پہرہ بٹھا دیا اور خود گھر میں آیا۔ میرے عزیزوں کو یہ بات معلوم ہوگئی۔

مجھے کوٹھوں کوٹھوں شہر کے باہر لے گئے تاکہ طہران میں میرے باپ کے پاس بھیج دیں محمد آقا قادربان بھی ہمارے عزیزوں میں سے ہے۔ چونکہ قیدخانہ میں بے آرامی اور تکلیف کی وجہ سے میں بیمار ہوگیا تھا اس لئے طہران جانے کی قوت نہ تھی۔ دوسری رات مجھے شہر میں لوٹا لائے شیخ الاسلام کے گھر لے گئے جسے اصطلاح میں بست کہتے ہیں باوجود اس کے مجھے سرداب میں پوشیدہ رکھا۔

میرا ماموں تبریز چلا گیا چوتھے روز سردار کے نہایت سخت اور جابر محصل جوگو بانمرود اور شداد کی اولاد تھے وارد ہوئے۔ میرے عزیزوں میں سے بیس آدمی رُوپوش ہوگئے محصلوں نے جن میں سے ایک نائب حمید اندھا تھا میرے خالو اور خالہ کے باغ پر پہرہ بٹھا دیا اور میرے خالو کے کمرہ کے سامنے کو تقہ لگا دیا۔ ہمارا اور ماموں اور خالہ کا گھر خالی کرکے تینوں گھروں کے اہل و عیال کو ایک گھر میں جمع کر دیا اور سوائے بورئیے کے کوئی چیز نہ چھوڑی۔ اور محصل ہمارے گھر میں بیٹھ گئے اور ہر طرف میری اور میرے عزیزوں کی جستجو کرنے لگے کہ اگر ہم کو نہ ڈھونڈ کر بتائیں گے تو شاید میرے عزیزوں میں سے بعض کو پکڑ کے پیسے وصول کرلیں گے۔

بیٹے کی وضع سے بے خبر تھا۔ عبدالاحد کی بہن ابراہیم خلیل سلطان کی بہن تھی۔ یہ بھی سلطان کا سالا ہونے کی وجہ سے بدمعاشی کرتا تھا سلطان مذکور کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا فرج اللہ نام سولہ سال کا۔ آفتاب طلعت۔ نیکو صورت مشہور زمان اور یوسف دوران تھا۔

ایک دن ہم تینوں ابراہیم خلیل سلطان کے باغیچہ میں توپخانہ جا رہے تھے۔ فرج اللہ شراب پینے کا عادی تھا۔ شراب کا شیشہ بغل میں تھا۔ پی کر ختم کر دیا۔ اُس کے بعد منت وسماجت سے مجھے اور عبدالاحد کو قریہ مہرآباد کو جو اُن کے باغ کے قریب تھا اور جہاں کے رہنے والے سب کے سب عیسوی مذہب ہیں بھیجا کہ وہاں سے شراب تحصیل کر کے لائیں۔ طوعاً وکرہاً گئے مگر بے نیل مرام واپس آئے۔ دیکھا کہ فرج اللہ سر سے پاؤں تک جل گیا ہے اور نیم بریاں ہو گیا ہے۔ ذرا سی رمق باقی ہے۔ اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ چونکہ ماہ صفر تھا سیاہ قبا پہنے ہمارے جانے کے بعد کباب بنانے میں مشغول ہو گیا۔ قبا کے دامن میں آگ لگ گئی۔ چونکہ نشہ میں تھا آگ بجھانے پر قادر نہ ہو سکا اور اپنے آپ کو کباب کر ڈالا۔ یہ حالت دیکھتے ہی ہم نے افسوس کرتے ہوئے اور سر پیٹتے ہوئے باغبان کو آواز دی۔ ایک کمبل لا کر فرج اللہ کو اس میں ڈال کر شہر میں لائے۔ داروغہ اور چوہدری جمع ہو گئے۔ فرج اللہ سے حال پوچھا۔ جواب دیا کہ مجھ کو حضرت عباسؑ نے مارا۔ اُس کے باپ نے اصرار کیا۔ وہی جواب پایا۔ چند ساعت کے بعد فرج اللہ مر گیا تین روز تک اُس کے سوگوار رہے۔ تین دن بعد سلطان نے توپچی کو حکم دیا کہ مجھ کو اور اُس کے سالے عبدالاحد کو پکڑ لائے۔ ضیاء الدولہ محمد رحیم مرزا حاکم تھا۔ شہزادہ خود تبریز میں تھا اور اس کا بیٹا امیرزادہ داراب میرزا حکومت کرتا تھا۔

ہم کو دارالحکومت میں لے گئے۔ رات بھر حوالات میں رکھا دوسرے دن ابراہیم خلیل آیا۔ ہم کو حضور میں لے گئے۔ جا کر آداب بجا لائے اور کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے عبدالاحد کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ یہ میرا خونی ہے اور مجھ کو بھی بتا کر کہا کہ یہ نواب والا امیرزادہ کے باورچی خانہ کا خرچ ہے۔

فی الفور حکم ہوا بدون سوال وجواب عبدالاحد کی گردن اُڑا دی گئی اور ایک شہر کے دل کو جلا ڈالا۔ میرے بیڑی اور ہتھکڑی ڈال دی گئی۔ چونکہ میں خود مفلس تھا اور ایک معقول رقم جو میری خلاصی کا سبب ہو سکے نہ رکھتا تھا اس لئے میرے ماموں نے سو تومان امیرزادہ کو اور دس تومان چپراسی کو دے کر مجھے قید سے نجات دلوائی اور اپنے گھر لے گیا مغرب کے وقت تمام عزیز و اقربا عورتیں اور بچے مکان کے صحن میں میرے پاس جمع ہو گئے۔ چونکہ قید خانہ میں ہر رات میرے لئے گھر سے کھانا آتا تھا میں جیلر کے ساتھ جو جلاد کا عہدہ اور منصب

جب ایک شیریں پانی کی ندی کے کنارے پہنچے تو سب نیچے اُترے اور ہاتھ منہ دھویا۔ پھر شیخ یحییٰ نے پانی لے کر تین مرتبہ پیا اور کہا۔ خدا ولیعہد کی عمر دراز کرے۔ پھر جب ہم تھوڑی دور چلے تو ہمارے رفیق راہ نے اپنا دسترخوان نکال کر نان اور پنیر اور باسی گوشت کھایا۔ اور پھر کہا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ خدا ولیعہد کی عمر دراز کرے ابراہیم بیگ نے میری طرف دیکھا اور اشارہ کیا کہ یہ شخص دیوانہ (کچھ نہ جاننے والا) ہے۔ خدا ولیعہد کی عمر دراز کرے۔ اس بے موقع بات کے کیا معنی ہیں؟ کچھ دور چل کر تھک گئے۔ ہم نے چاہا کہ سوار ہو جائیں۔ پھر سوار ہونے کے بعد کہا۔ اللہ ولیعہد کی عمر دراز کرے۔ ابراہیم بیگ نے کہا۔ چچا جان۔ آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ کہا یحییٰ۔ ابراہیم بیگ نے کہا۔ میرا نام ابراہیم ہے۔ رفاقت کا حق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کا نام ونشان بھی جاننا چاہیئے۔ یہ میرے چچا میرزا یوسف ہیں۔ کہا بہت اچھا۔ بیگ نے کہا۔ چچا جان۔ میں آپ سے ایک بات پوچھوں گا۔ کہا پوچھو۔

بیگ نے پوچھا۔ پانی پیتے وقت اور روٹی کھاتے وقت اور سوار ہوتے وقت آپ نے کہا تھا۔ خدا ولیعہد کی عمر دراز کرے اس مکرر اور بے محل بات کے کیا معنی ہیں؟

آقا یحییٰ نے کہا۔ اس کو نہ پوچھو۔ میں یہ نہ بتاؤں گا۔ میں اپنے فرض کو بہتر سمجھتا ہوں۔ ہم نے بہت التماس کیا کہ ہم بھی حضرت ولیعہد کے دُعا گو اور اس وجود شریف کے محب ہیں اگر کوئی راز مخفی ہو تو ڈر مت۔ ہم دل میں رکھیں گے اور کسی سے افشا نہ کریں گے اور علاوہ اس کے ہم سیدھے ممالک خارجہ کو چلے جائیں گے۔

یحییٰ نے کہا۔ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے۔ چونکہ ایک دن میں سو بار میں اس کو یاد کرتا ہوں اگر ہر شخص کو اس کی وجہ بتانی شروع کروں تو میرا تمام وقت بھی کافی نہ ہو۔ علاوہ اس کے یہ مسئلہ طولانی ہے اور ہماری تمہاری ہمراہی ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ رہے گی۔ اس اثنا میں ہم ایک فالیز کے کنارے پہنچے جہاں خربوزے اور تربوز توڑے جا رہے تھے۔ ابراہیم بیگ نے کہا۔ آقا یحییٰ۔ چلو اس باغ کی جھونپڑی میں بیٹھیں اور تھوڑی دیر آرام کریں اور پھل کھائیں آپ بھی اپنا قصہ سنائیے۔

یحییٰ نے کہا۔ میں بھی حقہ پینا چاہتا ہوں۔ بسم اللہ۔ ہم جا کر بیٹھ گئے۔ بغیر اس کے کہ ہم فالیز والے سے کچھ کہیں چند عدد خربوزے اور تربوز توڑ کر لایا اور ہمارے سامنے رکھ کر کہا۔ بسم اللہ۔ آقا یحییٰ نے اس طرح اپنی داستان شروع کی۔ تقریباً پینتیس یا چالیس سال پہلے جب کہ میں قریباً تیس سال کے تھا میرا ایک دوست عبد الاحد تھا جس کی عمر تقریباً چوبیس سال کی تھی۔ وہ جوان صورت زیبا اور موئے عنبریں رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ چھرا اور خنجر باندھنے لگا لیکن اُس کا باپ

ہے اور گنتے مردار کے گرد جمع ہیں۔ اُس کو بھی دوڑاتے ہیں اور خود بھی دوڑتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ تک وہاں کھڑا رہا گویا پولیس اور میونسپلٹی کے چیئر اسپورن کا منتظر تھا کہ انہیں آواز دے اور کہے کہ یہ کیا طریقہ ہے؟ پولیس اور جنگی کا محکمہ کہاں ہے؟ صفائی کہاں ہے؟ اس وقت بیگ نے کہا۔ کیا اس سلطنت میں ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے؟ آخر یہ حالت صحت کے لیے مضر نہیں ہے؟

میں نے کہا۔ نورچشم یہاں کھڑے رہنے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ سینٹری ہو یا نہ ہو۔ آؤ چلیں۔ جس شہر میں چالیس ہزار آدمی رہتے ہوں دو عدد حکیم اور ڈاکٹر نہیں۔ اور اسکول میں پڑھا ہوا جراح مفقود ہے۔ اُن کا معتبر جراح وہ ہے کہ اس کا باپ نائی تھا۔ ایسا آدمی تو خود بخود جراح ہو جاتا ہے یا یہ کہ نائی غریب مریضوں کا امالہ کرتا ہے۔ اور کبھی دیکھا گیا ہے کہ دو شخصوں میں کسی معمولی بات پر جھگڑا ہوا ہے۔ ایک نے مارا۔ دوسرے کا منہ خون آلود ہو گیا۔ ایک عدد سپاہی نہیں کہ جو پوچھے یہ کیا ہنگامہ ہے؟ اگر اتفاق سے کوئی پیشقدمی کر کے داروغہ کے پاس چلا جائے تو وہ دوسرے کو بدون سوال وجواب کے عام اس سے کہ مظلوم ہو یا ظالم پکڑ کر حیثیت کے موافق روپیہ وصول کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ کبھی نہیں پوچھتا کہ قصوروار تھا نہ تھا۔ اگر روپیہ نہیں رکھتا ہے تو ٹکٹکی پر باندھ کر اس قدر مارتے ہیں کہ گھر سے نکلنے کی قوت نہیں رہتی اور دو مہینے تک بستر پر پڑا رہتا ہے۔ بال بچے بھوک اور ضعف سے نالاں ہر کس وناکس سے سوال کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اس کے ناک کان کاٹ کر بازار میں پھراتے ہیں اور اپنے لئے نقدی اور غریب کے لئے بے آبروئی فراہم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس فقیر کی مالی اور جسمانی حالت کو کس قدر نقصان پہنچتا ہوگا۔ ان کی ہرگز پروا نہیں کرتے۔ معلوم نہیں سیاحت نامہ میں کس وجہ سے اس قصہ کو نہیں لکھا جو ایک شخص نے بیان کیا تھا۔ میں تو برداشت نہ کر سکا تھا اور ہائے ہائے کر کے رو رہا تھا۔ سب نے پوچھا وہ قصہ کیا تھا؟

میں نے کہا طویل ہے۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد کچھ تھوڑا سا عرض کروں گا۔ کچھ متعلق اور متفرق گفتگو کے بعد شام کا کھانا کھایا حاجی ... تبریزی نے کہا۔ کہو میرزا یوسف پھر تبریز کے متعلق کیا کہتے ہو؟

میں نے کہا یہ بات تمہارے تبریز کے متعلق نہیں ہے۔ یہ مراغہ کا قصہ ہے۔ اُس نے ہنس کر کہا۔ ضرور قیماق یا باصدوق کا ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ مراغہ کیا باصدوق سے کچھ کم قیمت رکھتا ہے؟ چنانچہ ہم مراغہ سے بناب کی طرف جانور کرایہ کر کے جا رہے تھے۔ شہر کے باہر دو شخص بھی گدھوں پر سوار جا رہے تھے۔ کچھ دور چل کر ایک نے اُن سے پوچھا۔ ہمشہریو کہاں جاتے ہو؟ ایک نے جواب دیا۔ خارقان کو۔ بیگ نے کہا ہم بناب کو جا رہے ہیں۔ اچھا ہوا کہ ہمراہ ہو گئے۔ ہم کسی جگہ سے واقف نہیں ہیں۔ تم بعض چیزوں کو ہمیں بتاتے جاؤ۔ کچھ دور چل کر

خدا کے لئے تم ہی انصاف کرو۔ کل میں چوک سے گذر رہا تھا۔ ناگاہ ہمارے آفندی فندید عباس پاشا گھوڑے پر سوار جا رہے تھے میں نے کھڑے ہو کر بڑے لطف و مہربانی سے سلام کیا۔ فی الفور حاکم شاہرود مجھے یاد آگیا۔ کہ اے اندھے تو نے آدمی کی صورت نہیں دیکھی اور انسانیت کی لذت نہیں چکھی۔ اور اس مرد نجیب و محترم کے جلال و عزت و دولت کو دیکھو۔ اور اپنے اقتدار و مکنت کو ملاحظہ کر کہ حکومت حاصل کرتے وقت ہرات سے دس شاہی فی تومان قرض لے کر رشوت اور تحفوں سے حاکم ہو جاتے ہو اور معزول ہوتے وقت قبائی اوسپنے اوڑھنے تک کا حق نہیں دے سکتے ہو۔ گھوڑا اور ساز اور تمام حکومت کے ٹھاٹھ جو تمام ضعیفوں اور فقیروں کا خون جگر ہوتا ہے اور ظلم سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے فروخت کرکے اور ہزاروں مظلوموں کا بوجھ گردن پر رکھ کر فرار کو قرار پر ترجیح دیتے ہو۔ اپنی غریب رعیت کی حالت کا اس دولت کی شوکت کی خوش نصیب رعیت سے اندازہ کرو۔ تمہاری صورت دیکھتے ہی بیچاری رعیت تھر تھر کانپنے لگتی ہے گویا کسی حیوان درندہ کو دیکھ لیا لیکن یہ خوش نصیب رعیت اپنے صاحب اختیار کو دیکھ کر خوش ہو جاتی ہے اور بے اختیار زندہ باد کا نعرہ لگاتی ہے۔ ع۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ یہ سب قانون و عدالت کا نتیجہ ہے جس نے حکومت اور رعیت دونوں کی نیک بختی فراہم کر دی ہے ورنہ خدا کی مخلوق سب ایک جنس اور ایک نوع سے ہیں۔ پیدائش میں کوئی فرق نہیں رکھتے ہیں۔ اگر فرق ہے تو حاکموں کے اخلاق و مذہب قانون مساوات دولتی اور بے قانونی و وحشی گری و ظلم و بے انصافی میں ہے۔

میرزا عباس نے کہا۔ یوسف کل رات میں سیاحت نامہ کو اٹھا کر پڑھنے میں مشغول ہوا یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ آفتاب نکل آیا اور نماز بھی قضا ہو گئی۔ حقیقتاً یہ پے در پے مصائب جو ابراہیم بیگ کو پیش آئے اس میں بڑی ہی قوت تقلب تھی جو نیم جان یہاں تک آپہنچا۔ سبحان اللہ۔ اگرچہ میرزا احمد نے کہا تھا۔ کہ ابراہیم بیگ اس غیرت و تعصب کے ہوتے ہوئے ایران کی حالت کو ناپسند کرکے مرجائے گا۔ اور واپس نہ ہوسکے گا۔ میں یقین نہ کرتا تھا۔

میں نے کہا تمہاری جان کی قسم۔ اور دوبارہ تمہاری جان کی قسم۔ میں نے بہت سی ناگوار باتوں کو اس سے پوشیدہ رکھا اور راہ میں اس سے التجا کی کہ اس کو خبر نہ کریں اور جس راستہ سے جانا اس کے طبیعت کے منافی ہوتا تھا میں منع کر دیتا تھا اور دوسرے راستہ سے اس کو لے جاتا تھا۔ ہر قدم پر دل سے ٹھنڈی آہیں نکالتا تھا۔

ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ کوچہ میں کسی جانور کی لاش پڑی ہے اور تمام میں تعفن پھیل رہا

مغرب کے قریب میں نے کہا۔ آج رات میرزا عباس نے میری دعوت کی ہے۔ کیا اجازت ہے؟
حاجیہ خانم نے کہا اُن کا مکان دور ہے۔ کہو گاڑی میں گھوڑے جوڑ دیں۔ سوار ہو کر جاؤ۔ میں نے عرض کیا۔ ٹراموے سے دس منٹ میں پہنچ جاؤں گا۔ کیا ضرورت ہے گھوڑوں کی پشت کو زحمت دوں۔ علاوہ ازیں گھوڑے کا پاؤں سوج رہا ہے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا۔ مجھے خبر نہیں۔ کوچوان کہتا ہے کہ جس روز سے تم آئے ہو ایسا ہو گیا۔ فرمایا کہ کاش تمام ابراہیم بیگ کے سر پر نثار ہو جاتے۔ میرزا یوسف آج میرا جگر کباب ہو گیا جب اُس کا سر مونڈا ہے۔ محبوبہ کی حسرت بھری نظریں اور اس کی اشک ریزی مجھے ہلاک کئے دیتی ہے۔
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کام کا انجام کیا ہو گا۔ کسی قدر تسلی و دلداری کر کے چلا گیا۔ گھر میں داخل ہو کر چھوٹے کمرہ میں مغرب اور شام کی نماز پڑھی اور جلسہ میں گیا۔ حاجی محسن آقا... حاجی.... تبریزی۔ میرزا خلیل اصفہانی۔ داماد حاجی محسن آقا اور چند اشخاص موجود تھے۔ دعا سلام کے بعد حاجی... تبریزی نے مزاح سے کہا۔ دیکھو میرزا یوسف تم تبریزیوں کی غیبت کرتے ہو یہ سب باتیں میں ابراہیم سے کہوں گا۔ حاجی محسن آقا نے کہا " تم کو خبر نہیں ابراہیم نے خود کیا لکھا ہے؟ تمہارے بھائی سے ہمانی میں کیا کیا باتیں کیں؟ تمہارے گھر میں کیا کیا کہا؟ فی الواقعہ آقا میرزا یوسف جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ اکثر باتیں بہت سے ملاحظوں سے چھوڑ دی ہیں حاجی محسن آقا نے کہا۔ لکھی ہیں۔ قزوین میں تم نے شہزادیوں کے سامنے سر نیچے اور چوتڑ اوپر کر دئے تھے اور فراشوں نے خوب چوبکاری کی تھی۔ کیا صحیح ہے؟
میں نے کہا۔ ہاں سچ ہے۔ حاجی تبریزی نے پوچھا۔ سر نیچے کیسا کیا تھا اور کیسی شاہزادیاں؟ حاجی محسن آقا نے کہا۔ میرزا عباس میری جان کی قسم ان کے سامنے پڑھو۔ میں نے کہا۔ میں انکار تو نہیں کرتا ہوں۔ اسلامبول میں میں نے خود پڑھا تھا بے کمی و بیشی کے لکھا ہے "شاہزادیوں کی مقعد" میں کیا کروں؟
شاہرود میں سکھا گیا تھا کہ ان کے سامنے رکوع میں چلا جانا چاہئے۔ قزوین میں سب نے دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہاں بھی جھکنا چاہئے۔ احتراماً جھک گیا۔ ایک دم کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر اور کھوپری پر ڈنڈے پڑنے لگے۔ اُس دن جو حالت ابراہیم بیگ کی ہوئی وہ خیال میں نہیں آ سکتی۔ غصہ سے اُس کا چہرہ سیاہ کوئلے کی مانند ہو گیا۔ کس قدر وحشت اور بربریت اور کس قدر طریق انسانیت سے دور۔ میں پچاس سال سفر کی طویل مدت میں ان سب کو بھول گیا تھا۔ اب خیال کرتا ہوں کہ ہمارے غریب آبا و اجداد نے چنگیزیوں کے ہاتھ سے کیسی بلائیں اور مصیبتیں اٹھائی تھیں۔

میں وہ عورت ہوں کہ میرا کام نکوکاری ہے۔ میرے برقع کے نیچے بہت سی
تاجداریاں ہیں۔ ہر عورت دو گز دوپٹہ سے بیگم نہیں ہو جاتی۔ تکبر مجھ کو زیبا
ہے کیونکہ میرا پیشہ خدا پرستی ہے۔

البتہ اگر وہ مرگیا تو میں خودکشی کر لوں گی۔ لوگ جانتے ہیں کہ اس کے باپ نے مجھ کو زر سے
خریدا تھا اور میں اس کی کنیز زر خرید ہوں۔ وہ میرا آقا اور ولی نعمت اور میری حیات و عزت
کا سبب ہے اگر میری خودکشی کو لبنارات کہیں گے تو میرا فخر ہوگا نہ مذمت۔ اس لئے کہ وہ کہیں
گے کہ فلاں کنیز زرخرید نے اپنے آقا اور ولی نعمت کی جو اس کی عزت اور حرمت کا سبب تھا۔
جدائی کی تاب نہ لاکر خودکشی کر لی۔ بڑی باوفا اور سچی کنیز تھی۔ ؎

میری عصمت کا خدا گواہ ہے۔ میرا معصوم دل لوث سے پاک ہے۔

میں امید کرتی ہوں کہ اس کے بعد مجھ کو نصیحت نہ کرو گی اور مجھ کو معذور سمجھ کر میرے حال
پر چھوڑ دو گی۔ ؎

میں نیک ہوں یا بد تو جا اپنا کام کر۔ کیونکہ دوسرے کا گناہ تیرے نام نہیں لکھینگے

اگر میری دوستی سے تمہارے دامن عصمت پر بدنامی کا دھبہ لگتا ہے تو کنارہ کشی کر کے اپنا
راستہ لو اور بیگانگی اختیار کر کے دوستی ترک کر دو اور ورنہ مجھ دور نہ مقولے اور نصائح اور
باتیں ایک طرف رکھو۔ ؎

مجھ میں سننے کی تاب نہیں ہے تم کس سے کہتی ہو۔ اے شخص تو جو مجھے اس گلعذار
کے دیکھنے سے روکتا ہے تو حالت دل کو نہیں جانتا ہے مجھے معذور سمجھ۔

اب آپکو اختیار ہے۔ جانے اور رہنے میں مختار ہو۔ بیگ تنہا ہے۔ مجھے اس کی تیمارداری میں
حاضر ہونا چاہئے۔ اس حالت میں مجھے تہر غصہ سے اٹھی اور مہمانان عزیز کو چھوڑ کر باہر آئی
تو اس کا تمام بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ایک لمحہ بعد لڑکیاں بھی جب انہوں نے میزبان کو غائب
دیکھا چلی گئیں۔ میں نے جاکر باورچی سے پوچھا۔ ابراہیم بیگ کے شام کے کھانے کو کیا پکا
ہے؟ جواب دیا کہ فرنی تیار ہے۔ اور گلا ہوا گوشت بھی آقا کا مخصوص تیار ہے۔ جب شام
ہو گئی میں نے حاجیہ خانم سے کہا۔

دن میں تو موقع نہیں ملتا اجازت دیجئے تو دو تین شخصوں سے ملنا ضروری ہے جاؤں
گا۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ ایک گھنٹہ میں چار ضروری جگہ جاکر لوٹ آیا۔ اپنے کمرہ میں
آکر نماز پڑھی اور سو گیا۔ صبح کو حاجیہ خانم نے فرمایا۔ آج خانساماں سے اس مہینے کے مصارف
کا حساب صاف کر۔ میرے حواس جمع نہ تھے۔ بہر صورت شام تک اس کام میں مشغول رہا مغرب کے

شان اور ادب کے شایان نہیں کہ لوگوں کے زبانوں پر آؤ۔ یہ مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو اور اپنے ہمعصروں کو دائرہ عفت و طہارت سے باہر کرو کہ اس کام کا انجام برا ہے اور اس حال کا نہال رسوائی کا ثمر لاتا ہے۔ ان بیہودہ افکار کو چھوڑ دو اور ان خیالات باطل کو ایک طرف رکھو۔ میں کل رات .... خانم کے گھر تھی۔ لڑکیوں نے جلسہ کیا تھا ہر ایک اپنی عقل کے موافق تمہارا قصہ کہتی تھی اور مذاق اڑاتی تھی۔ مجھے دوستی اور بہناپے کی طرفداری دامنگیر ہوئی۔ طاقت طاق ہو گئی۔ ہر ایک کا معقول جواب دے کر غصہ میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اس بے ادب .... خانم نے مجھ سے کہا۔ مت ڈر۔ تو اپنی اُس منہ بولی بہن سے کم نہ ہو گی بلکہ اس کو بھی بھول جاؤ گی کیونکہ ایک مکتب میں پڑھی ہو تہ۔ کسی وقت ناول ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ اور دوسروں کو طعنہ دیتی ہو کہ ہم تعلیم یافتہ اور مہذب ہیں۔ یہ خبر نہیں ہے کہ یہ علم اور تہذیب کیا آفت ڈھائیں گے اور تم کیا خاک چھانو گی؟ ناول بینی کا نتیجہ آخر عشقبازی ہے عشق سے ساز باز کرنا چاہئیے اور جنون کی بھٹی میں پگھلنا چاہئیے میں عنقریب دیکھوں گی کہ لوگ اخباروں میں پڑھیں گے کہ فلاں خانم نے لشکر عشق کے ہجوم سے خودکشی کر لی۔ میری عزیز بہن مت کر۔ مت کر۔ کیونکہ پھر پشیمانی سے کچھ فائدہ نہیں۔

محبوبہ نے ان باتوں سے دل میں پیچ و تاب کھا کر کہا "رفیقہ جان۔ میں تیری خواہرانہ شفقت اور یگانگت پر ظن قوی رکھتی تھی۔ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے اور یہ گمان جو میرے بارہ میں تو نے کیا ہے صحیح ہے تو پھر سرزنش اور طعنہ زنی اور دل آزاری کے کیا معنی؟ تیری یہ ملالت انگیز اور ملامت آمیز باتیں ہر ایک میرے دل کو نیش عقرب سے زیادہ تکلیف پہنچا رہی ہیں۔ میں کچھ کم تکلیف رکھتی ہوں جو تو اس پر اضافہ کرتی ہے؟ میں نے کیا برائی اور کیا قصور کیا ہے؟ اور کیا عمل ناشائستہ مجھ سے سرزد ہوا ہے جس کی رسوائی اور تکلیف تجھ تک سرایت کرتی ہے؟ خواہر جان۔ سوائے اس کے کہ میں اور تو دونوں مکتب میں ہم سبق رہی ہیں اور کیا آپس میں تعلق اور نسبت رکھتی ہیں؟ آخر مجھ سے شرع اور رواج کے خلاف کیا سرزد ہوا ہے؟ میں کسی کے گھر گئی ہوں؟ اور کسی کو اپنے گھر بلایا ہے؟ کیا انسان نمک شناس اور حقوق داں ہو تو عیب کا باعث ہے؟ اپنے آقا اور ولی نعمت کو جاں بلب دیکھ کر بے اختیار ہو گئی اور بے چادر اس کے استقبال کے لئے دوڑی۔ میں نہ جانتی تھی کہ رسوا ہو جاؤں گی اور میری رسوائی دوسروں تک پہنچے گی اور پست فطرت اور بے ادب عرب جن کے نزدیک بے ادبی اور بیہودہ گوئی بڑی اچھی بات ہے تجھے طعنہ دیں گے۔ میرا کیا گناہ ہے؟ دنیا مجھے اور .... خانم کو جانتی ہے۔ کتے کے لعاب دہن سے دریا نجس نہیں ہوتا ہے؟

خواہش کرتا ہوں کہ چھوٹی بیگم کو اس بات کی اطلاع نہ دیجیے اس لئے کہ اس کی شرمندگی اس کے بہت سے امراض کا سبب اور ابراہیم بیگ کی بہبودی کی تاخیر کا باعث ہو جائے گی۔

میں نے کہا یہ دوسری مرتبہ ہے۔ پرسوں میرزا عباس ایک عرب تعویذ لکھنے والے کو لائے تھے۔ جس وقت یہ لوگ چلے میں نے دیکھا کہ حاجی مسعود ان کے پیچھے دوڑا چلا جاتا ہے۔ آواز دی۔ لوٹ آیا میں نے پوچھا۔ اتنی جلدی کہاں جا رہا ہے۔

کہا محبوبہ خانم نے ایک چھوٹے سے رومال میں ظاہرا چند غروش باندھ کر عرب کو فیس دی ہے میں اس کو پہنچانا چاہتا تھا۔ میں نے رومال لے کر کہا کہ اس کی فیس تو میرزا عباس نے دے دی چھوٹی بیگم سے کہو کہ میں نے دے دئے۔ جب کبھی محبوبہ کسی کو کوئی چیز دے یا تو حاجیہ خانم سے یا مجھ سے کہو اس کے بعد جیسا کہا جائے عمل کرو۔ رومال کھول کر میں نے دیکھا۔ مرحوم حاجی نے ایک ہیرے کی انگوٹھی محبوبہ کو دی تھی وہ کچھ نقدی کے ساتھ ہے۔

حاجیہ خانم۔ خدا کے لئے اس لڑکی کو تنہا نہ چھوڑو اور سوائے دو تین پڑوس کی لڑکیوں کے کوئی غیر شخص اُس کے پاس نہ جائے۔ حکیم صالح قہوہ پی کر چلے گئے۔ عصر کا وقت تھا دیکھا عورتوں کی ایک جماعت آئی ہے۔ میں نے حاجی مسعود سے پوچھا یہاں کون ہیں؟

کہا پڑوس کی عورتیں۔ میں نے کہا اجنبی عورتوں کو ہرگز محبوبہ کے پاس نہ آنے دینا ابراہیم بیگ کے کمرہ میں گیا۔ دیکھا کہ محبوبہ اور حاجیہ خانم اور سکینہ تینوں وہاں ہیں۔ میں نے پوچھا وہ عورتیں کون تھیں اور کہاں گئیں؟ سکینہ نے کہا محبوبہ کے کمرہ میں گئیں اس کی دوست ہیں۔ میں نے کہا تم نے اس کو تنہا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ سکینہ نے کہا اس کی دوست ہیں مجھے کیا؟ وہ بھی جایا کرتی ہے۔ میں نے کہا۔ چھوٹی بیگم وہ تم سے ملنے آئی ہیں اُن کو تنہا مت چھوڑو۔ یہ بُری بات ہے۔ حاجیہ خانم نے فرمایا۔ لڑکی۔ میں کہتی ہوں۔ اُٹھو۔ جاؤ۔ بڑی جبر سے اُٹھی اور چلی گئی۔

میں بھی اس کے پیچھے پیچھے دروازہ کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ ایک تو رفیقہ ہے اور دو دوسری ہمسائی لڑکیاں ہیں بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ رفیقہ نے کہا۔ محبوبہ یہ کیا حال ہے؟ ایسی ضعیف اور بیمار کیوں ہو گئی ہے؟ تیرے چہرے کا رنگ کیوں اُڑ گیا ہے؟ ہمشیرہ جان تو دیوانی تو نہیں جو یہ حالت بنا رکھی ہے؟ وہ تیرا گل رخسار جو مشہور جہان تھا پژمردہ و پریشان ہو گیا کیا آئینہ میں نہیں دیکھتی ہے اپنے اوپر کیوں رحم نہیں کرتی؟ عرب کی عورتیں اپنے گھروں میں سوائے تیری عیب جوئی کے دوسرا ذکر نہیں رکھتی ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ تیری داستان لیلیٰ مجنوں اور وامق عذرا کی نظیر ہو جائے گی اور لوگ گیت بنا کر مجلس سماع میں تار و طنبورہ و دائرہ و دف پر بجائیں گے۔ مصر کے بیہودہ گویوں کو جانتی ہو کہ کسی چیز سے اجتناب نہیں کرتے ہیں۔ تمہاری

ہی دنوں میں جن اور پریوں کو جن کا اس آسیب زدہ پر درخت کے نیچے سایہ گیا ہے ڈبیہ میں بند کردیں گے اور جنوں کے بادشاہ کو بھی بلاکر عہد و پیمان لے کر قسم دلائیں گے کہ اس کے بعد اس بیمار پر نہ آئیں گے۔ یہ بیچاری بھی افراط محبت اور تعلق کی وجہ سے جو اس کے ساتھ رکھتی ہے ان عیاروں اور خانماں براندازوں کے لاطائلات پر مفتون ہوکر اپنی تھیلی کی نقدی دے ڈالیگی اور شاید گھر میں دست درازی کرے۔

اب اس بیچاری کی نظر میں سوائے ابراہیم بیگ کے عشق و محبت کے سودے کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ مال و منال اُس کی نگاہ میں قدر و قیمت نہیں رکھتا ہے۔ ڈبیہ کو لے کر کھولا تو اس میں کاغذ میں لپٹی ہوئی ایک انگوٹھی اٹھارہ پونڈ قیمتی۔ ایک پھول بتیس پونڈ قیمتی۔ اور ایک موتیوں کی مالا دس پونڈ کی۔ اور پانچ مصری پونڈ تھے۔ ۵

حضرت عشق آئے اور تمام دنیا میں آگ لگادی

محبت محبوب۔ کے مقابلہ میں دنیاوی مال و منال بمنزلہ عدم ہے اور ایک رقعہ بھی عربی عبارت میں اس مضمون کا تھا جس کی فارسی یہ ہے۔ عالی جاہ حکیم باشی آفندی۔ اس کنیز نے جسارت کر کے بڑی خجالت اور شرم کے ساتھ یہ ناچیز تحفہ آپ کی دختر نیک اختر کے لئے جناب کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اس عاجزانہ ہدیہ کی قبولی کی حضرت عالی سے استدعا کرتی ہوں اور آنجناب سے درخواست کرتی ہوں کہ اپنی ہمت کو میرے آقا کی سرعت بہبودی میں مصروف فرمائیے گا۔ امید کرتی ہوں کہ آپ کا اجر عند اللہ اور عند الناس ضائع نہ ہوگا۔

انشاء اللہ اپنے آقا کی صحت و عافیت کے بعد یہ عاجز کنیز بھی سرکار سامی کی خدمت اور دست بوسی میں حاضر و مہیا ہوگی اور آقا کی سلامتی خدا کی طاقت و قدرت کے ساتھ آپ سے چاہتی ہوں۔ فقیرہ حقیرہ محبوبہ۔

حکیم نے کہا۔ حکمت کا پہلا مرتبہ امانت اور دیانت ہے اس لئے کہ طبیب جس گھر میں داخل ہوتا ہے اس گھر کا محرم اور اہل خانہ سمجھا جاتا ہے۔ طبابت اور خیانت میں ضد ہے۔ برس گذر گئے کہ میں آپ سے مقررہ تنخواہ پا رہا ہوں اور کبھی آپ نے میرے وظیفہ کی ادائیگی میں تاخیر جائز نہیں رکھی ہے اور میں نے بھی اپنے فرض منصبی میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ اب اگر میں یہ چھوٹی بیگم کا تحفہ اپنے پاس رکھ لیتا تو یقیناً اپنی پیشانی پر خیانت کا ٹیکہ لگا لیتا۔ یہ امر بدیہی ہے کہ آپ اس بات سے واقف نہیں ہیں اور جو کچھ فیس میں نے اطبا کو دی ہے اور کل خرچ کئے ہیں ایک ایک لکھ کر آپ سے وصول کرلوں گا۔ میرے اطلاع دینے سے یہ غرض ہے کہ آپ احتیاط رکھیں کہ باہر کی عورتیں مکان میں نہ آئیں کیونکہ غفلت بہت سے نقصانات کا باعث ہے مگر آپ سے

اور جو کچھ خواہش کرو بے تکلیف کھاجاتا ہے۔ ایک نام ایران دوسرا وجود محترم۔ اس اثنا میں بیمار نے آنکھ کھولی اور کہا یا حق یا مدد،

صالح آفندی نے کہا۔ ہاں طب میں مسئلہ لکھا ہے۔ مسیتیا لیانی نے اس بارہ میں شرح لکھی ہے کہ گویا ایسی حالت میں اس کے احشا اور اعضا اور اعصاب اس ذکر میں مشغول ہیں۔

الغرض نائی آگیا۔ محبوبہ نائی کو دیکھتے ہی متوحش ہو کر اچھل پڑی۔

کہا۔ خدا کی پناہ۔ نائی کیوں آیا ہے؟

میں نے کہا۔ ابراہیم بیگ کا سر مونڈنے کو۔ اُس نے رونا شروع کیا۔ میں نے کہا کچھ نقصان نہیں۔ تم اپنے کمرہ میں جاؤ۔ میں نے اٹھ کر اس کو چپ کیا اور اُس کے کمرہ میں لے گیا۔ سکینہ اور اس کی ماں کھڑی دیکھ رہی ہیں۔ حاجی مسعود آ گئے میں نے اُس کے سامنے بٹھا دیا۔ بیمار کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ نائی اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ بیچارہ مریض مظلومانہ نظر سے دیکھ رہا ہے محبوبہ دروازہ کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور بولی۔

کم سے کم مشین سے ہی سر کے بال مونڈ دو۔ بیمار کو تکلیف تو مت دو۔

حکیم نے کہا۔ میرزا یوسف۔ اس کو کمرہ میں لے جاؤ اور دیکھنے مت دو۔

میں نے آ کر کہا۔ چھوٹی بیگم۔ الحمدللہ تم عالمہ ہو۔ مریض کے علاج میں طبیب سے سوال و جواب نہ کرنا چاہئے۔ تمہیں کیوں اس قدر جستجو ہے۔ جو کچھ حکیم جانتا ہے کرنے دو۔ آؤ چلیں۔

بہر حال نائی نے بیمار کا سر مونڈ دیا اور کپڑا صحن میں لایا کہ بال جھاڑ دے۔ محبوبہ جلدی سے اُٹھ کر دوڑی گئی نائی کے پاس رومال لا کر آہستہ سے کہا۔ بالوں کو رومال میں ڈال دے اور چلا جا۔

صالح آفندی نے شربت کا نسخہ لکھ کر جانا چاہا۔ میں نے دیکھا کہ محبوبہ حکیم کے پاس گئی۔ میں سمجھا کہ یا تو شکریہ کے یا رخصت ہونے کے بارہ میں آئی ہے۔ اُس کے بعد حکیم چلا گیا۔ غروب کے وقت دوبارہ آیا۔ میں سمجھا کہ شاید کوئی دوا یا دا گئی۔ دعا سلام کرنے کے بعد کہا۔ حاجیہ خانم کمرہ میں تشریف لائیں۔ ہم نے اطلاع کر دی۔ آ گئیں حکیم نے کہا۔ حاجیہ خانم چلتے وقت میرے پاس محبوبہ آئی۔ میں نے خیال کیا پہنچانے آئی ہے۔ چادر میں سے ایک ڈبیہ نکالی اور کہا یہ تحفہ اپنی لڑکی کو دے دینا۔ میں اس بھروسہ میں رہا کہ شاید مٹھائی ہے جو ابراہیم بیگ تبریز سے لایا ہو گا لے کر گھر چلا گیا۔ جب ڈبیہ کو کھولا تو معلوم ہوا کہ میں نے غلط سمجھا ہے۔ فوراً لوٹا کہ آپ کو خبر کروں۔

محبوبہ خانم نے باوجود اس ہوش و ذکا کے اپنی عقل کھو دی ہے اگر عرب کے رمّال اور حیلہ ساز قبطی اس کے حال سے خبردار ہو گئے تو ایسی بڑھیا کٹنیاں موجود ہیں جو پرند کو آسمان سے اور مچھلی کو دریا سے جال میں پھانس لاتی ہیں اُن کو بھیجیں گے کہ مریض کو دُعا کی ضرورت ہے نہ دوا کی۔ تھوڑے

میں نے کہا۔ باغیچہ میں آجائیں۔ آ گئے اور احوال پرسی کی۔
میں نے کہا۔ آج رات خوب سویا۔ کل کچھ شیر برنج کھایا تھا۔ اور آج میں نے بندوبست کیا ہے کہ پسندے پکائیں نقصان تو نہ دیں گے؟
کہا۔ کوئی چیز نقصان نہ دے گی۔ جو جی چاہے کھائے کچھ ہرج نہیں۔
پوچھا۔ حاجیہ خانم کہاں ہیں؟
میں نے کہا۔ ابراہیم بیگ کے پاس ہیں؟
کہا۔ بلاؤ کمرہ میں آجائیں۔ حاجی مسعود نے اطلاع کی۔ آ گئیں۔ ہم دونوں چلے گئے حکیم نے حال پوچھا۔
کہا۔ آفندی اچھا ہے مگر کیا اچھا ہے۔ نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے۔ اگر ایسے ہی رہا تو نہ جانے میں کیا خاک سر پر ڈالوں گی؟
کہا۔ سوائے صبر کے کوئی علاج نہیں ہے۔ انشاءاللہ حکیم علی الاطلاق اپنے لاانتہا الطاف کے دواخانہ سے شفائے عاجل کرامت فرمائے گا طبیعت خود بخود اصلاح اور دفع مرض میں کوشش کر رہی ہے لیکن آپ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جس حیلہ سے ہو اس کو کچھ کھلاؤ معدہ خالی نہ ہو۔ وہ شربت پھر لکھے دیتا ہوں۔ بغیر دودھ کے دینا۔ آج شیخ یوسف السید مجھ سے ملے تھے۔ کہا کہ مسٹر وولف نے کہا ہے کہ بیمار کا سر منڈادو اور میری رائے میں بھی بہتر ہے۔ اگر فائدہ مترتب نہ ہوگا تو یقیناً کوئی نقصان بھی نہ ہوگا اگر اجازت دیجئے تو آدمی بھیج کر نائی بلواؤں تا کہ سر مونڈ دے۔
حاجیہ خانم نے کہا۔ صالح آفندی۔ اپنے بیٹے کی سلامتی و بہبودی کی طالب ہوں۔ دخل و تصرف نہیں کر سکتی ہوں جس صورت سے اُسے صحت ہو جائے میں راضی اور ممنون ہونگی۔
ہم نے آدمی بھیج دیا۔ نائی آگیا بیمار کے کمرہ میں پہنچے۔ بیمار خاموش لیٹا ہوا تھا بیچاری تیمار دار بیٹھی تھی۔ آج چوتھی رات ہے کہ محبوبہ ایک منٹ کے لئے نہیں سوئی۔ ہمیں دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آداب بجالا کر حکیم کو سلام کیا (گویا زبان حال سے حکیم کا شکریہ کرتی ہے کہ مریض کی تیمارداری اُس کے سپرد کی ہے)
حکیم نے محبوبہ سے پوچھا۔ محبوبہ نے کہا۔ تمام رات سوتا رہا ہے۔ پوچھا۔ آج کچھ کھایا؟ جواب دیا۔ ہاں۔ میں نے کٹا ہوا گوشت اور ایک عدد پسندہ دیا تھا کھا لیا۔ میں نے پوچھا۔ کیسے کھا لیا۔ کہا اوّل تو کھانا نہ چاہتا تھا پھر میں نے آپ کی تدبیر اور فرمائش پر عمل کیا تو کھا گیا۔ حکیم نے پوچھا وہ تدبیر کیا تھی؟ میں نے کہا سرکار ابراہیم بیگ کو دو چیزوں سے دلبستگی ہے اور بس۔ چاہے نیند میں ہو یا عالم غشی میں اُن دونوں میں سے کسی کا نام سنتے ہی یاحق یا مدد کہتا ہے۔

تکیہ کے برابر بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے مزاج پوچھا۔
کہا اول شب سے سو رہا ہے۔
میں نے کہا۔ تمہارا کیا حال ہے؟
کہا۔ مجھے نیند نہیں آئی۔
میں نے کہا۔ یہ تو عادت کے خلاف ہے کہ رات کو کوئی نہ سوئے۔
کہا۔ میں کیا کروں۔ نیند میرے اختیار میں تو ہے نہیں۔
میں نے کہا۔ کچھ کھایا؟
کہا۔ میں نے دودھ دیا۔ خدا کا شکر بہت سا پی گیا۔
میں نے کہا۔ کیا تعجب کی بات ہے؟
کہا۔ بی بی رونے لگیں اور کہا کہ اگر میں یہ جانتی تو تجھے ایران نہ جانے دیتی۔
آقا نے کہا۔ یا حق یا مدد۔
میں نے کہا۔ تو نے کیا کھایا۔
کہا۔ میری بی بی چاول لائی تھیں۔ سکینہ خانم کے ساتھ کھائے۔
میں نے کہا۔ محبوبہ خانم۔ سکینہ خانم سے کہو کہ دو تین ٹکڑے پسندوں کے عمدہ پکے ہوئے لے آئے۔ پسندے ہاتھ میں لے کر کہو کہ بی بی اور وجود محترم کی خاطر سے کھالو۔ انکا رمت کرو۔ وجود محترم کا نام سنتے ہی کھالیگا اور انکار نہ کرے گا۔
محبوبہ نے پوچھا۔ وجود محترم کون ہے؟ مرد ہے یا عورت! — (اللہ رے رقابت!)
میں نے کہا اطمینان رکھو مرد ہے۔ سلطنت ایران کے امینوں اور بڑے لوگوں میں سے ہے۔ اُس سے بڑی محبت و عقیدت رکھتا ہے۔
کہا۔ چچا یوسف۔ تم تو عالم ہو۔ بی بی کو محترمہ کہنا چاہئے نہ محترم۔
میں نے کہا۔ چھوٹی بیگم۔ یہ معافی کا مقام ہے۔ مریض کو ہر حیلہ اور طریقہ سے جو ممکن ہو غذا کھلانی چاہئے۔ اس معاملہ میں لفظی اور ترکیبی غلطی یا صحت کوئی ہرج نہیں کرتی۔ یہاں محبوبہ خانم کا اصلی مقصد ذکورو اناث معلوم کرنا تھا اگرچہ اس کا اعتراض بجا اور صحیح تھا مگر اصلی غرض یہ تھی کہ رقیب رکھتی ہے یا نہیں۔ مگر میں قصداً انجان بن گیا۔ اور طویلہ میں گیا کہ گھوڑوں کی مالش اور جو اور گھاس کی خبر لوں۔ خانساماں سے بھی حساب مانگنا چاہئے۔ اگرچہ خانساماں حاجی مرحوم اور ابراہیم بیگ کا معتمد ہے باوجود اس کے حساب کی ضرورت ہے۔
میں باغیچہ میں تھا۔ حاجی مسعود آئے کہ حکیم صالح آفندی آئے ہیں۔

میں نے کہا۔ مشہدی اور حاجی اور خاں وغیرہ میں سے کوئی بھی سوائے فانوس اور دیوار گیروں کے سجانے کے آبادی مملکت اور ترقی ملت کی فکر بس نہیں۔

کہا۔ یوسف انشاء اللہ ان تمام باتوں کو یاد رکھ کر میں ابراہیم بیگ سے کہوں گا کہ چچا یوسف تبریزی کے بارہ میں کیا بحث کرتے تھے اور کیا کہتے تھے۔

میں نے قہقہ لگا کر کہا۔ تمہیں خبر نہیں کہ خود ابراہیم بیگ جب مسجد میں جانا چاہتا تھا۔ میں نے کسی تدبیر سے روک لیا۔ ان سب باتوں کو میں خود لکھوں گا جو انشاء اللہ بعد صحت کے اس کو دوں گا کہ وہ کیا خیال رکھتا ہے۔ سیاحت نامہ کو مطبع میں دے کر چھپوا دے گا۔ بیماری کی وجہ سے استنبول میں نہ چھپ سکا۔ انشاء اللہ یہاں چھپ جائے گا۔

میرزا عباس نے کہا۔ سیاحت نامہ ابراہیم بیگ کہاں ہے؟

میں نے کہا۔ میں نہیں دکھا سکتا ہوں۔ شاید بیگ کو ناگوار گذرے۔

کہا یہ کیا بات ہے جو آپ فرماتے ہیں؟ وہ مجھ سے کونسا راز پوشیدہ رکھتا ہے جو سیاحت نامہ کا دکھانا اس کو ناگوار ہوگا۔

میں نے کہا۔ اچھا میں دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ کسی اور کو نہ دکھانا۔

کہا بہت اچھا۔ لیکن اس حیثیت سے کہ حاجی محسن آقا "السلمان منا" کے مرتبہ میں ہیں سوائے اُن کے دنیا میں کسی اور کو نہیں دکھاؤں گا اطمینان رکھو۔

میں نے کہا۔ حاجی مسعود میرے کپڑوں کے بیگ میں پہلی جلد کے ورق ہیں وہ لاؤ۔ وہ گیا اور لے آیا۔

میں نے پھر دے دی کہ دیکھو نمبر الٹ پلٹ نہ ہو جائیں۔

کہا۔ نہیں آپ اطمینان رکھیں۔ کچھ دیر باتیں کر کے اُٹھ کر چلنے لگے۔

میرزا عباس نے کہا۔ پرسوں رات کو حاجی محسن آقا اور حاجی .... آقا میرے مکان پر تشریف لائیں گے۔ آپ بھی تشریف لائیے۔ کچھ باتیں کریں گے۔ میں نے قبول کیا وہ لوگ چلے گئے۔

اُن کو پہنچا کر لوٹ آیا۔ آہستہ سے حاجیہ خانم کو دیکھا نیند کا غلبہ ہو گیا ہے اور بیٹھے بیٹھے سو گئی ہیں۔ اور ظاہراً ابراہیم بیگ بھی سو گیا ہے لیکن محبوبہ بیٹھی ہوئی اس کی نگہبانی کر رہی ہے میں بھی لوٹ کر آیا۔ اور سو گیا۔

صبح کو بیدار ہوا۔ اُس معبود یگانہ کا دوگانہ بجا لایا پھر وظیفہ پڑھنے کے بعد جا کر دیکھا کہ حاجیہ خانم سکینہ کے کمرہ میں نماز میں مشغول ہیں۔ ابراہیم بیگ کے کمرہ میں لوٹ آیا۔ محبوبہ کو بیدار کے

کہا۔ میری جان کی قسم کہو کہو۔ سب حاجی کے اصرار اور میری گفتگو سے ہنس رہے تھے۔

میں نے کہا۔ بابا خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کچھ آپ بھی تو اپنے اوصاف بیان کیجئے تاکہ ہم مستفیض ہوں۔

حاجی نے کہا مجھے تبریز سے آئے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا۔ نیز اُس ولایت کے حالات کو بھول گیا ہوں اور جدید تغیر اور تبدیلیاں بھی میں نے نہیں دیکھی ہیں۔

میں نے کہا۔ میں نے تبریز کو چھیالیس سال قبل دیکھا تھا اب اس سے زیادہ رونق ہے جو بتائی جاتی ہے۔ مکانات روشنی کے اسباب مثلاً۔ فانوس۔ ہانڈی۔ بڑے اور چھوٹے جھاڑ اور آئینوں سے سجے ہوئے ہال سے پر ہیں میں جس قدر بھی اہل تبریز کی شان و شوکت بیان کروں کم ہے۔ لیکن اتفاق و محبت اُن میں مفقود اور نفاق و حسد و عداوت اُن میں بہت زیادہ ہے۔

حاجی نے پھر کہا۔ اور کہو

میں نے کہا۔ اب مجھ میں تاب نہیں۔ رنج سے مرجاؤں گا۔ اس قدر تمہارے تبریز کے بارہ میں کافی ہے کہ ایک اتنے بڑے عظیم الشان شہر میں ایک اخبار اور ایک عدد مکتب نہیں ہے۔ آج ہر ملت کا شرف ان دو سعادتوں کے مادہ سے وابستہ ہے۔ تم خود سوچو اور انصاف کرو شیبانی شاعر نے خوب کہا ہے۔ تمام اہل ایران اور اہل تبریز میں امتیاز کیا ہے۔ حاجی نے پوچھا۔ کیا کہا ہے؟

میں نے کہا۔ حاجی مسعود کتابوں میں ایک سبز جلد کی کتاب ہے وہ لاؤ اور میرزا عباس کو دو کہ حاجی صاحب کو سنائیں حاجی مسعود گئے اور لے آئے۔ کھول کر میں نے میرزا عباس کو بتایا کہ اس جگہ سے پڑھو۔ یہ اشعار پڑھے۔

عمامہ کے واسطے مت بیٹھا رہ۔ فکر کر کوئی تدبیر کر + لوہے کا جوتا پاؤں میں
پہن کر ہاتھ میں عصا بھی لے لے + تمام مخلوق کو پاؤں میں کچل ڈال مگر
نیک و بد میں تمیز کر + ہر ملت اور ہر جنس کے بارہ میں خصوصاً تبریز کے متعلق
پوچھ + نہ ماضی کا رنج ہے نہ آئندہ کا غم ہے۔ بے شرم اور بے پرہیز ہیں +
قضا پر راضی رہ اور دیوانہ پن سے ہر دوسری شے کا منکر ہو جا + یہاں تک
کہ لندن اور پیرس سے بلوری جھاڑ آجائے + جس وقت مہیا اور تیار ہو جائے
تو ہال میں لٹکا دے +

ایک اتنا بڑا ملک۔ حوض پر اتنا بڑا پیالہ۔ حوض میں ایسی بڑی بڑی مچھلیاں۔ مچھلیوں کی آنکھیں بڑے بڑے سُرخ یاقوت سے بنی ہوئی اور اس قیمت ہیں۔ جو کوئی ملاجی کو پیسہ دے دے اس کو مل جائینگی۔
اس میں شک نہیں کہ اس قادر متعال کی قدرت کاملہ حدبیان سے زیادہ اور افزوں ہے مگر اس قسم کی خرافات کو اس کی صداقت اور حقانیت میں دخل نہیں ہے۔
علمائے اعلام اور فقہائے کرام نے رضوان اللہ علیہم وکثر اللہ امثالہم پاک شریعت کے احکام اور فروع دین کو جو ہر مومن و مومنہ اور مسلم و مسلمہ پر واجب ہیں بیان فرمادیا ہے۔
اور اس پر عمل و اعتقاد کو واجب اور ثواب۔ اور اس کے تارک کو گنہگار اور مستحق عذاب لکھا ہے۔ باوجود اس کے احکام و فرمائشات نبوی یعنی احادیث کو ظنی الصدور فرماتے ہیں اور قطعی الصدور نہیں جانتے ہیں۔
آخر یہ ہمارے ملا کس طرح اور کس جرأت سے ملا بوم علی کے لکھے ہوئے کو 'لوح منزل' جانتے اور فلاں شاعر کے اشعار کو امام کی فرمائش کا نظیر سمجھتے ہیں۔
حضرت سید الشہدا علیہم السلام کی تعزیہ داری کا اجر اس سے زیادہ ہے جو زبان بیان کر سکتی ہے مگر یہ بھی تو انہی حضرت کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص میری زبان سے جھوٹ گڑھے گا اور کہے گا اُس کا ظلم مجھ پر شمر علیہ اللعنۃ کے ظلم سے کم نہیں ہے۔ یہ جھوٹی روایتیں ائمہ علیہم السلام کی زبانی غیر مشہور راویوں سے مثل محمد ابو زینب ابو شاکر میموں۔ مغیرہ بن سعید مولی صالح بن عبد القدون ازدی۔ علی بن محل سمالی یحییٰ ابن زیاد عجز۔ حمل بن محفوظ اور فلاں فلاں جو سب کے سب جان بوجھ کر اور قصداً ہمارے مخرب دین و آئین ہوئے ہیں خاص و عام سے بغیر شرم کئے بیان کرتے ہیں۔
جو شخص سنتا ہے کہتا ہے سید الشہدا کی شان میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ان کی جسارت کا قصور اُمت کی روحانی حکومت و ملت کے رؤسا کے ذمہ ہے کہ جو شخص دو گز تن زیب یا ایک بے بالوں والی شال سر پر لپیٹ لیتا ہے منبر رسول پر پہنچ کر بڑی جرأت کے ساتھ ہر بے سر و پا کلام کو اس اصدق الصادقین اور پیشوائے مقتدیان کے فرمائشات گوہر انتظام سے منسوب کر دیتا ہے۔ لوگ سراپا گوش بن کر سنتے ہیں۔ کیا فائدہ ہے کہ آج ہمارے امور شرعی ایک قانون صحیح کے ماتحت جو ملک و ملت کی زندگانی کی اساس ہو نہیں ہیں۔ ورنہ مرثیہ خوان اور واعظ اور رعیت و حکام اور اعیان سب کے فرائض معین اور مشخص ہو جاتے۔
حاجی پھر قہقہہ لگا کر ہنسے اور کہا۔ آقا یوسف تبریزی کی نسبت اور کیا کہتے ہو؟ ہاں۔ سنوں۔ میں نے کہا۔ تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ کچھ تم بھی تو کہو۔

بدبختی میں گرفتار ہوتے جاتے ہیں۔ ؎

اگر مسلمانی یہی ہے جو حافظ رکھتا ہے
تو کاش کل کے بدلے آج ہی قیامت آجائے

"دنیا اور آخرت کا نقصان اور یہ وہ نقصان ہے جو آشکارا ہے" خدا ہم مسلمانوں کی فریاد رسی کرے اور اسلام پر رحم فرمائے ؎

ہماری پریشانی سے کفر کو جمعیت ہے۔ ہماری ویرانی سے میخانہ کی آبادی ہے۔

اسلام میں بذات خود کوئی عیب نہیں ہے۔ جو عیب ہے وہ ہماری مسلمانی کی وجہ سے ہے۔

حاجی قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے اور کہتے تھے کہاں یوسف آقا بتاؤ تم نے اور کیا دیکھا!

میں نے کہا۔ میں کیا کہوں تم خود بہتر جانتے ہو۔ ایران کی مسجدوں میں اور منبروں پر خصوصاً تبریز میں کیا رسوائیاں ہوتی ہیں کیا نہیں جانتے ہو وہ کیا کرتے ہیں؟ باشندوں نے مسجد کو ڈپو بنا رکھا ہے۔ اور ملاؤں نے اپنے فضل فروشی کی دوکان۔ جونہی کوئی غریب مسجد میں داخل ہوا کامل پانچ گھنٹہ تک اونٹ کی طرح زانو باندھے بیٹھا رہے۔ دو واعظ۔ چار مرثیہ خوان۔ ایک جماعت شاگردوں کی ایک دیر جاتا ہے۔ دوسرا نیچے آتا ہے۔ اگر کسی مجلس والے کو باقتضائے طبیعت بشری پیشاب پاخانہ کی حاجت پیش آئے یا کوئی فوری کام ہو جائے اور جگہ سے اُٹھنا چاہے تو گویا دین اسلام اور شریعت سے ارتداد میں چلا گیا۔ بڑی حقارت سے منبر کے اوپر شور مچاتا ہے۔

"اے خبیث! مجلس کو برہم مت کر یعنی بیٹھ جا اور جو کچھ میرے منہ سے نیک و بد اور جھوٹ سچ نکلے سن کر میری برائی بھلائی کو تصدیق کر اور آخر میں جو کچھ نقد و جنس رکھتا ہے وہ مجھ کو خیرات دے"

نہ خود تمیز رکھتے ہیں اور نہ مخلوق میں کوئی ایسا تمیز دار پایا جاتا ہے جو صدق و کذب میں تشخیص کر سکے اور حق و باطل میں امتیاز کرے۔

آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ تبریز میں تعلیم نہیں۔ حکومت نہیں۔ عقل نہیں۔ مروت و انصاف نہیں۔ ہر مخرب دین و مذہب یہودی سیرت۔ اسلام کسوت۔ ہزار سال پیشتر کی ہر عقل و شرع سے بعید بات کو جو کاغذ کے پرزہ پر لکھی ہوئی یا سنی ہوئی ہے۔ لوح منزل کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور ان کا گمان یہ ہے۔ باوجود اس طرح جلوہ دیتے ہیں کہ جو شخص ان خرافات پر اعتقاد نہ کرے کافر ہے اور دین و آئین سے باہر ہے۔ بالکل نہیں سمجھتے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کیسی بڑی خیانت ہے کہ جو کچھ جاہل مرثیہ خوان اور ملا نما بے علم کہیں اور تم تصدیق نہ کرو تو کافر ہو۔

کی لائق چیز کا دیکھنا ضروری ہے۔ میں نے تبریز کی مسجدوں کی وضع نہیں دیکھی تھی۔ جا کر بیٹھ گئے رفتہ رفتہ آدمی جمع ہو گئے۔ ایک ملا منبر کے اوپر پہنچا اور بڑے وقار کے ساتھ بیٹھ گیا میں نے منشی جی سے اُن کا نام پوچھا۔ کہا۔ آقا میرزا حسن ملا۔ چاہا کہ خطبہ پڑھنا شروع کرے جونہی کہ منہ کھولا اور چاہا کہ الحمد للہ کہے تقریباً دو سو آدمیوں نے بآواز بلند کہا اللھم صل علی..... ملا نے چاہا کہ رب العالمین کہے۔ پھر پہلی مرتبہ کی مانند درود پڑھا۔ اُس نے چاہا کہ بسم اللہ کہے۔ پھر درود کی آواز بلند ہوئی میں متحیر اپنے چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کے کیا معنی؟ واعظ چاہتا ہے کہ منہ کھولے اُن کے درود کی آواز اُس کو روک دیتی ہے۔ وہ ایک کلمہ نہیں کہنے پاتا کہ لوگ پانچ مرتبہ درود بھیجتے ہیں میں نے اچھی طرح غور کر کے دیکھا کہ سب ہنس رہے تھے۔ اس اثنا میں میں نے یکایک دیکھا کہ چار پانچ آدمیوں نے منبر کے چاروں پاؤں کو پکڑ کر مسجد کے درمیان میں رکھ دیا اور بلند آواز سے کہا۔

آقا چونکہ آپ کی آواز تمام لوگ نہیں سن سکتے تھے اور بے فیض رہ جاتے تھے۔ بہتر ہے کہ یہاں ٹھہریئے۔ میں نے منشی سے متحیر ہو کر پوچھا کہ یہ کیسا ہنگامہ ہے؟

کہا۔ اہل دیبہ ہیں۔ گویا مسجد کو میرے سر سے اُٹھا کر دے مارا۔

میں نے کہا اُٹھو چلیں۔ ایسی عبادت گاہ اور عابد لعنت کے لائق ہیں۔ یہ کیسی مسلمانی ہے؟ خانہ خدا کو تھیٹر کا اسٹیج بنا رکھا ہے۔ ایک شخص بھی ان میں غیر تمند اور حق پرست مسلمان نہیں ہے۔ یہ کیسی بے عزتی ہے؟ یہ کیسی شرعی حکومت ہے؟ اور یہ کیسی علماء بازی ہے؟

اگر کسی مکتب کے لونڈے سے ایک معقول بات سختی سے کہہ دی جائے تو ٹوٹ پڑتے ہیں اور مارتے مارتے مار ڈالتے ہیں کہ شریعت کی توہین ہو گئی۔ خانہ خدا میں ایسے مشہور اسلامی شہر میں۔ قبۃ الاسلام میں اس قدر بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا عمل قبیح ہے؟ اگر ان میں ایک شخص پروٹسنٹ اسلامی لباس میں جائے اور دیکھے تو وہ کیا کہے گا؟ یقیناً ان کی کوشش اور زیادہ ہو گی کہ ایسی ملت کو جو اپنے مذہب سے ایسی عقیدت رکھتے ہیں اپنے کیش و آئین سے فنا کر دیں۔

اس صورت میں بابی مذہب کے پیروؤں پر جو ہر قسم کی بہانہ جوئی کے درپے رہتے ہیں کیا اعتراض کیا جا سکتا ہے؟ کیا وہ نہ کہیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک مذہب کی قدر و قیمت اور شان و منزلت جو تمہارے دل میں ہے معلوم ہو گئی کہ اس طرح سے اپنے اور بیگانہ کی نظر میں ذلیل و خوار کرتے ہو بلکہ اسباب مضحکہ و مسخرہ فراہم کرتے ہو یہ واعظ کی وضع یہ تعزیہ داری کا طریقہ۔ یہ معبد کی حرمت سوائے اس کے کوئی نتیجہ نہیں دیتے کہ ہم روز بروز ہر

میرے پاس بھیج دے میں بھی اسی تدبیر سے کام نکال سکتا ہوں۔

میں نے بھی بعض درویشوں اور مکاروں اور بھنگڑیوں کو اور آوارہ بدمعاشوں کو اُس کے پاس بھیج دیا۔ بیچارہ نے تقریباً نوے تومان رفتہ رفتہ اس قسم کے اشخاص کو بطور احسانات ربانی دیئے۔

ایک دن پوچھا۔ چوک اور بازار میں میرے انعام و احسانات کا اور جود و سخا کا کچھ چرچا ہے۔

میں نے کہا۔ میں نے کچھ نہیں سُنا۔ اُس نے بھی یہ مکارانہ تدبیریں چھوڑ دیں۔

اس قسم کے عمامہ باندھنے والے ننگ بنی نوع جس رنگ اور جس جنس کے بھی ہوں بڑے شاندار القاب رکھتے ہیں چنانچہ ایک دن شہدی حسن۔ نے بتایا کہ یہ شمشیر الذاکرین ہے ابھی منبر پہ پہنچے گا۔ مرثیہ پڑھے گا۔ رات ہوگی تو امیروں کی مجلس میں پہنچے گا اور مسخرہ پن کریگا۔ اکثر اوقات پاجامہ اتار کر کافوری شمع اپنی مقعد میں رکھ کر روشن کر لیتا ہے۔

اس کا کمال یہ ہے کہ پھسکی مارتا ہے اور ہوا سے شمع کو اُڑا دیتا ہے اور جتنے عدد کہیں اُوں پون لگا دیتا ہے۔ حاجی تبریزی نے کہا یوسف آقا مجھے سچ بتاؤ کہ تم نے تبریز میں بھی اس قسم کی بیہودگیاں دیکھی ہیں؟

میں نے کہا۔ اگرچہ میں نے ان میں اس قسم کی رذیل اور کثیف حرکتیں نہیں دیکھیں لیکن اہل دیہہ کی جو بیان کرتے تھے وہ دیکھیں۔

حاجی نے کہا۔ نہیں ان کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ وہ شوخی و مزاح کرتے ہیں۔

میں نے کہا۔ حاجی جان معاف کیجئے۔ آپ کے گھر ہم بڑے آرام سے رہے اور آپ کے بھائی نے ہمارے ساتھ بڑی محبت اور مہربانی کی اور میں بہت ممنون و متشکر ہوں لہذا شرم آتی ہے کہ تمام باتیں بیان کروں۔ ورنہ نقائص ان سے زیادہ ہیں۔

میں نے علانیہ دیکھا کہ اہل دیہہ دین و آئین کی توہین کرتے ہیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا اگر ابراہیم بیگ دیکھتا تو یقیناً ہنگامہ برپا کر دیتا اور جھگڑا ڈال دیتا جس کی وجہ سے آپ کے بھائی کو تکلیف اور خجالت ہوتی۔

حاجی نے کہا۔ میری جان کی قسم۔ بتاؤ کیا دیکھا؟

میں نے کہا۔ ایک دن ابراہیم بیگ آپ کے بھائی کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا۔ میں بھی آپ کے منشی کے ساتھ باہر آیا اور چاہا کہ ٹہلنے کو جائیں۔ ایک مسجد کے سامنے سے گذر رہے تھے۔ آپ کے منشی میرزا جلیب نے کہا۔ آپ کی خواہش ہو تو مسجد چلیں میں نے کہا کیا حرج ہے۔ ـــ ہر دیکھنے

کہا۔ عجب ہزل گو اور مسخرہ اور نقال ہے۔ صدر اعظم اور وزیروں تک کو بھلا بُرا اور فحش کہہ لیتا ہے۔ سب کھلکھلا کر ہنس دیتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن گالیوں کے عوض ان سے دام وصول کرتا ہے۔ تقریباً تیس ہزار تومان دولت جمع کرلی ہے۔ مرثیہ خوانی کرتا ہے۔ امام باڑہ رکھتا ہے۔ امیروں سے روپیہ وصول کرتا ہے۔ فقرا کو دیتا ہے یعنی ایک دن میں تیس چالیس تومان اُن سے لیتا ہے اور پانچ چھ تومان کے ہزار دینار فقراء کو دے دیتا ہے اور باقی اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے۔ اور جناب کا اسم مبارک شیخ شیپور ہے سب اس کو جانتے ہیں۔ اور سب کی خدمت میں گستاخ ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز میں نے سُنا کہ قبلۂ عالم سے بھی گستاخی کی۔ کچھ بیہودہ کہہ دیا تھا۔ فوراً اس کے قتل کا حکم دے دیا بھاگ کر مقبرہ شاہ عبدالعظیم میں پناہ لی۔ تمام امیروں وزیروں نے التماس کیا۔ بادشاہ نے معاف کر دیا اور بست سے باہر آ گیا۔

جو طریقے اس شخص کے ہیں اس شہر میں کسی نقال یا ہزل گو کے نہیں۔ اوّل تو کم و بیش مثل "حمار یحمل اسفارا" کے کچھ پڑھا ہوا ہے دوسرے گدھے کی مانند ڈھینچوں ڈھینچوں کرتا ہے اس طرح سے کہ اگر کوئی ڈھینچوں ڈھینچوں کی آواز سُنے اور اُس کی صورت نہ دیکھے تو خیال کرے کہ واقعی گدھا ہے۔

تیسرے اونٹ اور بکری اور بلّی کی ایسی نقل کرتا ہے کہ ہرگز اصل سے فرق نہیں کیا جاسکتا اور کوئی شخص اصل و نقل میں تمیز نہیں کر سکتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ احمقوں کو خوب پھانسنا جانتا ہے۔ تمام سرداراں اور وزیروں کو انہیں صفات کا شیفتہ بنا لیتا ہے ایسے ہی اسباب کی برکت سے برکت کے ساتھ روزی کھاتا ہے اور روپیہ جمع کرتا ہے۔ تیس ہزار تومان کا مالک ہو گیا ہے۔ یہ ہے ایران کی مالیات کے بجٹ کا حساب اور یہ ہے طہران کے لوگوں کی تہذیب اخلاق۔ خصوصاً وزیروں سرداروں اور خاصکر شہزادوں اور ایران کے درباریوں کی۔

ہمارا حاجی خاں بیچارہ ان طریقوں سے واقف نہیں یہی وجہ ہے کہ اُس کے ساتھ رقابت رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا ہے اس لئے بڑی چاپلوسی سے اُس کے ساتھ پیش آتا ہے مگر موقع کا منتظر ہے چنانچہ ایک دن مجھ سے کہا کہ مشہدی حسن اس شیخ شیپور کا علاج کرنا چاہئے

میں نے کہا۔ حاجی خاں۔ تو یہ شاپ و شوپ کے اسباب اور آلات نہیں رکھتا ہے۔

کہا۔ نہیں بابا۔ اُس کی تمام شہرت اسی وجہ سے ہے۔ اُس کی شہرت فقیروں اور درویشوں کو روپیہ دینے سے ہو گئی ہے۔ تو بھی کچھ ایسے لوگوں کو جو بازار میں جا کر ایسا شور مچا دیتے ہیں

ہوگیا ہے۔ بیگ نے سیاحت نامہ میں اُس کی ملاقات کے اسباب لکھے ہیں۔ اُس نے اس بیچارہ کو وزراء کے گھر بھیجا۔ انہوں نے مارا اس کی عبا اور گھڑی لے گئے۔ مجھے اس کی مطلق اطلاع نہ ہوئی تھی۔

سب نے کہا۔ عجب حالت ہے!

میں نے کہا عجب سے بھی بڑھ کر حالت ہے۔ تنہا حاجی خاں ہی نہیں ہے۔ اس جیسے مسخرے اور ہذیان گو بہت ہیں۔ مطرب اور رقاص بھی بہت ہیں جن کے قول اور کلمہ کا اثر امرا وزرا کے نزدیک خوب چلتا ہے۔ ماشاء اللہ تمام لقب خانی اور معتمدی رکھتے ہیں۔ ہر ایک خوب مالدار ہوگیا ہے۔

اور اس کے علاوہ ہر ایک اُن میں سے پچاس شخصوں کی حمایت کرتا ہے یعنی مسٹنڈوں کے طریقہ سے فقرا اور ضعفا کے حقوق میں تجاوز کرتے ہیں۔ لُطف یہ ہے کہ حسب دلخواہ عمل کرتے ہیں اور کسی کو اُن کے ہاتھ سے تکلیف پہنچے پروا نہیں کرتے۔

بیگ نے حاجی خاں کو فوراً پہچان لیا۔ میں بھی بعض کے حالات سے مطلع ہوگیا۔ مگر مشہدی حسن کی خبر بن ابراہیم بیگ کو سُنانے سے مانع رہا۔ یہاں تک کہ عمامہ والے حضرات بھی امرا اور وزرا کے مسخرے ہیں۔

میں اکثر مشہدی حسن کے ساتھ چوک اور بازار کی سیر کو جایا کرتا تھا۔ ایک دن یکایک ایک شخص عمامہ باندھے۔ عجیب شکل اور غریب ہیکل اور ڈراؤنی صورت کا میں نے دیکھا سکر کھلی ہوئی اور پیٹ بڑھا ہوا۔ بڑی ناف اخروٹ کی مانند آگے کو نکلی ہوئی۔ سفید پاجامہ۔ بڑے بڑے پائنچے۔ پیٹ کے نیچے بندھا ہوا۔ اور ازار بند زانو تک لٹکا ہوا۔ ہاتھ کرتے کے نیچے پیٹ پر لے جا کر خارش کھجاتا تھا اور آپ ہی آپ ناک سے پھنکاریں مارتا تھا۔ میں گھور گھور کر اس کو دیکھ رہا تھا۔ متحیر ہو کر پوچھا۔ یہ لاابالی شخص کون ہے؟

مشہدی حسن نے کہا۔ ذرا اچھی طرح سے اس کی شکل و شمائل اور ڈیل ڈول کو دیکھو۔

میں نے کہا۔ آخر مجھے بتاؤ تو یہ دیو صورت زشت سیرت ہے کون؟

اُس نے کہا بابا۔ آہستہ سے کہو۔ ایران کا سب سے بڑا شخص ہے۔ آؤ قہوہ خانہ چلیں وہاں تم سے بیان کروں گا۔ آہستہ آہستہ ہم قہوہ خانہ پہنچے۔

مشہدی حسن نے کہا۔ یہ شخص ہمارے حاجی خان کا رفیق شفیق اور ساتھی ہے مگر یہ بھی جان لو کہ حاجی خان سوائے اس کے اس شہر میں کسی کو نگاہ میں نہیں لاتا۔

میں نے پوچھا۔ کرتا کیا ہے؟

چار پانچ چمچے کھائے۔ پھر ہر چند کوشش کی کہ اور کھائے نہ کھایا محبوبہ گویا اپنی قسمت سے بڑی ممنون اور متشکر تھی آئی اور حاجیہ خانم کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ اب میں خودداری نہیں کرسکتا اپنے کمرہ میں اُٹھ آیا اور آدھ گھنٹہ تک روتا رہا۔ آج معلوم ہوا کہ محبوبہ کا عالم کیا کیفیت رکھتا ہے۔ اب دو گھنٹے رات گذری تھی کہ میرزا عباس حاجی محسن آقا اور حاجی تبریزی آئے۔ حال پوچھا۔ میں نے کہا الحمدللہ آج ہمارا مریض بہتر ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا ابراہیم بیگ کے پاس چلیں؟ میں نے کہا آرام کرنے دیجئے۔ عورتیں بھی وہاں ہیں۔ پھر ہم ہال میں چلے گئے متفرق گفتگو دن کے بعد حاجی محسن آقا نے کہا، اچھا اب حالات سفر بیان کرو۔ میں بھی سنوں تم نے کیا کہا؟ کیا سُنا؟ کیا دیکھا؟

میں نے کہا۔ پرسوں میں نے عرض کیا تھا کہ تھوڑی سی تکلیف پیش آئی۔ مشہد مقدس میں میں نے التماس کیا کہ لوٹ چلیں۔ اس سفر کا انجام میری نظر میں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس کو بُرا معلوم ہوا۔ میں ڈرتا تھا کہ مصر تک سلامت نہیں پہنچے گا۔ پھر بھی سو شکر ہے کہ اس کا خشک بدن اور نیم جان لاکر اُس کی ماں کے سپرد کردیا۔ طہران میں اس کو مارا پیٹا۔ اُس نے مجھ سے چھپایا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ واقعہ میں نے سیاحت نامہ میں استنبول میں پڑھا اور مطلع ہوا۔ بدبخت حاجی خان ان نا ملائمات کا باعث ہوا تھا۔

میرزا عباس نے پوچھا۔ حقیقت میں یہ حاجی خاں کون ہے؟ پرسوں تم نے کہا تھا کہ تم اس کو جانتے ہو۔

میں نے کہا۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ حاجی خاں۔ یعنی حاجی خاں۔ یہ حاجی خاں یعنی سرہنگ ایران۔ صاحب دو نشان۔ لعنت بھیجو۔ سب نے کہا۔ یوسف۔ بس کرو۔ تم نے اپنی قدیم عادت نہیں چھوڑی۔ ہاں بتاؤ وہ کون ہے؟

میں نے کہا۔ دوبارہ لعنت اس سے زیادہ بُلند آواز کے ساتھ بھیجو۔ حاجی خاں۔ وہی حاجی خاں یعنی ملا محمد علی۔ اندھا گنجا جو چند سال پہلے حاجی جعفر آقائے تبریزی اور تین اور شخصوں کے ساتھ آیا تھا اور چار روز حاجی مرحوم کا مہمان رہا تھا۔

سب نے کہا۔ بابا۔ کون محمد علی؟

میں نے کہا۔ وہ پستہ قد اور رکم رُو تھا نہ۔ جو یہاں کودتا تھا۔ وہاں پھُدکتا تھا۔ وہ بیہودہ گو ہذیان بکنے والا تھا نہ؟

سب نے کہا۔ ہاں۔ ہم پہچان گئے۔ اسی بیہودہ گوئی نے اس کو مرتبہ پر پہنچایا۔

میں نے کہا ہاں۔ ہمارا بڑا احترام کیا اور ہم کو مہمان بنایا۔ اب صاحب نشان و لقب خانی

چار پیالے دودھ دیا۔ پی گیا۔ میں نے کہا تو کس طرح ہے کچھ تو نے بھی کھایا ہے؟ کہا۔ جی ہاں۔ پہلے میں نے پیا۔ دیکھا میں نے پی لیا۔ وہ بھی پی گیا۔ میں نے کہا بے شک تمہاری غذا اس کی غذا اس کی قوت کا باعث ہے۔ بارک اللہ۔ کھانا اور کھلانا چاہیے۔ میں نے پوچھا۔ کیا سویا بھی؟ کہا ہاں۔ بی بی بھی سوگئی تھیں۔ مگر میں ایک منٹ نہیں سو سکتی۔ مجھے نیند ہی نہیں آتی۔ چچا جان۔ باورچی سے کہہ دیجئے کہ تھوڑا شیر برنج پکا دے میں بھی کھاؤں گی اور شاید آقا کو بھی کھلا سکوں میں نے کہا کچھ ہرج نہیں۔ بیمار کے پاس گیا۔ دیکھا سو رہا ہے۔ میری نظر میں اس کی حالت کل سے بہتر معلوم ہوئی۔ حاجیہ خانم نے سکینہ سے کہا۔ باورچی سے کہہ دو شیر برنج پکا دے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت آگیا۔ ایک برتن میں شیر برنج بھی رکھا ہوا تھا۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ محبوبہ نے ابراہیم بیگ کو تکیہ کے سہارے بٹھایا۔ بیچاری چاہتی ہے کہ ابراہیم بیگ کے ہاتھ میں چمچہ دے۔ نہیں پکڑ سکتا۔ خود اس کے ہاتھ میں سال بھر کے بچہ کی طرح چمچہ دے کر پکڑے ہوئے ہے اس کا ہاتھ بھی کانپ رہا ہے۔ چاہتی ہے اس کے منہ میں دے۔ نہیں لے سکتا۔ کبھی خود آدھا چمچہ کھا لیتی ہے گویا اس کو بتانا چاہتی ہے کہ تو بھی اس طرح کھا۔ محبوبہ گل کی طرح چمک رہی تھی اور اس کی پیشانی پر موتی کی مانند پسینہ آرہا تھا اور آنسوؤں کے قطرے ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے گوشوں سے ٹپک رہے تھے اور اس کا بدن بید کی طرح کانپ رہا تھا ایسی بیلی لڑکی گویا شرم و حیا کو بالکل بھول گئی تھی۔

حاجیہ خانم پر رقت طاری تھی۔ آنسو بہا رہی تھیں اور مسکراتی ہوئی بھی دیکھتی تھیں بہبوت اور متحیر محبوبہ کے عالم محبت کی سیر کر رہی تھیں۔ اس بیچاری لڑکی کے تمام ہوش و حواس اس بات پر جمع تھے کہ ایک چمچہ شیر برنج اس کو کھلا دے۔ اگر اس حالت میں محبوبہ کو آگ لگا دی جاتی یا اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جاتے تو احساس نہ ہوتا۔ کہتی تھی۔ آقا جان۔ کھائیے۔ ایران میں آپ نے شیر برنج نہ کھایا ہوگا۔ محبوبہ نے جلدی سے ابراہیم بیگ کے لبوں کے درمیان چمچہ رکھا۔ ابراہیم نے لب کھول کر کہا یا حق یا مدد۔ اور شیر برنج کھا لیا۔ محبوبہ جلد جلد اس کے منہ میں چمچہ رکھتی جاتی تھی یہاں تک کہ چار یا پنج چمچے اس کو کھلا دئے ایسی خوش و خرم ہوئی کہ گویا ایک بڑے بہادر سردار نے دشمن کا قلعہ فتح کر لیا۔ پوری جد و جہد کر رہی تھی اور میری طرف اشارہ کر رہی تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ رومال لا اور اس کا منہ پونچھ۔ ابراہیم بیگ محبوبہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور کبھی ماں کی طرف دیکھ لیتا تھا الغرض وہ حق رکھتی تھی کہ شیر برنج کھلانے کی مسرت میں اس دن کا نام 'عید شیر برنج' رکھتی اور ہر سال آج کے دن خوشی مناتی مگر اس کو خبر نہ تھی کہ ابراہیم بیگ کے منہ کو کھولنے اور مدد دینے والا لفظ وہی ایران کا نام تھا جس کی وجہ سے

آگاہ ہے کہ اس ناچیز کنیز کو تو نے اپنی بے انتہا الطاف سے تہہ عزت میں پرورش کیا ہے حالانکہ میں ایک طفل صغیر اسیر بیکس و بے اقربا کے سوائے کچھ نہ تھی۔ میری تمام امید اور خوش قسمتی اس با محبت و با عزت جوان سے وابستہ ہے۔ اگر اس کا وقت مقررہ آگیا ہے تو میں برضا و رغبت و بطیب خاطر اپنی باقی عمر اس کو بخشتی ہوں اور اپنے آپ کو اس پر تصدق کرتی ہوں۔ اے رحیم کارساز اور اے معبود بندہ نواز۔ تو جانتا ہے کہ بغیر اس کے میری زندگی حرام ہے۔ تو قاضی الحاجات ہے اور مجیب الدعوات ہے۔ ؎

اے خدا تو تمام دنیا کے بیکسوں کا والی ہے۔ تیرے کرم کا ایک رہ بھی تمام عالم کیلئے کافی ہے میں بیکس ہوں اور تو بیکسوں کا مددگار ہے۔ اپنے لطف سے میری فریاد رسی کر۔

اس اثنا میں میں نے دروازہ کھٹکھٹا کر کہا۔ خانم تشریف لے آئے۔ اس وقت حاجی مسعود آئے۔ کہا میرزا عباس ایک شخص کے ہمراہ جن کو میں نہیں جانتا ہوں آئے ہیں میں نے کہا کہا کمرہ میں جلیں میں بھی آتا ہوں۔ جونہی میں گیا میرزا عباس نے میرے کان میں کہا۔ ان عرب کی نسبت کہتے ہیں کہ بڑے مجرب تعویذ لکھتے ہیں۔ ابراہیم بیگ کو دیکھ کر تعویذ لکھ دیں گے شاید مؤثر ہو۔ میں نے کہا کچھ ہرج نہیں بیٹھ کر قہوہ کیا پھر چلے گئے۔ میں نے محبوبہ سے کہا۔ اپنے کمرہ میں جاؤ۔ مہمان آئے ہیں محبوبہ کے باہر جانے کے بعد اندر داخل ہوئے۔ عرب نے کچھ دعا در رو آہستہ پڑھ کر ابراہیم بیگ پر دم کئے اس کے بعد تعویذ لکھا کہ یہ سبز کپڑے میں سی کر اس کے داہنے بازو پر باندھ دیں انشاء اللہ بہت جلد شفا ہوجائے گی۔ ہم اُٹھ کر باہر آگئے دروازہ تک ہمراہ جا کر میں لوٹ آیا۔ دیکھا کہ حاجی مسعود اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے جارہے ہیں میں نے آواز دی کہ اس قدر عجلت سے کہاں جارہے ہو؟ محبوبہ خانم نے پیچھے سے چند غروش عرب کی نیاز کے لئے رومال میں باندھ کر دئے ہیں میں اس کو دینے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا میرزا عباس اس کی فیس دے دینگے۔ رومال کھول کر دیکھا کہ تین انگریزی پونڈ اور ایک ہیرے کی چمکتی ہوئی انگوٹھی جو حاجی مرحوم نے پچیس پونڈ کو خریدی تھی بندھی ہوئی تھی۔

گویا محبوبہ نے جان کے خوف سے یہ تصور کیا تھا کہ جس قدر نیاز زیادہ ہوگی اسی قدر تعویذ سریع التاثیر ہوگا اور مفید تر۔ میں نے حاجی مسعود سے کہا۔ کہہ دینا کہ میں نے دے دی اور اپنی جیب میں رکھ لی کیونکہ اس طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محبوبہ اس کے بعد اس قسم کا بہت سا دیوانہ پن کرے گی۔ تجھ کو جو کچھ دے کہ فقیروں اور سیدوں کو بخش دینا۔ میرے پاس لا کر مجھ کو دکھانا یا حاجیہ خانم سے کہنا۔ رات ہوگئی۔ میں چند روز سے نہیں سویا تھا سونے چلا گیا۔ یکایک محبوبہ خوش خوش آئی اور کہا کہ چچا جان خوشخبری! میں نے کہا کیا بات ہے؟ کہا میں نے

آمادہ ہوا تھی۔ اور کہا چچاجان اول مجھ کو وہاں سے جاؤ پھر نماز پڑھونگی۔ نماز بے حضور قلب جائز نہیں یہ کہا اور میرا ہاتھ چوما۔ کہاں محبوبہ؟ اور کہاں یہ دست بوسی؟ نہ اس میں یہ شرم اور نہ میرا ایسا دب محترم۔ مجھے رحم آیا۔ سچ کہا ہے۔

عشق بڑا لاابالی ہے اس سے بچو۔ جب حضرت عشق تشریف لاتے ہیں تو پھر عقل دور اندیش کا کیا کام؟ میں نے کہا آیندہ مجھ کو ایسا شرمندہ نہ کرنا۔ اگرچہ میں بڈھا اور تیرے باپ کی جگہ ہوں مگر اپنے دل میں نوکر سمجھتا ہوں۔ اور تم لوگ میرے ولی نعمت ہو۔ آئیے چلیں۔ دروازہ کھول کر کمرہ میں داخل ہوئے۔ جونہی محبوبہ کمرہ میں داخل ہوئی۔

سلام کیا اور بڑی شرم وادب سے کھڑی ہوگئی۔ جواب نہ پایا۔ آگے بڑھ کر کہا۔ یاروحی یاحبیبی۔ روتی پیٹتی ابراہیم بیگ کے بستر پر گر پڑی اور اس کے پاؤں کو سینہ سے لگا کر کہنے لگی۔ یامولائی۔ یا قوت قلبی۔ ؎

کب تک تیرے غم میں شمع کی مانند جلتی رہوں۔ اور تیرے عشق کی آگ میں روشن ہوں۔
کب تک تیرے انتظار میں آئینہ کی طرح سرتاقدم دیدہ گریاں بن جاؤں۔

آقاجان۔ یہ آپ کی ادنیٰ کنیز نو مہینے تک ایران کی طرف اس لئے ٹکٹکی لگائے رہی ہے اور انتظار میں بیٹھی رہی ہے کہ تجھ کو اس حال میں دیکھے۔ وہ تیرا ادبچو کلام کہاں ہے؟ وہ گیسوئے عنبریں کہاں ہیں؟ تیرا قد صنوبر کیوں خمیدہ ہوگیا؟ کہاں تیرے پاؤں میں خارِ غم چبھ گیا؟ کس راستہ کی مصیبت کی خاک اس فلک کج مدار نے میرے سر پر ڈالی ہے؟ ابراہیم بیگ نے مظلومانہ نگاہ کی اور کہا۔ یاحق یامدد۔ (یہ واضح رہے کہ ابراہیم کا یہاں بولنا لفظ ایران سننے کی وجہ سے تھا) محبوبہ اپنے آقا کے پاؤں سینہ سے لگائے ہوئے بوسہ دیتی تھی اے مولا یہ تیری ادنیٰ کنیز حاضر ہے۔ جس خدمت کو حکم دو بجالاؤں۔ پھر اٹھ کر ابراہیم بیگ کے گرد گھومی اور کہا۔ خدایا مجھ کو میرے آقا پر تصدق کردے اور اس کو جو تکلیف اور بیماری ہو وہ میری جان کو دیدے۔ خدایا بغیر میرے آقا کے میری زندگی نہ ہو۔ میں نے کہا محبوبہ بس کر۔ نماز کا وقت گذرا جاتا ہے جا نماز پڑھ۔ زیادہ تکلیف مت دے۔ نماز کے بعد حضور قلب سے دعا کر۔ انشاءاللہ تیری دعا قبول ہوگی۔ اس کے بعد میں نے مسعود سے کہا جاؤ حاجیہ خانم سے عرض کر دکہ مغرب اور عشا کی نماز بھی وہیں پڑھیں اور کسی قدر دیر کر کے تشریف لائیں۔ محبوبہ چلی گئی وضو کیا کہ اپنے کمرہ میں نماز پڑھے۔ میں بیمار کے پاس بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ اس کے پاؤں دبانے لگا۔ محبوبہ کی نماز نے بہت طول پکڑا میں سمجھا کہ شاید پھر غش آگیا۔ آہستہ جاکر دروازہ کے پیچھے سے دیکھا۔ کہ مناجات میں قاضی الحاجات سے کہہ رہی ہے۔ خداوندا۔ رحیما۔ کردگارا۔ توخود

صالح آفندی رہ گئے ہم محبوبہ کے پاس گئے۔ حال پوچھا۔ میں نے محبوبہ کی بیماری کو حکیم سے کما حقہ کہہ دیا تھا۔ اس نے پوچھا کیا کھایا تھا؟ جواب نہ دیا۔ میں نے کہا تین روز ہو گئے اس لڑکی کے پیٹ میں دانہ پانی کچھ نہیں گیا۔ کہا اچھا۔ کچھ نہ کھا اور کمزور ہو جا اور تیرا آقا ادھر بے تیماردار کے پڑا رہے۔ ماشاء اللہ سب کاموں کے انتظام ٹھیک ہیں۔ کم سے کم تو تو کچھ کھا کر اتنی قوت حاصل کر لے کہ اپنے آقا کی خدمت کر سکے۔ تو دیکھتی ہے کہ اس کی ماں بیچاری بڑھیا اور ضعیف ہے۔ مریض کی تیمارداری کے لئے طاقتور آدمی کی ضرورت ہے۔ تیرے سوائے عمدہ خدمت کون کر سکتا ہے انشاء اللہ جلد ہی روز میں صحت ہو جائے گی آخر دیکھ تو ابراہیم کی بہن تیری کس قدر خدمت اور مہربانی کرتی ہے تو بھی ان کیلئے طاقت حاصل کر کے ابراہیم بیگ کی خدمت کر۔ چار شیشے شربت کے لکھے کہ ہر روز ایک کو پئے تاکہ نقاہت بالکل دُور ہو جائے۔ باہر آیا۔ چاہا کہ حاجیہ خانم سے رخصت ہو۔ کہا خانم یہاں مریض اور بیماری ہے اگرچہ حکیموں نے وعدہ کیا ہے کہ پھر آئیں گے لیکن شیخ یوسف السید بڑا تجربہ کار اور عالم حکیم ہے میں نے ان کی فیس دے دی ہے اور آپ کے نام لکھ دی ہے۔ آپ اتنی کوشش کریں کہ ابراہیم بیگ غذا کھائے اور دوسرے محبوبہ کو ابراہیم بیگ کی تیمارداری کے لئے اس کے پاس مقرر کر دیجئے۔ لیکن اس کی بہن اور کبھی محبوبہ آپ کی معاونت کرے۔ یہ عرض میری ضرور قبول فرمائیے ؛

حاجیہ خانم نے کہا کہ حکیم کا حکم ماننا چاہئے کیونکہ قرین مصلحت ہوتا ہے۔ حکیم چلا گیا۔ حاجیہ خانم آئیں اور دروازہ کے پیچھے سے بولیں۔ محبوبہ کیا وجہ ہے کہ تو تین دن سے یہاں مقید ہے؟ یقیناً نماز بھی نہیں پڑھی ہو گی۔ اُٹھ۔ نماز پڑھ۔ مجھے اوپر کام ہے سکینہ باورچی خانہ میں ہے ابراہیم تنہا ہے۔ اس کو اکیلا مت چھوڑ۔ حاجیہ خانم اوپر چلی گئیں۔ میں نے آہستہ سے محبوبہ کے کمرہ کا دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ بستر میں دیوار سے سر لگائے رو رہی ہے۔ میں نے کہا تو نے نہیں سُنا تیری بی بی نے کیا کہا؟ جواب دیا میں نے سُن لیا میں کیا خاک سر پر ڈالوں؟ میں نے کہا محبوبہ اتنا جان لے کہ میں تیرا چچا اور روحانی باپ ہوں اور خود بھی بوڑھا دنیا دیدہ اور تجربہ کار ہوں۔ میں آج تجھ سے صراحتاً کہہ دیتا ہوں۔ جو کچھ تیرے دل میں درد ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہ رکھ اگر دل میں رکھے گی تو رنج سے مر جائے گی۔ اپنا دل خوش رکھ اور اپنے آقا کی خدمت سے غافل نہ رہو حاجیہ خانم نے اُس کی خدمت تیرے سپرد کر دی ہے۔ ہمیشہ خوشی سے کھا پی اور اپنے آقا کو بھی کھلا پلا۔ دعا مانگ۔ خدا صحت دے اور تمہاری قسمت یاوری کرے اور اب نماز پڑھ کر اپنے آقا کی خدمت میں جلد جا۔ محبوبہ کی حالت تار پانے کے روز سے آج تک ابراہیم بیگ کے حال سے بدتر ہو گئی تھی گویا اُس کی حیات میں ایک رمق باقی رہ گئی تھی وہ ابر کی طرح سے جو برسنے کے لئے

کو نہیں سمجھا میں نے کہا یعنی نظم و نظام اور قانون و انتظام وہاں نہیں ہے۔ یہ تفکرات اس کے دل میں مضبوط ہو گئے۔ یہاں تک کہ اسی بات کی وجہ سے ایک بڑے شخص سے جھگڑا کر لیا اور غیظ و غضب سے مغلوب ہو گیا۔ اس وقت سے اس بلا میں مبتلا ہو گیا ہے۔ حکیم نے کہا تو اس صورت میں میں نے غلطی نہیں کھائی عشق توہمات اور مجسمات میں وجود اور بے وجود میں فرق نہیں کرتا ہے۔ ان کی تفصیل درکار ہے۔ ہمارے پاس وقت نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حکما افراط محبت کو عشق کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم فطری یعنی خلقی و ذاتی۔ اور یہ عشق تمام کائنات اور موجودات میں خواہ فلکیات اور عناصر ہوں جو بمقتضائے طبیعت ایک دوسرے کے جاذب و مجذوب ہیں موجود ہے۔ دوسری قسم عشق کسبی۔ جو حیوان اور انسان میں پایا جاتا ہے اور اس کا منشا لذت ہے یعنی ادراک ملائم سے اور اس حالت سے جو کہ اعتدال مزاج میں بہم پہنچتی ہے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ عشق کسبی دو صورتوں سے خالی نہیں ہے۔ یا تو قوۃ تحریک سے ہوگا یا قوۃ ادراک سے۔ جو قوت تحریک سے ہوتا ہے اس کو جسمانی کہتے ہیں جیسا کہ غذا کی جانب میلان اور کھانے پینے کا شوق اور جو ادراک سے ہوتا ہے اسے روحانی کہتے ہیں۔ جیسے حقائق امور میں نظر کرنے کا شوق اور حسن و قبح میں تمیز کرنا وغیرہ۔ اب جو کہ روحانی ہے یا بالذات ہوگا یا بالعرض جو بالذات ہے عشق حقیقی ہے۔ جو بالذات ہے عشق حقیقی ہے جیسا کہ اہل حق کی اور روحانیوں کی محبت جو اپنے موجد کے طالب ہیں اور اس کی صفت کی نشانیوں کے مائل۔ اور اس عشق کو منفعت بالذات ہے نہ بالعرض۔ اور جو بالعرض ہے وہ عشق مجازی ہے جیسا کہ اہل ہوس کی محبت عورتوں سے اولاد سے عمرے آثار سے وغیرہ وغیرہ۔ ہر صورت میں افراط محبت عشق اور عشق کی شدت اور اُس کا غلبہ عناصر میں جو انسان کی حیات کی بنیاد ہیں ضعف اعتدال کا سبب اور مہلک ہوتا ہے۔ اس کا علاج سوائے حصول معشوق کے کچھ نہیں پس اس کی صحت اس کی حصول آرزو پر موقوف ہے +

یہاں تک تو میرے گمان نے غلطی نہیں کی۔ اس صورت میں اس کا علاج ایران کے قانون و نظم کے حصول پر موقوف ہے جس وقت کہ ایران میں نظم اور قانون مساوات قائم ہو گیا یہ بھی بغیر علاج کے تندرست ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ اتنا آپ کی سپرد کرتا ہوں کہ ایران سے عمدہ خبریں آئیں اور اس کے سامنے بیان کی جائیں تاکہ وہ سُنے اور بری خبروں کو چھپائیے کہ دفعتاً اس کے دل پر چوٹ لگ کر اس کو ہلاک کر دیں گی۔ اور اگر اس کو کھانا کھلانا چاہتے ہو تو اس شخص سے جس کا وہ ممنون اور جو چیز اُس کے معشوق کو یاد دلا سکتی ہے علاء الدولہ کی طرح تمہید کر کے استقبال کی امیدیں کھلوائے۔ خدا حافظ کہا اور چلا گیا +

تو بڈھا ہے اور وہ جوان ہے۔ تجھ سے ہمراز نہ ہوا ہو۔ میں نے کہا ہرگز اس قسم کے خیالات میں نہ تھا اور یہ احتمال اس کے بارے میں فاسد ہے۔

شیخ یوسف نے کہا۔ عزالدولہ کا ولی عہد بیمار ہوگیا۔ تمام اطبا اس کے علاج سے عاجز ہوگئے آخر کار شیخ الرئیس کو خبر کی گئی شیخ نے عشق کے آثار اس میں پاکر تخلیہ کیا اور ایک شخص کو جو اس شہر کے محلوں اور مکانوں کے نام بنام جانتا تھا مریض کے پہلو میں بٹھا دیا اور اس شخص سے گفتگو شروع کی اور شہر کے محلوں اور مکانوں کو ایک ایک کرکے گنایا یہاں تک کہ معلوم ہوگیا کہ فلاں محلہ میں فلاں گھر میں فلاں لڑکی پر عاشق ہوگیا ہے۔ عزالدولہ کو خبر کی اور مقصد حاصل ہوکر صحت پائی۔ اب ابراہیم بیگ کے پاس چلیں مصر سے جب باہر گیا ہے ہر شہر اور قصبہ اور گاؤں کو جو تم نے دیکھا بالتعیین ہو ایک ایک کرکے گناؤ شاید کچھ ہاتھ لگے اور مقصد حاصل ہوجائے ابراہیم بیگ کے پاس گئے۔ صالح آفندی ایک گوشہ میں چھپ گیا۔ شیخ یوسف السید نے بیمار کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے سوال کیا۔ یوسف آقا تم اس سفر میں کس راستہ سے گئے تھے؟ اور کن مقامات کو دیکھا اور سیر کی؟ میں نے کہا یہاں سے بذریعہ ریل اسکندریہ وہاں سے جہاز میں اسلامبول سے جہاز میں باطوم اور باطوم سے موٹر میں تفلیس اور وہاں سے جہاز میں ساحل رشت و مازندران و عشق آباد یہاں تک کہ ایران میں داخل ہوگئے۔ ایک دم شیخ یوسف چلا اُٹھے۔ مقصد حاصل ہوگیا۔ میں نے مرض کی تشخیص کرلی۔ اُس کے بعد بتاؤ۔ ایک ایک کرکے مشہد سے سبزوار۔ نیشاپور۔ سمنان۔ دامغان۔ شاہرود۔ طہران۔ قزوین۔ زنجان۔ تبریز۔ اردبیل۔ مراغہ۔ ثبات۔ مرند۔ دریائے ارس کے کنارہ تک ایک ایک شہر اور قصبہ اور گاؤں کو جہاں سے ہم گذرے تھے سب کو گنایا۔ پھر وہاں سے روس کے شہر باطوم تک، اور وہاں سے اسلامبول اور مصر اور السلام۔ اس نے کہا سبحان اللہ اس ایران کے سوا جو کل ممالک عجمستان ہے کیا ایران نام کا کوئی شہر بھی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔ اس نے پوچھا کہ ضرور ہونا چاہیئے کیونکہ میرے اخراج اور استنباط میں غلطی واقع نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ کا استنباط بالکل درست ہے اور اس میں ہرگز غلطی اور سہو نہیں ہوا۔ ماشاء اللہ اسی ایران کے نام نے اس بیچارے کو اس درد میں مبتلا کیا ہے۔ اس نے کہا۔ کیا مطلب؟ کیا ایران نام کا کوئی انسان ہے؟

میں نے کہا نہیں حکیم صاحب۔ یہ غیرتمند جوان مملکت ایران کا عاشق ہے۔ اور اپنے معشوق کو دیکھنے گیا تھا تاکہ اُس کے دیدار سے شادان و فرحاں ہو مگر وصل کے بعد قضیہ کا نتیجہ برعکس ہوا۔ بعض صوبوں کی پریشان حالی اور بے رونقی اس کی طبع نیک پر گراں گذری اور وہ رنج و غم سے اس حالت میں مبتلا ہوا۔ اس نے کہا میں صوبوں کی پریشان حالی اور بے رونقی

بتیس سال سے طبابت کرتا ہوں۔ اگرچہ میرا امتحان ہرسیڈیکل کالج میں فن جدید میں ہوا تھا مگر میں مرض عشق کا معتقد ہوں۔ بہت دفعہ تجربہ کیا ہے اور سند حاصل کی ہے خصوصاً اس جگہ یا تو یہ مرض مالیخولیا ہے یا سودا میں چاہتا ہوں کہ بوعلی سینا کی حکمت کو درد زگی عمل میں لاؤں اور دیکھتا ہوں کوئی فائدہ مترتب ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ مرض تشخیص نہ کرسکا تو دیوانہ ہوجاؤں گا۔ صالح آفندی نے پوچھا تم کس فن کے امتحان کا خیال کرتے ہو؟ کہا ایک تو یہ کہ ایک بڑا امیر مرض مالیخولیا میں بتلا ہوگیا اور بھیڑ بکری کی طرح سے کچھ نہیں کھاتا تھا اور برابر شور مچائے جاتا تھا کہ میں پہاڑی بکری ہوں۔ مجھے حلال کرو اور کباب بناؤ ہمیشہ اُس کے ورد زبان یہی تھا۔ چند روز کھانا بند رہا اور حکیم اس کے علاج سے عاجز ہوگئے۔ علاؤالدولہ نے شیخ الرئیس کو بلایا شیخ نے حالات پوچھے اُس کے تیمارداروں نے مریض کے حالات بیان کئے۔

شیخ نے کہا جاؤ مریض سے کہہ دو کہ ہم نے خبر کردی ہے قصاب آتا ہے اور تجھ کو ذبح کرے گا۔ مریض سے کہا گیا تو وہ خوش ہوگیا۔ ایک گھنٹہ بعد شیخ چھرا اور رتبر ہاتھ میں لئے ہوئے آیا اور زور سے کہا بکری کہاں ہے لاؤ میں اُس کو ذبح کروں گا۔ امیر خود بکری کی طرح بولتا تھا کہ میں یہاں ہوں۔ غرض امیر کو لائے تین چار آدمیوں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ شیخ قصابوں کی مانند چھری کو تبر پہ تیز کرتا تھا اور چھری کی آواز امیر کے کان میں پہنچتی تھی۔ پھر امیر کے سینہ پر پاؤں رکھا۔ امیر کے پہلو اور پٹھوں پر ہاتھ مارتا تھا اور زانوؤں کو دیکھتا تھا یہاں تک کہ ہاتھ روک لیا اور کہا کہ یہ بکری بہت دبلی ہے ذبح کرنے کے لائق نہیں ہے اس کو چارہ کھلاؤ تاکہ ایک ہفتہ میں موٹی ہوجائے اس وقت ذبح کروں گا۔ پھر اس کے ہاتھ پاؤں کھول دئے پھر بوعلی نے کہا کہ اب اس کو جو چیز دو گے ذبح ہونے کی امید میں کھا جائے گا حقیقت میں جو اس کے سامنے لے گئے کھا گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اُس کا علاج ہو کر شفا ہوگئی +

دوسری تدبیر اس کے عشق و سودا میں یہ ہے۔ اگر یقین ہوگیا کہ سودا رکھتا ہے تو اطمینان دلانا چاہئے کہ کھائیگا تو یہ مقصد حاصل ہوجائیگا۔ یہ مرض کھانے پینے سے دور نہیں ہوسکتا میری رائے تو یہ ہے۔ آپ کی کیا صلاح ہے؟ صالح آفندی نے کہا۔ آپ کی اس رائے اور تدبیر میں اگر نفع نہ ہوگا تو کسی طرح نقصان بھی نہ ہوگا۔ بے ضرر عمل کا تجربہ جس کے عمل میں فائدہ متصور ہو بہتر ہے۔ پھر شیخ یوسف السیدنے مجھ سے کہا۔ آقا یوسف مصر میں اس جوان کا کسی عورت سے کچھ واسطہ تھا۔ میں نے کہا یہ تمام دنیا اس کی عصمت کی گواہ ہے۔ حاشا اللہ کہ یہ گمان اُس کے بارے میں غلط ہے اس نے پوچھا کہ ایران میں آنے جانے جن جگہوں پر تم قیام کرتے تھے یا جن لوگوں سے ملتے جلتے تھے کسی عورت یا لڑکی سے ملا ہو کہ جس سے دلبستگی ہوگئی ہو؟ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اس نے کہا اس کا دعویٰ نہ کرو۔

انگریز ڈاکٹر نے کہا۔ اس کے تمام کپڑے اتارو۔ حاجی مسعود نے سوائے پاجامہ کے تمام کپڑے اُتار ڈالے۔ ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ معائنہ کیا اور کان لگا کر دیکھا اور ایک مخصوص خوردبین سے گلے اور ناک اور تمام اعضا کو دیکھا۔ تھرمامیٹر لگایا اور نبض دیکھی۔ چار طبیبوں نے کامل ایک گھنٹہ تک مجھ سے پوچھ گچھ کی کہ اس کا باپ کس بیماری میں مرا تھا؟ اور ان کے سلسلہ میں کس قسم کی بیماریاں واقع ہوتی ہیں؟ اس کی ماں کن بیماریوں میں مبتلا رہی تھی؟ بچپن میں بیمار ہوا تھا؟ کیا بیماری تھی؟ اور کیا دوائیں کھائی تھیں؟ میں نے سب کے مفصل جواب دیئے انہوں نے فرانسیسی زبان میں ایک دوسرے سے مکالمہ کر کے گٹ پٹ کی جس کو میں نہ سمجھا۔ بالآخر یہ مطلب معلوم ہوا کہ استنبول کے طبیبوں کی طرح یہ بھی کچھ نہیں سمجھے۔ انہوں نے کہا اس کی ماں کو بلاؤ۔ خانم آئیں مسیو ہارڈو اسرائیلی ترکی خوب جانتا تھا کہا خانم ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ آپ کا بیٹا بیمار نہیں ہے اگر بیمار نہ ہوتا تو اس حالت میں کیوں پڑا ہوتا۔ ہم بیماری کی تشخیص نہ کر سکے۔ قلب سالم جگر درست۔ حرارت معتدل۔ جیسا کہ آلہ خوردبین کا قاعدہ ہے منہ سے لیکر ناک اور کان۔ احشاء اور اندرونی اعضا کو دیکھ لیا سب درست اور حالت اعتدال میں ہیں۔ اس وقت تو ہم مرض کو نہیں پہچان سکے اگر آپ فرمائیں تو آئندہ ہفتہ پھر آکر معائنہ کریں۔ آج کیلئے مسیو وولف کچھ لکھ دیتے ہیں۔ دن رات میں دو دو دفعہ مالش کی جائے پینے کی دوا بھی لکھ دیں گے۔ ہر چند گھنٹہ بعد دو پیالی پلا دی جائے اور سر کے بال منڈا دیئے جائیں۔ سونگھنے کی دوا دوائی خانہ سے لے آئیں تر کر کے رکھ دیں۔ جس طرح ہو سکے بہانہ سے منت سے شوربا چپاتی کھلائیں اور اگر کچھ اور کھائے تو ہرج نہیں کھلا دو لیکن کھٹائی سے پرہیز رہے۔

دوائیں لکھ کر انہوں نے جانا چاہا۔ میں نے صالح آفندی سے کہا محبوبہ کو بھی دیکھ لیں کہا اچھا تیار کرو۔ میں نے جا کر دیکھا پھر رو رہی ہے میں نے کہا حکیم آ رہے ہیں۔ بولی چچا جان۔ مجھ کو رسوا نہ کرو۔ میں کچھ بیمار نہیں ہوں۔ میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر کیوں تین روز سے تو نے روزہ رکھ چھوڑا ہے۔ تیرے حلق سے ایک دانہ بھی نہیں اترا۔ کہا چچا جان تمہاری دہائی ہے۔ مجھ کو میرے آقا پر قربان کر دو اور حکیم کو میرے پاس نہ لاؤ۔ میں نے ہر چند اصرار کیا اس نے کہا میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گی۔ میں نے کہا صالح آفندی تنہا آ جائیں؟ راضی ہو گئی میں نے آکر جواب دیا صالح آفندی رہ جائیں۔ باقی چلے گئے۔ شیخ یوسف السید دروازہ سے لوٹے صالح آفندی کو کمرہ میں لے گئے مجھ کو بھی آواز دی۔ میں گیا شیخ یوسف نے صالح آفندی سے کہا ابراہیم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ صالح نے کہا۔ چالیس برس مجھ کو طبابت کرتے ہو گئے ایسا مرض نہ دیکھا نہ سنا اور قدیم و جدید کتابوں سے رجوع کیا ایسی کوئی بیماری نہ ملی۔ شیخ یوسف نے کہا۔ میں

خواہر جان تو جو کچھ کہتی ہے میں جانتی ہوں کہ مہربانی اور دلسوزی کی وجہ سے ہے۔ میں اس ملک میں ایک معتمد دوست اگر اس وقت سے رکھتی ہوں وہ تو ہے مگر اس کام میں میں بے اختیار ہو گئی ہوں۔ اور عنان اختیار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دوں اور اس سر کو خاک میں ملا دوں خلاصی کا علاج مفقود ہے بی بی میرے حال سے واقف ہو گئی ہیں اس کے بعد میں شرم سے بھی سر نہیں اٹھا سکتی ہوں۔ آہ۔ آہ۔ میں کیسے مصیبت کے جنگل میں پھنس گئی۔ خدایا مجھے بچا۔ پیاری رفیقہ کوئی تدبیر ایسی کر کہ میں جا کر اپنے ولی نعمت کو دیکھ لوں۔" کاش تجھ سے کوئی ایسی تدبیر بن پڑے جس سے ایک دن میرے رنج کا خاتمہ ہو جائے۔ میرے علاج میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ اس راہ میں میری ہمراہی کرنی چاہئے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بی بی گھر میں موجود نہ ہوں۔

حاجی مسعود نے کہا۔ آقا میرزا یوسف بڑی مشکل آ پڑی ہے میرا دل پریشان ہو گیا ہے۔ ممکن ہے کہ حاجیہ خانم کہیں چلی جائیں تا کہ میں محبوبہ کو آقا کے پاس لے جاؤں۔ اُسے اپنا ہوش نہیں ہے۔ مجھے رقت طاری ہو گئی اور میرا دل لڑکی کے حال پر جلنے لگا۔

میں نے کہا دو تین روز صبر کرنا چاہئے بلکہ کل میں حکیم صالح آفندی سے کہوں گا کہ وہ کہیں "بہتر یہ ہے کہ محبوبہ ابراہیم بیگ کے پاس رہے اور اس کی تیمارداری کرے" ابھی حاجیہ خانم سے کچھ نہ کہنا۔ میں ابراہیم بیگ کے پاس گیا۔ سو رہا تھا۔ حاجیہ خانم اس کے پاؤں دبا رہی تھیں تھوڑی دیر بیٹھ کر میں نے حاجیہ خانم سے عرض کیا۔ اگر آدھ گھنٹہ کی اجازت ہو تو میں حمام میں ہو آؤں۔ اجازت دے دی میں جا کر لوٹ آیا۔ چند دوست آ گئے اور خواہش کی کہ حاجیہ خانم باہر چلی جائیں تو ابراہیم بیگ سے ملیں۔ ہم ابراہیم کے پاس گئے۔ جال میں پھنسے ہوئے ہرن کی طرح پڑا تھا۔ اس کی حسرت آمیز نگاہ دل میں آگ بھر تی تھی۔ مہدی بیگ شاعر نے کہا۔ ؎
وصل ہو چکا۔ ہجر رہ گیا۔ افسوس کہ باغ عشق میں کانٹا بڑھاپے کو پہنچا اور گل جوانی ہی میں مرجھا گیا سوالات کئے۔ جواب نہ ملا۔ مہدی بیگ نے کہا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھ سے اس جوان کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ خدا حافظ۔ اور اُٹھ کر چلا گیا۔

وہ رات کاٹی۔ دن نکلا۔ دس بجے تھے کہ صالح آفندی کا آدمی رقعہ لایا۔ لکھا تھا کہ دو بجے مسیو وولف انگریزی شفاخانہ کا سول سرجن مسیو ہارن اسرائیلی اور شیخ یوسف السید سے میں نے وعدہ لے لیا ہے ہم آئیں گے۔ مقررہ وقت پر دو گاڑیاں مکان میں داخل ہوئیں۔ چاء پینے کے بعد انہوں نے کہا چلو ابراہیم بیگ کے پاس چلیں۔ حاجیہ خانم نے سر پر چادر اوڑھ لی طبیب آئے پہلے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے مختصر حالات سفر بیان کئے۔ خود اُس نے حالت پوچھی۔ جواب نہ ملا۔

کے وقت سب چلی گئیں مگر اس کی خاص سہیلی رفیقہ جو دوست صادق اور محبہ محبوبہ تھی رہ گئی۔
سکینہ بھی نماز کے لئے چلی گئی۔ حاجی مسعود نے مجھ کو آواز دی۔ میں نے جا کر دیکھا کہ کمرہ کے دروازہ کے سوراخ میں کان لگائے ہوئے ہے۔ اشارہ کیا آؤ اور ان کی بات چیت سنو۔ میں جا کر کواڑوں کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ کان لگا کر سُنا۔ رفیقہ کہہ رہی ہے۔
محبوبہ ایک ہفتہ قبل میں تیرے درد کو تاڑ گئی تھی۔ تو نے مجھ سے چھپایا۔ آج کی رات گھر گھر تیری عشق بازی کا چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ راز پوشیدہ نہیں رہے گا تو نے انکار کیا۔

مصرعہ

وہ راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس سے محفلیں آراستہ کی جائیں ۔

جب کہ تو ہم سب خاص و عام کی محبوبہ اور محبوب القلوب ہے پھر کیوں اپنے آپ کو اپنے اور بیگانے کے سامنے محجوب کرتی ہے میں پھر تجھ سے کہتی ہوں کہ صبر کر اور خود داری کو کام میں لا تا کہ عزت اور احترام کے ساتھ اپنے مقصد کو پہنچے۔ لڑکیوں کے لئے عشق بازی عیب ہے۔ اس جمال و کمال کے ہوتے اپنی پیشانی پر بیوفائی کا داغ کیوں لگاتی ہے۔ تو تربیت میں شہرۂ آفاق ہوئی ہے۔ شاعرہ اور ادیبہ ہے ہم سے ہزار گنا پڑھی ہوئی ہے اس کام کی برائی مجھ سے بہتر جانتی ہے کہ اس کا نتیجہ بُرا ہے۔ عزیز۔ مہربان بہن۔ ایسا نہ کر کہ آخر میں پشیمان ہو۔ محبوبہ علاوہ اس کے کہ صاحب حسن و جمال و اخلاق میمونہ مستحسنہ تھی ایک آواز خداداد بھی رکھتی تھی۔ رمضان المبارک میں عرب کی عورتیں کلام مجید کی تلاوت کرتی ہیں۔ جس وقت محبوبہ سورۂ یوسفؑ کو دلکش لہجہ میں تلاوت کرتی تھی سب بے اختیار رونے لگتے تھے جس وقت یہ آیت شریف ”جب زلیخا نے اُن کے طعنے سُنے تو اُن کے پاس قاصد بھیجا اور ایک مجلس آراستہ کر کے ہر ایک کے ہاتھ میں چھُری دے دی اور یوسفؑ سے کہا سامنے سے نکل جب انہوں نے اس کو دیکھا تو بہت حسین پایا اور ہاتھ کاٹ لئے“ پڑھتی تھی۔ سننے والے ایسے مبہوت رہ جاتے تھے کہ اگر اُن کے ہاتھ میں چھری دے دی جاتی تھی تو ہاتھ اور ترنج میں تمیز نہ کر سکتے۔ مصر میں محبوبہ خانم عجمی کی قرأت خاص و عام میں مشہور تھی طبیعت بھی موزون رکھتی تھی۔ کبھی کبھی مرثیہ اور فارسی عربی اشعار بھی کہہ لیتی تھی آج میں نے دیکھا کہ تکیہ پر جھکی ہوئی اپنے گیسوؤں کو قسمت کی طرح پریشان کئے اس حالت میں کہ اس کی گفتگو سے سنگ خارا کا دل بھی آب ہو جاتا رفیقہ سے کہہ رہی تھی۔
خواہر جان۔ اگر عنان اختیار کو اپنے ہاتھ میں روک سکتی تو ہرگز کل کی سی رسوائی نہ ہوتی اور بدنامی کا داغ اپنی پیشانی پر نہ لگاتی میرا درد ہی کافی ہے۔ زیادہ تکلیف مت دے۔ اور یہ اشعار مربعہ پڑھتی تھی اور روتی تھی۔ (اشعار حذف کر دئے گئے ہیں)

میں نے اسکے بیمار ہو جانے کے بعد سیاحت نامہ میں پڑھا اور سمجھا۔ اُن میں سے ایک یہ کہ وزیر جنگ کے گھر میں اُس پر خوب مار پڑی اس کی مجھ کو خبر بھی نہ تھی۔

ایک دن شہدی کرمانی کے ساتھ پریشان حال مکان کو آیا اور تین دن بستر پر بیمار پڑا رہا اور مجھ سے پوشیدہ رکھا۔ مجھے استنبول میں معلوم ہوا کہ اُس پر کیا مصیبت نازل ہوئی تھی۔ وزرا کے مکانوں میں گیا تھا۔ کچھ باتیں کیں۔ گالیاں کھائیں اور مار پڑی۔ لاکھ لاکھ شکر کہ انہوں نے جان سے نہ مار ڈالا اور زندہ لوٹ آیا۔ چند روز بعد گیا اور نصف شب کو آیا ہشاش بشاش خوش خوش گویا دنیا بخشش میں مل گئی میں بھی اُس کی خوشی سے مسرور ہوا اور خدا کا شکر بجا لایا کہ سفر میں ایک دن تو خوش و خرم ہوا میں نے مسرت کی وجہ پوچھی۔ جواب دیا کہ یوسف عمو یہ نہ سمجھو کہ ایران میں تجربہ کار۔ عالم باعزت اور وطن پرست ہیں کہ جنہوں نے قانون دانی اور کارگزاری کے مدارج عالیہ پر ترقی نہیں کی۔

یورپ کے استادوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ آج رات مجھے امید کے اسباب نظر آئے جو آیندہ ایران کی خوش نصیبی کا باعث ہوں گے۔ عنقریب بڑی ترقی کرے گا۔ واہ واہ وجود محترم محترم ہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ قانون تیار اور موجود ہے مگر کیسا قانون۔ عمدہ اور مقدس۔ انشاء اللہ ہم عنقریب مصر میں سنیں گے کہ ایران میں چار پانچ ہزار کتب مختلف علوم و فنون کے کھل گئے۔ دس برس بعد ان آدم ساز کارخانوں سے ہزاروں ہوشیار اور غیرتمند عالم باہر آئیں گے۔ میں نے کہا انشاء اللہ۔ لوگوں نے پوچھا کس طرح خود بخود وزیر دل تک راہ مل گئی؟ اور ان کو تھوڑی سی مدت میں کیسے پہچان لیا اور کن لوگوں کے توسط اور رہنمائی سے اُن تک باریابی ہوئی؟ میں نے کہا اس راہ کے رہنما اور ہادی کو مجمع عام میں بیان کرنا چاہئے۔ اُس نے کہا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص حاجی خاں شخص اوّل ایران کہ آپ سب اس کو جانتے ہیں اور سیاحت نامہ میں اس کی تعریف اس نے لکھی ہے جو تم پڑھو گے اُس کو ہر جگہ لے گیا۔

الغرض گفتگو کے بعد متفرق ہو گئے۔ میں بھی بیمار کے پاس نیچے آیا۔ حاجیہ خانم بیٹھی ہوئی تھیں سر ہاتھ پر رکھا تھا اور ابر بہار کی طرح آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے پوچھا کچھ کھایا؟ کہا نہیں کھاتا ہے۔ ایک پیالہ دودھ لایا اور اس میں دو چمچے شربت ملا کر میں پاس لے گیا اور کہا۔ جان عم۔ بحق خدا و بسلامتی وجود محترم پی لو۔ میں ہنسا اور ابراہیم کی مظلوم و مخمور آنکھوں سے چند آنسوؤں کے قطرے دامن میں گرے۔ میں نے دودھ اُس کے لبوں سے ملا دیا۔ پی گیا اور ایک کلمہ "یا حق یا مدد" کہا۔

میں نے سکینہ کو بلا کر محبوبہ کا حال پوچھا۔ کہا ہاں لڑکیاں موجود ہیں وہ برابر روئے جاتی ہے۔ ہر چند تسلی آمیز باتیں کہیں مگر چپ نہیں ہوتی۔ حیرت سے تکتی ہے۔ جواب نہیں دیتی۔ شام

کوئی امر مانع نہیں ہے۔ انشاءاللہ عنقریب صحت پاکر اپنے مقصد کو پہنچے گا۔ حاجیہ خانم جانتی ہیں کہ تو اُن سے شرماتی ہے لہٰذا مجھ کو بھیجا ہے یہ بات میں اُن کی زبانی کہتا ہوں۔

محبوبہ نے زار رونا شروع کیا اور کہا چچا جان میں زندہ نہ بچوں گی۔ ان باتوں سے میرا دل نہ کھاؤ۔ جو آپ سمجھے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ وہ میرا آقا مالک اور ولی نعمت ہے۔ میں اس حالت میں اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ میں دیوانی ہو گئی ہوں۔ مجھ سے عقل و ہوش کی امید مت رکھو میں بے اختیار ہو گئی ہوں اُس روز سے جب کہ آپ کا تار استنبول سے آیا میری آنکھوں میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی ہے۔ میں کس طرح بی بی کو منہ دکھاؤں ؟ (بی بی حاجیہ خانم کو کہتی ہے) میں نے کہا۔ محبوبہ! سکینہ ابراہیم بیگ کی بہن ہے۔ بہن اور بھائی کی محبت یقیناً سب سے زیادہ ہوتی ہے وہ بھی رنج سے سوزان و گریان ہے مگر حیا اور حجاب میں۔ ہر چند میں نے اس قسم کی باتیں کیں مگر رونے کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

؎ مت گمان کر کہ بیدل نصیحت قبول کرے گا۔ مجھ میں سننے کی تاب نہیں ہے تو کس سے کہتا ہے۔

میں سمجھ گیا کہ محبوبہ نے اس شعر کے مضمون پر عمل کیا۔ اٹھ کر چلا آیا۔ اس ماجرے کو جیسے کہ واقع ہوا تھا حاجیہ خانم سے کہا میں نے کہا کہ یہ درد اُس درد سے بدتر ہے۔ اس لڑکی کی حالت اُسکے بیٹے کے مرض سے زیادہ مؤثر ہوئی۔ اس لئے کہ یہ خاندان عصمت مجسم ہے۔ ان باتوں سے موت سے بھی زیادہ متاثر اور متغیر ہوتے ہیں۔ میں نے کہا بیگم تم اطمینان رکھو۔ تمہارے اور تمہارے خاندان کے لئے عیب نہیں ہے اس؛ جیسے کہ تمام اہل مصر چھوٹے اور بڑے جانتے ہیں کہ یہ دونوں نامزد ہیں۔ کاش تمام نامزد اسی طرح عشق و محبت کیا کرتے۔ جواب دیا کیا کیا جائے سکینہ کو محبوبہ کے پاس بھیج دو اور پڑوس کی لڑکیوں کو بھی خبر کر دو کہ آجائیں اور اس کو تنہا نہ چھوڑیں مشغول رکھیں۔ حاجی مسعود اوپر چلا گیا تا کہ سکینہ کو اور لڑکیوں کو خبر کرے۔ ایک دم محبوبہ کے رونے کی آواز آئی بیچاری حاجیہ خانم نے بھی سُنی۔ میں ڈر کے پیچھے گیا۔ دیکھا کہ مناجات کر رہی ہے۔ کہہ رہی ہے دیا الٰہی! میں زندگی سے سیر ہو گئی۔ ان سرزنشوں کی تاب نہیں لاسکتی۔ اپنی بی بی کو کس طرح منہ دکھاؤں۔ مجھ کو ناز و نعمت سے آج کے دن کے لئے پالا تھا۔

؎ میری قسمت کے باغ میں غم کے کانٹے کے سوا نہ اگا۔ وہ بھی میرے ٹکڑے ٹکڑے دل میں چبھ گیا۔

حاجیہ خانم نے کہا۔ ہم عجیب مصیبت میں گرفتار رہتے ہیں۔ الٰہی کیا کروں۔ اگر ایک مصیبت ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ خود آواز دی۔ سکینہ! بیٹی آ۔ وہ آگئی۔ کہا۔ محبوبہ سے الگ مت ہو۔ اُس کو تنہا نہ چھوڑ۔ اور خود ابراہیم بیگ کے پاس چلی گئی۔ میں نے بھی کپڑوں کا صندوق اور اسباب سفر کھولا کپڑے بدلے۔ دوست اور احباب میں سے جو لوگ کل نہیں آئے تھے آج آئے۔ میرزا عباس اور حاجی حسن آقا بھی تشریف لائے۔ کچھ باتیں کیں۔ ہم نے دیکھا کہ آقا تبریزی بھی آ گئے اٹھ کر مصافحہ اور معانقہ کیا۔ وہ بیٹھ گئے اور

پکڑ کر کہا چھوٹی بیگم۔ لو پی لو۔ اُس نے منہ لیا۔ حکیم نے ایکدم تمام پانی کا پیالہ محبوبہ کے منہ پہ لوٹ دیا۔ حکیم ہنسنے لگا اور محبوبہ رونے لگی۔ ہم بھی مات و مبہوت دیکھ رہے تھے۔

حکیم نے باہر آکر کہا۔ یہ مرض مہلک نہیں ہے۔ پرسوں تک بھوکا رکھو۔ اور اس کیلئے پینے کی دوا لکھی اور چلا گیا۔ تقریباً چالیس پچاس مرد عورت خانہ میزبان کے مہمان تھے۔ اگرچہ اکثر اُن میں سے عزیز تھے مگر ہر شخص کھویا ہوا اور اہل خانہ کی مصیبت میں پریشان تھا۔ میں نے کہا حاجی مسعود حاجیہ خانم کو تو ہوش نہیں ہے تم باورچی خانہ میں جاؤ اور دیکھو کہ کیا ہے؟ چائے تیار کریں۔ اُسنے کہا کہ میں نے پوچھ لیا سب چیز موجود ہے۔ اور اگر سو آدمی بھی ہوں تو کافی ہے۔

میں حاجیہ خانم سے اجازت لیکر مہمانوں کے پاس دیر گیا اور بڑی معذرت کے بعد بیٹھ گیا مگر کیسے مہمان! سب رنج کے غم میں غوطہ لگائے ہوئے تھے اور فکر کی جیب میں سر ڈالے ہوئے۔ مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا۔ وقت بہت ہے آپ سُن ہی لیں گے۔ پھر دسترخوان پر بیٹھے۔ کھانا کھایا گیا۔ شام کے بعد ہر شخص رخصت ہو کر چلا گیا۔

تین گھڑی رات گئے ہم نے کسی قدر آرام کیا۔ دوسرے روز حاجیہ خانم نے مجھ سے کہا میرزا یوسف۔ تم محبوبہ کے پاس جاؤ وہ مجھ سے تو شرماتی ہے۔ کچھ سمجھاؤ کہ ہمیں رسوا نہ کرے۔ لوگ گمان کریں گے کہ ان میں کچھ تعلق رہا ہے۔

میں نے کہا حاجیہ خانم۔ تم ڈرو نہیں۔ دونوں کی معصومیت اور پاکبازی اظہر من الشمس ہے سب جانتے ہیں۔ الغرض تخلیہ کر کے میں محبوبہ کے پاس گیا۔ ابھی ہماری آمد کو ۲ گھنٹہ ہی ہوئے تھے کہ محبوبہ نیم جان ہو گئی۔ رنگ اُڑ گیا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی۔ حال خراب۔ دل پیچ و تاب میں۔ بدن اضطراب میں۔ نہ کھانا۔ نہ سونا۔ میں داخل ہوا۔ اُس نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔

میں نے پوچھا تو نے چائے پی؟ جواب دیا نہیں۔

میں نے کہا لاؤں؟ اُس نے رونا شروع کیا۔

میں نے پوچھا۔ چھوٹی بیگم۔ کیا بات ہے؟ تمہارا یہ حال کیوں ہو گیا۔ جواب ندارد۔

میں نے کہا کل تم نے ایسا کام نہ کیا کہ تمہاری حالت پوشیدہ رہتی اور کوئی تمہارے درد کو نہ سمجھتا۔ تم نے برا کیا جو تمہارے اور اس بزرگ خاندان کے لائق نہ تھا۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ اس وقت تک کسی نے تیرے بال کو بھی نہیں دیکھا تھا اور تو نے خویش و بیگانہ کے سامنے اپنے آپکو بے پردہ کر دیا۔ سب تاڑ گئے کہ عشق کی شدت نے تجھ کو اس بے حجابی پر آمادہ کیا۔ اپنے حواس ٹھیک کر۔ اُٹھ اور اپنے کام میں مصروف ہو۔ ابراہیم بیگ کو اگر تیری حالت معلوم ہو جائے گی تو ناراض بلکہ دلگیر اور رنجیدہ ہوگا۔ تمہارے خیال میں سوائے ابراہیم بیگ کی بیماری کے

حکیم نے ابراہیم بیگ کو ایک نظر سے دیکھا اور لوٹ کر مجھ کو دیکھا۔ بے اختیار اپنے کندھے اوپر کر کے اشارہ اور کنایہ میں پوچھا کہ یہ کیا حال ہے؟ آگے بڑھا اور سلام کر کے مزاج پرسی کی۔ جواب ندارد۔ نبض دیکھی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تھرما میٹر لگا کر دیکھا حد اعتدال میں (نارمل) پایا۔ سینہ اور پیٹھ کو ٹھونک کر دیکھا اور کان لگایا۔ سب چیزوں کو اپنی جگہ سالم دیکھا۔ سبحان اللہ! چالیس سال سے میں پریکٹس کر رہا ہوں ایسا مرض اور مریض میں نے نہیں دیکھا۔

مجھ سے ابتدائی کیفیت پوچھی میں نے کہا۔ ایران میں بیمار نہیں ہوا تھا۔ اسلامبول کے ماجرے کو ابتدا سے انتہا تک بیان کیا۔ بڑا غور کرنے کے بعد وہیں آیا اور مریض کے سرہانے بیٹھ گیا پوچھا۔ ابراہیم بیگ مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں حکیم صالح ہوں کہ ہمیشہ تمہارا علاج کرتا رہا ہوں اب بھی انشاء اللہ تین چار روز کے بعد تندرست ہو جاؤ گے اور اپنی مراد پاؤ گے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں۔

مشکلے نیست کہ آسان نشود

یہاں ابراہیم بیگ نے آہ بھر کر یا حق یا مدد کہا۔ بیچاری حاجیہ خانم ایک گھنٹہ سے کھڑی تھی اور بغیر بولے چالے برابر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حکیم نے کہا حاجیہ خانم رونے سے کچھ نتیجہ نہیں۔ تمہارے لڑکے کو موت کا اندیشہ نہیں ہے مگر عجیب قسم کا درد ہے کہ اگر اس قدر لاغر و نزار نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ جھوٹ کہتے ہیں کچھ مرض نہیں ہے۔ چونکہ کل آدینہ ہے۔ طبیب جمع نہیں ہو سکتے پرسوں تین چار طبیب جنکی حذاقت پر مجھ کو بھروسہ ہے میں لاؤں گا۔ اور پھر دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہئے۔؟

اُس نے غذا کے متعلق پوچھا میں نے کہا کہ سوائے دودھ کے کچھ نہیں کھایا۔ اُس نے کچھ لکھا اور کہا کہ دودھ میں دو چمچے ملا کر کھلانا۔ چار پلی اور جانا چاہا۔ میں نے کہا کہ ابھی کہاں؟ ایک نیا بیمار اور بھی ہے اس کو بھی دیکھ لیجئے۔ میں نے محبوبہ کی حالت بیان کی۔ حاجیہ خانم نے کہا میں نہیں آتی ہوں مجھ سے شرماتی ہے۔ ہمسایہ عورتیں جمع ہیں اُن سے کہہ دو کہ باہر آ جائیں۔ میں نے حاجی محمد سے کہا کہ اطلاع کر دیں عورتیں باہر آ جائیں سب باہر آ گئیں۔ ہم اندر چلے گئے محبوبہ کو دیکھا۔ کیسی محبوبہ ایک جسد بے روح پڑا ہوا تھا۔ حکیم نے ادھر ادھر ہلا کر دیکھا مطلق حس و حرکت نہ تھی۔ ایک سوئی نکالی اور محبوبہ کے دونوں شانوں کے بیچ میں چبھوئی اُف کر کے فوراً کانپنے لگی۔ دو تین بار شل بید کے لرزی اور آنکھیں کھول دیں۔ حکیم نے ہنس کر کہا اجی چھوٹی بیگم۔ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ کہاں درد ہوتا ہے؟ محبوبہ نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر ہائے ہائے کہہ کر رونا شروع کیا۔ حکیم نے کہا بسم اللہ۔ ابراہیم بیگ۔ آئیے۔ تشریف رکھئے۔ محبوبہ نے فوراً چہرہ پر سے ہاتھ اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ الغرض یہاں طبابت نہیں کر رہا تھا بلکہ تدبیر اور حکمت عملی سے کام لے رہا تھا کہا پانی لاؤ۔ پانی لائے۔ حکیم نے اپنے ہاتھ سے

ابراہیم بیگ کو گاڑی سے باہر لائے پھر میرزا عباس اور مختار بیگ مغربی ابراہیم کو ہاتھوں پہ اٹھا کر صحن میں داخل ہوئے۔

محبوبہ نے کمرہ سے جو یہ حالت دیکھی بے اختیار بغیر چادر اوڑھنی کے صحن میں آگئی بال بکھیر کر یا حبیبی یا مولائی کہہ کر چیخیں مارنے لگی اور اس مجمع کے درمیان ابراہیم بیگ کے قدموں میں آگری۔ بعضوں نے منہ پھیر لیا بعض جگہ ہی میں کو لوٹ گئے۔ ہرچند حاجیہ خانم اور میں نے فریاد کی کہ لڑکی بس کر۔ لوٹ جا شرم کر۔ مگر بازار عشق میں شرم کا کیا کام اور حجاب کی کیا طاقت ہے کہ جنون کو جوش سے باز رکھ سکے۔

چنانچہ دونوں ہاتھوں سے ابراہیم کی پنڈلیوں سے چمٹ گئی۔ اور بڑی دلسوزی سے کہتی تھی۔ یا حبیبی۔ یا قوت قلبی۔ اور سُرخ آنسوؤں سے صحن کی زمین کو سُرخ کر رہی تھی۔ برابر رٹ لگائے جا رہی تھی آقا جان! تیرا کس نے یہ حال کر دیا؟ تو میرا آقا ہے؟ میرا آقا تو ایسا نہ تھا۔ گلی و باغیچہ میں جو شخص اس لڑکی کی آواز سنتا تھا سر پیٹتا اور روئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

تمام ہمسایہ عورتیں جمع ہوگئیں۔ ہرچند کوشش کی محبوبہ کو اس کے حبیب سے جُدا کریں مگر نہ کر سکیں بالآخر مجھے غصہ آگیا اور میں نے بڑے غصہ اور تیزی سے کہا چھوٹی بیگم عیب کی بات ہے۔ لوگ کھڑے ہیں۔ اور ابراہیم بیگ میں تم دیکھ رہی ہو کہ طاقت نہیں ہے اس زحمت کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ ابراہیم بیگ نے گردن مظلومانہ ٹیڑھی کی گویا اس وسیلہ کا منتظر تھا۔ آخر کار حاجیہ خانم نے کہا محبوبہ میرا بچہ مریض اور بے طاقت ہے۔ کیا تو اسے مار ڈالنا چاہتی ہے۔

اُسے چھوڑ۔ تو بڑی بے حیا ہے؟ آخر کار حکم دیا اور لوگوں نے اُس کے سر پر لا کر چادر ڈال دی پانچ چھ آدمیوں نے زبردستی محبوبہ کے ہاتھوں کو ابراہیم بیگ کے پاؤں سے جدا کیا اور ہم اندر مکان میں گئے۔ یہاں مشکل دوگنی ہوگئی۔ ایک کو اندر لے آئے اور دوسرے کو باہر لائے۔ عورتیں وہاں جمع ہوگئیں اور مرد یہاں۔ لطف یہ تھا کہ آج تک کسی نے محبوبہ کے تفکرات کو نہ پہچانا تھا اور نہ جانا تھا کہ یہ بیچاری اس طرح اپنے آپ کو کھوئے ہوئے ہے۔ حاجیہ خانم کے سامنے بولنے کی طاقت نہ رکھتی تھی آج اس طرح جرأت کے ساتھ قدم بڑھایا۔ کبھی تو ہوش میں آکر اپنے کئے پر پشیمان ہوتی ہے کبھی گریہ وزاری سے اپنے آپ کو فراموش کر دیتی ہے۔ فوراً ہم نے حکم دیا اور ہمارا ذاتی طبیب آگیا اُس نے آتے ہی کہا کہ یہ سب مجمع بیمار کے پاس اچھا نہیں ہے۔ دوسرے کمرے میں چلے جائیں مہمانوں کو ہم ہال میں لے گئے حکیم ابراہیم بیگ کے پاس گیا۔ اُس کے اعضاء اور عناصر کی کیفیت اور صحت و قوت کے ہر باب سے واقف تھا اور برسوں سے اُس کے سینہ میں یہ باتیں منقش تھیں۔ اور بچپن سے اس حکیم کی دست حذاقت کا تربیت شدہ تھا اور حکیم اس کے مزاج کو کما حقہ جانتا تھا آپ دیکھیں اس کا لطیف جسم غم سے اسقدر رفرسودہ ہوگیا تھا کہ اگر سانس بھی لیتا تو وہ بھی ٹھیک نہ تھا۔

الغرض ابراہیم بیگ کو میزبان کے کمرے سے گود میں اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا۔ اور گودی پہنچے بڑی مشقت سے کشتی میں داخل ہوئے۔ دو گھنٹہ بعد جہاز روانہ ہوا۔ تیسرے دن اسکندریہ میں وارد ہوا۔ میرزا عباس اور چند دوست ساکن اسکندریہ جہاز میں آئے۔ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر مصافحہ و معانقہ کیا۔ ابراہیم بیگ کی بابت پوچھا۔ میں نے حاجی مسعود سے کہا۔ حاجیہ خانم کو اطلاع کردے باہر آئیں۔ حاجیہ خانم باہر آئیں۔ سب نے تعظیم کر کے سلام کیا۔ ہم سب ابراہیم بیگ کے کمرہ میں گئے۔ کون ابراہیم بیگ؟ قد خمیدہ۔ رنگ پریدہ۔ بدن میں خون کا نام نہیں رہا تھا۔ کھال ہڈیوں سے چپک گئی تھی۔ نہاں روتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس کو سینہ سے لگایا۔ اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ ابراہیم بیگ سوائے اس کے کہ نگاہ حسرت آمیز سے دیکھتا رہے مطلق پہچاننے کی علامت ظاہر نہ کر سکا۔ سب نے متحیر ہو کر تعجب کیا اور احوال پوچھا۔ میں نے کہا۔ ابھی بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ ایک مہینہ پورا چاہیے کہ اپنا قصہ آپ سے بیان کروں۔ میں نے پوچھا۔ کہ ریل کب روانہ ہوگی۔ انہوں نے کہا دو گھنٹہ بعد۔ میں نے حاجیہ خانم سے کہا۔ کہ یہاں ایک رات ٹھہر کر آرام کروگی یا آج ہی چلیں؟ فرمایا کہ ٹھہرنے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ جتنی جلد چلے جائیں بہتر ہے۔ گھنٹہ بھر جہاز میں رہ کر سیدھے ریل میں چلے گئے۔ ابراہیم بیگ کو میرزا عباس اور حاجی مسعود دو شخص گود میں اٹھا کر ہاتھوں پر لئے اسٹیشن پہنچے۔ ٹکٹ لیکر ریل میں بیٹھ گئے۔ حاجی محسن آقا اور میرزا عباس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ غروب آفتاب میں ڈیڑھ گھنٹہ رہا تھا کہ ہم مصر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ ایک گروہ کثیر ابراہیم بیگ کے استقبال کیلئے وہاں جمع ہو گیا تھا جب ایرانی تمام موجود تھے۔ گاڑی ٹھیری۔ استقبال کرنے والوں نے بہت دور سے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ سلام کرتے ہوتے پوچھا کہ ابراہیم بیگ کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا موجود ہے۔ ہمسفر گاڑی سے باہر آئے۔ ابراہیم بیگ کو ایک طرف سے میرزا عباس اور دوسری طرف سے لیڈر و ڈاکٹر محمد بیگ عرب پکڑ کر باہر لائے۔ ابراہیم بیگ کو دیکھتے ہی تمام استقبالی رونے لگے مطلق نہ پہچانا جاتا تھا اور عرب جو کھڑے تھے اور ابراہیم بیگ کے ساتھ ملاقات رکھتے تھے جونہی کہ اُس کے خمیدہ قد و قامت اور متغیر چہرہ کو دیکھا ایک بے اختیار ہو کر کہتا تھا یہ کیا ہے؟ دوسرا تعجب سے گن گناتا تھا کہ یہ ابراہیم بیگ ہے اور تیسرا بڑی یاس کے ساتھ کہتا تھا نہیں۔ خدا کی قسم۔ وہ تو ہرگز ایسا نہ تھا!

اسٹیشن پر قیامت برپا ہو گئی۔ کوئی بغل میں لیتا تھا کوئی ہاتھ پکڑتا کوئی چہرہ کو بوسہ دیتا تھا مریض بے چارہ بے حس و حرکت مانند قالب بے روح بلکہ روح بے قالب اِدھر اُدھر حسرت آمیز نگاہیں ڈالتا تھا۔ آدھ گھنٹہ تک جماعت کثیر پروانہ وار ابراہیم بیگ کے گرد گھومتے رہے اُن کی مُلّم موجود تھی۔ جلال آفندی نے بھی اپنی گاڑی بھیج دی تھی۔ ابراہیم بیگ کو پکڑ کر گاڑی میں ڈالا اور تمام لوگ دو دو تین تین کر کے گاڑیوں میں سوار ہو کر دروازہ کے سامنے تک پہنچے۔ دو بکرے قربانی کیلئے موجود تھے ذبح کئے گئے۔

رنجش نہیں ہوئی۔ اور نہایت محبت اور مہربانی درمیان میں قائم ہے۔ میں تجھ سے سوال کرونگی سچ بتانا
محبوبہ کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ اور سمجھ گئی۔ کہ اس کا رازدل فاش ہو گیا۔ کہا۔ میری سہیلی تم کیا کہتی
ہو؟ کہا۔ میں تجھ میں وہ علامتیں دیکھتی ہوں۔ کہ اگر میرا گمان صحیح ہے۔ تو ان میں تیری بہبودی نہیں ہے
تو پہلے پھول کی مانند شگفتہ اور خنداں تھی۔ اور اب بلبل نالاں کی مثل ہے۔ تیری حالت دگرگوں ہے۔
ہم تیری خاطر یہاں جمع ہوتے ہیں۔ کہ تنہائی ناگوار نہ گذرے اور تکلیف نہ ہو۔ تو نے سب کو پریشان کر دیا
ہے۔ کیا سبب ہے؟ تیرے دل میں کیا ہے؟ اپنا راز مجھ سے پوشیدہ مت رکھ۔ تیرے راز کو جان
کی طرح سے اپنے دل میں پنہاں رکھوں گی۔ اور کسی پر فاش نہ کروں گی۔ محبوبہ نے بے اختیار آہ آتشبار
دل سے نکالی اور کہا ؎

میں کسی سے یہ قصہ نہ کہوں گی۔ خود جگر خوں ہو گیا ہے
تو بھی مجھ سے مت پوچھ جب تک نہ کہوں کہ کس طرح ہے

سہیلی نے کہا۔ اگر تو نہیں بتاتی ہے۔ تو میں بتاتی ہوں۔ تیرے خیالات اور تفکرات ابراہیم بیگ
کے پاس ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ ہر وقت ابراہیم بیگ کا نام درمیان میں آتا ہے۔ ع

تیرے چہرے کا رنگ دلی حالت کا پتہ دیتا ہے۔

کیا تو دیوانی ہو گئی ہے۔ تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ ابراہیم بیگ تیرے لئے ہے۔ اور تو اس کے
لئے۔ جلدی یا دیر میں تیرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ عجلت کس لئے؟ نہ کوئی ابراہیم بیگ کی زوجیت
کا خیال رکھتا ہے۔ نہ وہ کسی دوسری کو اپنے لئے قبول کرتا ہے۔ پس اس صورت میں اپنے حواس کھو
دینا کیا معنی؟ تیری حالت سے یقیناً یہ راز فاش ہو جائیگا۔ اور یہ ننگ و عار قیامت تک تیرے لئے
رہ جائیگا۔ افسوس ہے اگر پھول اس بدنامی کے ساتھ شگفتہ ہو کہ اس بدنامی کا زخم برسوں تک کسی
نیکنامی کے مرہم سے اچھا نہ ہو سکے۔ یہ مالیخولیا اور فاسد خیالات اپنے دماغ سے نکال دے۔ اور
یہ تصور مت کر کہ تیرا راز مخفی رہے گا ؎

عشق گلزار دل کا آب و رنگ ہے۔ ہر منزل کا ہادی و رہنما ہے
سینہ فانوس ہے اور اس کی شمع عشق ہے۔ دل صدف ہے اور عشق اس میں گوہر ہے۔

تو خود جانتی ہے۔ کہ مصر میں کس قدر سرزنش کا باعث ہے۔ کہ لوگ کہیں فلاں لڑکی نے عشق
کیا۔ افسوس ہے کہ اس حسن و ملاحت اور عقل و درایت اور فہم و فراست کے ساتھ جو تجھ میں ہے۔ اور
شہرۂ شہر بلکہ مشہور آفاق ہے۔ لوگ کہیں کہ عشق بازی کی۔

سہیلی نے ہر چند اس قسم کی باتیں کہیں۔ محبوبہ سنتی رہی اور کچھ جواب نہ دیا۔ بہت اصرار کرنے
کے بعد رونے لگی۔ اور چلی گئی۔ مگر یہ راز ابراہیم کے بعد میں فاش ہوا۔

وہی رفتار بے ڈھنگی۔ پھر ہم نے تھوڑا سا دودھ دیا۔ شربت آیا تھا۔ چند تیجے پا سے۔ شام کی اذان ہوگئی گویا ابراہیم بیگ نے بعض باتوں کو سنا یا محسوس کیا۔ اس لئے کہ جس وقت اللہ اکبر کی آواز سنی۔ کہا۔ یاحق یا مدد۔ چھٹے روز پاسپورٹ حاصل کرکے خدیوی کشتی کا ٹکٹ لیا۔ مگر جو احترام اور مہربانی میزبان اور اس کی بیوی نے اپنے گھر میں ہمارے ساتھ کی وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ ابراہیم یا اس کا باپ کس قدر خوش قسمت تھے۔ کہ ایسے دوست ان کو ہاتھ لگ گئے تھے۔

سچا دوست شاذ و نادر ہاتھ آتا ہے۔ خصوصاً اس دور میں جبکہ زمانہ عجب۔ اور اس کے اہل فن مکر و حیلہ سے پریشان ہیں۔ صداقت کم۔ شقاوت بہت۔ امانت معدوم۔ خیانت موجود۔ کسی حکیم سے لوگوں نے پوچھا۔ یار بہتر ہے یا برادر۔ جواب دیا۔ برادر بہتر ہے۔ اگر یار ہو۔ بدیہی ہے۔ کہ بے غرض سچا دوست برادر سے بہتر ہے۔ یکشنبہ کو میں نے مصر کو تار دیا۔ میرزا عباس گھر میں اطلاع کر دو۔ کہ خدیوی کشتی میں ہم لوگ آرہے ہیں۔ حاجیہ خانم نے مصر سے چلتے وقت اپنے چند ہمسایوں اور ہم نشینوں سے سفارش کر دی تھی۔ کہ ان کی واپسی تک محبوبہ خانم کو تنہا نہ چھوڑیں۔ چند رشتہ دار اور ہمسائی لڑکیاں صبح سے شام تک محبوبہ کے پاس آکر اس کو مشغول رکھتی تھیں۔ مگر محبوبہ کا دل محبوب کے پاس تھا۔ اور دوسروں سے بالکل بے خبر تھی۔ ع حافظ

خود مجمع کے درمیان میں تھی۔ مگر اس کا دل کہیں اور تھا۔

مجنونانہ خیالات اس کو پریشان کرتے تھے۔ کبھی عورتوں کی عادت کے موافق فال دیکھتی تھی اور۔ ع کبھی عاشقوں کی مانند آنسو بہاتی تھی۔

جب وہ دیوانوں کی طرح عربی و فارسی اشعار پڑھتی تھی۔ اس کے جنون عشق نے چغلخوری کرنی شروع کی۔ راز افشا ہوگیا۔ لڑکیوں کو یقین ہوگیا۔ کہ محبوبہ کے دل میں آگ ہے۔ جس سے اس کی حالت دگرگوں ہوگئی ہے۔ اور خواب و خور حرام ہے۔ جو ہمیشہ اپنی ہمسنوں کے ساتھ عیش و نوش اور پیانو بجانے میں رہتی تھی۔ وہ اب لہو و لعب کی بجائے کبھی تو آہ آتشیں بھرتی ہے۔ اور آنسوؤں کے قطرے دانۂ مروارید کی مانند دامن پر برساتی ہے۔ ان لڑکیوں میں سے ایک جو سب سے زیادہ نکتہ داں اور محبوبہ کے ساتھ ہم داستاں تھی۔ اس بات کو تاڑ گئی۔ کہ محبوبہ کے دل میں سودا اور سر میں عشق بھرا ہے۔ محبوبہ کی عصمت اور پاکی طینت پر یقین رکھتی تھی۔ اور یہ بھی جانتی تھی۔ کہ محبوبہ ابراہیم بیگ کی منکوحہ ہوگی۔ عربوں میں بلکہ عجمیوں میں بھی عیب ہے۔ کہ لڑکی کی جانب سے لڑکے کے ساتھ اظہار عشق و محبت ہو۔ اس لئے اس نے پیش قدمی کرکے چاہا کہ نرمی سے محبوبہ کو نصیحت کرے۔ کہ اس معاملہ میں عجلت نہ کر۔ اور اپنے آپ کو عورتوں کی نظر میں بدنام نہ کر۔ آہستہ سے محبوبہ کا ہاتھ پکڑ کے تنہائی میں لے گئی۔ اور کہا۔ تو خود جانتی ہے۔ کہ میں مکتب میں تیری ہم سبق رہی ہوں۔ اس وقت تک باہم

ہماری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ ہمارے دل کو کباب کئے دیتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد حاجیہ خانم نے بیٹے کے سینہ پر سے سر اٹھایا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ مادر جان ابراہیم۔ میں تیری ماں آئی ہوں مجھ سے بات کر۔ میں تیرے بولنے کی مشتاق ہوں۔ اس حال میں کیوں پڑا ہے؟ تیرے کہاں درد ہوتا ہے؟ میں تیری شیریں زبان پر قربان ہو جاؤں۔ ماں پر کیوں رحم نہیں کرتا ہے۔ ہر چند ان رازونیاز میں زیادتی کی۔ مگر جواب نہ ملا۔

حاجی مسعود آگے بڑھ کر اپنے آقا کے قدموں میں گر پڑا۔ اس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ سینہ سے لگایا۔ پھر ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا۔ اور چھوڑ دیا۔ دوبارہ اس کے ہاتھ کو اٹھا کر بوسہ دیا۔ (ظاہر ہے کہ یہ دوسرا بوسہ محبوبہ خانم کی جانب سے تھا) اور آنسو گراتے ہوئے پیچھے کو ہٹ گیا۔ حاجیہ خانم نے خاموش ہونے کے بعد مجھ سے خلوت میں کہا۔ میرزا یوسف یہ لڑکا کب سے بیمار اور صاحب فراش ہو گیا اور اس حالت کو پہنچا۔ میں نے کہا۔ آٹھ روز ہوئے۔ ملا کے ساتھ سوال و جواب کی کیفیت کو شروع سے آخر تک بے کم و کاست بیان کر دیا۔

میں نے کہا۔ کہ ایران ہی میں بیمار ہو گیا تھا۔ مگر دو تین روز تک لیکن اچھی طرح گذری مشہد میں میں نے دیکھا۔ کہ یہ سفر اس کی طبیعت سے مناسبت نہیں رکھتا ہے۔ اور ہمارے لئے مبارک اور مسعود نہ ہوگا میں نے عرض کیا۔ بیگ ہماری غرض زیارت سے تھی۔ وہ کرلی۔ یہاں سے لوٹ چلیں میری درخواستوں کو سمع قبول سے نہ سنا۔ مجبوراً میں نے اطاعت کی۔ ایک دن بھی میں نے اس کے چہرہ پر ہنسی نہ دیکھی۔

پوچھا۔ بیماری کے بعد تم نے طبیب کو بلا کر علاج کیا؟ میں نے کہا۔ کہ پانچ چھ آدمی روزانہ آتے جاتے تھے۔ مگر مرض کو تشخیص نہ کر سکے۔ ہر ایک نے اپنی رائے دی۔ ایک کہتا ہے بھیتری بخار ہے دوسرا کہتا ہے مالیخولیا ہے۔ تیسرا کہتا ہے عشق اور جنون ہے۔ ہر شخص نے اپنے عقیدہ کی رو سے علاج کرنا چاہا میں کسی پر جرأت اور جسارت نہ کر سکا۔ یہ وجہ تھی۔ کہ آپ کو تار دیا تھا۔

کھانے اور پینے کے متعلق پوچھا۔ میں نے کہا۔ دو تین پیالی دودھ ایک دن اور کل زبردستی یخنی پلائی تھی۔ کہا کہ آدمی بھیجکر طبیبوں کو بلاؤ۔ تاکہ میں بھی دیکھوں۔ کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ حاجیہ خانم! میری یہ صلاح ہے۔ کہ مصر چلیں۔ وہاں میں طبیبوں کو جانتا ہوں۔ اور شاید آب و ہوا کی تبدیلی ہی موثر ہو۔ مگر مخصوص طبیب ایک گھنٹہ بعد آئے گا۔ اس اثنا میں صاحب خانہ کی بیوی اندر سے آئیں۔ اور پردہ میں سے کہا۔ حاجیہ خانم زنانہ کمرہ میں تشریف لے آئیے۔ اور یا میرزا یوسف کچھ دیر کے لئے باہر تشریف لے جائیں۔ تاکہ میں آپ کی خدمت میں آجاؤں۔ میں اٹھ کر چلا گیا۔ چند بیگمات داخل ہوئیں۔ خوش آمدید اور مہمان نوازی کے مراسم کے بعد تسلی آمیز گفتگو کی۔ حکیم آیا۔ مگر کیسا حکیم؟ بیفائدہ،

گو دیکھ لیں گی۔ ایک ہفتہ ہوا۔ ان کا مزاج اچھا نہیں ہے۔ طبیبوں نے لانے اجازت نہ دی۔ بزار دلاسے اور تسلیوں سے کسی قدر اس کو خاموش کیا۔ میں باہر آیا۔ گاڑی لیکر ان کو سوار کیا۔ اور گھر آئے۔ میزبان نے دروازہ کے سامنے تک استقبال کیا۔ مادر بیقرار نے اپنے بیٹے کو نہ دیکھا۔ تھوڑی سی گفت وشنید کے بعد میرا بیٹا کہاں ہے؟ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کہاں ہے۔ چیخ ماری۔ لوگوں نے کہا۔ تشریف لے چلئے۔ آرام کرنے کے تخت پر ہے۔ مگر اس کے قلب کو اطمینان نہ ہوا۔ ابراہیم بیگ کے کرہ میں داخل ہوئی اور اس زور سے ہائے میرا بیٹا کہہ کے چیخ ماری کہ گھر کے تمام مرد۔ عورت رونے لگے۔ پھر کہا۔ تو ابراہیم ہے؟ نہیں۔ واللہ۔ میرا بیٹا قد زیبا۔ قامت رعنا۔ رخسار گلگوں۔ اندام موزوں۔ زلفگان مشکبو اور نرگس آہو رکھتا تھا۔ میرے بیٹے! اے ابراہیم!! یہ تو ہے؟ اگر تو ہے تو ماں کو آغوش میں کیوں نہیں لیتا؟ ابراہیم تیرے گلشن رخ کو کہاں بادسموم لگ گئی؟ تیرا قد صنوبر کیوں خمیدہ ہو گیا؟ اے میرے بیٹے! اے نور عین! تیری گفتار شکر بار کہاں ہے؟ کیوں کھڑا نہیں ہوتا ہے؟ سلام کیوں نہیں کرتا ہے؟ ؎

تیرا باغ جوانی کیوں ویران ہو گیا	کس سبب سے ارغوانی رنگ پھیکا پڑ گیا
تیرا سرو ناز نہال کیوں خم کھا گیا	تیرا سرفراز بید مجنون کیوں ہو گیا
تیرے غنچہ میں رونق کیوں نہ رہی	تیرے سنبل میں پیچ کیوں نہ رہا

یہ کہے جاتی تھی اور اپنے منہ اور سر کو پیٹے جاتی تھی۔ کچھ دیر تک بیٹے کو آغوش میں لئے رہی۔ ہم سب بغلوں میں ہاتھ دئے حیران و سرگردان کھڑے تھے۔ ہمارے آنکھوں میں بے اختیار آنسو جاری تھے۔ ابراہیم بیگ نیم بسمل گھور گھور کر ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور موتیوں کی مانند آنسوؤں کے قطرے اس کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔ مگر نہ حرکت کرتا تھا نہ گفتگو۔ آدھ گھنٹہ بعد "یا حق یا مدد" کا کلمہ زبان پر آیا۔ اس کی ماں نے چند ترکی و فارسی شعر پڑھکر درگاہ قاضی الحاجات میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ خدایا! خداوندا!! ؎

تو ہی عاجزوں کا دستگیر ہے۔ اور بندوں کی حاجت پوری کرنیوالا ہے۔
تیری بخشش حادثات کے بھنور میں سرڈوبنے والے کو راہ نجات دکھاتی ہے۔
میں اس اضطراب کے ورطہ میں اسیر ہوں۔ خدایا مجھ کو اس عذاب سے نجات دے۔

جیسا کہ عرب عورتوں کا طریقہ اور رسم ہے۔ کہ ماتم کرتے میں نوحہ اور مرثیہ کے شعر پڑھتی ہیں حاجیہ خانم بھی اسی طرح نوحہ خوانی کر رہی تھی۔ اور ایسی دلسوز باتیں کر رہی تھی۔ کہ پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا۔ اور سنگ خارا بھی پگھل جاتا۔ بکتے بکتے بے حس و حرکت ہو کر گر پڑی۔ ہم نے ہاتھ نہیں لگایا۔ کہ خود ہوش میں آجائے گی۔ اور حالت طبیعی پر لوٹ آئے گی۔ ماں سے زیادہ بیٹے کی مظلومانہ نگاہ جو

واپسی پر اپنی ہیرے والی انگوٹھی خوشخبری کے انعام میں تجھ کو دوں گی۔ اگر آنے میں چند روز کی تاخیر ہو۔ تو ایران میں ضرور اپنے بہت سے فوٹو کھنچواتے ہونگے۔ ایک ضرور ضرور میرے واسطے بھیجدینا اور میرے اس راز کو امانت رکھنا۔ اور فاش نہ کرنا۔ اور مجھ کو معاف کریں کہ اگر میں اپنے اختیار میں ہوتی تو یہ جرأت اور بے ادبی نہ کرتی۔ کیا کروں۔ ع

اگر کوچہ عشق میں جبریل بھی آئیں تو رسوا ہو جائیں۔

اب میں نے تجھ کو خدا کی سپرد کیا۔ فی امان اللہ۔ اس راز کو کسی پر فاش نہ کرنا۔ اور ان باتوں کو پوشیدہ رکھنا۔ یہاں تک کہ خود ابراہیم بیگ پر بھی ظاہر نہ کرنا۔ اگرچہ حاجی مسعود محبوبہ خانم کے عشق کو ابراہیم بیگ کے ساتھ خارجی قرائن اور علم قیافہ سے سمجھ گیا تھا۔ لیکن اب ثبوت کو پہنچکر گمان سے یقین کو پہنچ گیا۔ باوجود اس کے جب تک ابراہیم بیگ زندہ رہا۔ اس راز کو افشا نہ کیا۔ اور کسی سے نہ کہا۔

چودھویں تاریخ کو مبارک گھڑی میں حاجیہ خانم حاجی مسعود کے ساتھ مصر سے روانہ ہوئی۔ دوسرے روز صبح کو اسکندریہ پہنچکر اس مضمون کا تار دیا۔ "اسلامبول۔ یوسف۔ میں روسی جہاز میں آرہی ہوں" تار لے کر میں میزبان کے پاس گیا۔ اور کہا۔ "اگر آپ کی صلاح ہو۔ تو یہ تار ابراہیم بیگ کو دکھا دوں۔ شاید ماں سے ملنے کے شوق میں بولنے لگے" میزبان نے پسند کیا۔ اور کہا "کیا حرج ہے"۔ میں نے ابراہیم بیگ کے پاس جاکر کہا "بیگ۔ قربان ہو جاؤں۔ انعام دلوائے حاجیہ خانم آرہی ہیں۔ حاجی مسعود بھی ہمراہ ہیں"۔ گویا حقیقت امر کو محسوس کر لیا۔ گوشۂ چشم سے دو آنسوؤں کے قطرے جاری ہوئے۔ ایک کلمہ یاحق یا مدد کہا۔ اور خاموش ہو گیا۔ اس اثنا میں صاحب خانہ نے اندر سے مومیائی بھیجی تھی۔ ہم نے ہر چند کوشش کی منہ نہ کھولا۔ بالآخر پانی میں حل کر کے زبردستی اس کے حلق میں ڈال دی۔ عصر کے وقت پہلا طبیب ایک اور نامی طبیب کے ساتھ آیا۔ ایک گھنٹہ تک بڑے غور کے ساتھ اس کے اعضاء کا معائنہ کیا۔ اور کوئی چیز امتحان کرنے سے نہ چھوڑی۔ اس کا قارورہ بھی دیکھا۔ انہوں نے بھی مرض کے بارے میں قطعی فیصلہ نہ کیا۔ چار دن تک روزانہ تھوڑا سا دودھ اور یخنی زبردستی پلاتے رہے۔ بدھ کے روز جس دن اسکندریہ سے جہاز آنیوالا تھا۔ میں نے کشتی لی اور جہاز میں پہنچا۔ لیکن متحیر ہوں۔ اس بدبخت بڑھیا کی نسبت کیا کہوں۔ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر گیا ہوتا۔ الغرض حاجی مسعود مجھکو دور سے دیکھکر دوڑا۔ کمرہ سے حاجیہ خانم کو باہر لایا۔ میں نے دیکھا کہ بلند آواز سے فریاد کر رہی ہے۔ میرزا یوسف۔ میرا بچہ کہاں ہے؟ میرا بیٹا کہاں رہ گیا؟ بتاؤ مر گیا؟ میں نے اٹھکر زور سے کہا۔ بھلا یہ بات نہیں ہے۔ ٹھیرو۔ میں آتا ہوں۔ آخر کار میں جہاز میں پہنچ کر جلد جلد سیڑھی پر چڑھکر اوپر پہنچا۔ حاجیہ خانم کے قدموں میں گر کر بوسہ دیا۔ اور کہا پریشان خاطر نہ ہو۔ اور گریہ وزاری نہ کرو۔ اپنی موت کی قسم اور آپ کے سر مبارک کی قسم کہ آدھ گھنٹہ بعد آپ ابراہیم بیگ

ہاتھوں سے سر پیٹنے لگی۔ اور غش آگیا۔ اس اثنا میں محبوبہ خانم آپہنچی۔ تار کو پڑھ کر روتی ہوئی اپنے کمرہ میں جاکر بے حس وحرکت گر پڑی۔

حاجی مسعود آیا۔ اور ان کی حالت دیکھ کر ہمسایوں کو جمع کیا۔ بہزار مصیبت سے ان دو دلسوختہ عاشقوں کو ہوش میں لاتے تسلی آمیز باتیں کیں۔ کہ تار میں کوئی وحشت آمیز خبر نہیں ہے پھر یہ رونا دھونا کیوں ہے؟ ہوا لگ گئی ہے۔ حکیم نے آنے سے منع کر دیا ہے۔ کسی نہ کسی طرح ان کو خاموش کر دیا۔

تار کا جواب دیا "میں کل آرہی ہوں" حاجی مسعود نے سفر کی ضروریات کو رات میں مہیا کر رکھا۔ کہ صبح کو روانہ ہو جائیں گے۔ ادھر محبوبہ دلسوختہ جو نو مہینے سے اختر شماری کر رہی ہے معشوق کا انتظار ہے۔ جگر خون کا لوتھڑا ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو پہلے تار کے انعام میں بخش چکی ہے۔ محتاجوں کو کس قدر خیرات دے چکی ہے کس مسرت آمیز خیال سے آنکھیں راستہ پر لگی ہوئی ہیں۔ کہ کب یار سفر کردہ واپس آتا ہے۔ دفعتاً یہ تمام خوشی اس غم والم سے مبدل ہو جاتی ہے۔ اس کی حالت ظاہر اور اس کا دل پر خون تھا۔ ؎

عشق وہ ہے جو افلاطون کو بھی مجنون کر دیتا ہے ۔ اور مجنون کے جگر کو بھی آتشکدہ بنا دیتا ہے
اگر لفظ ساغر عشق سے اپنا لب تر کرے ۔ تو جسم پر مضمون کے پیرہن کو پھاڑ ڈالے۔

بیچاری محبوبہ نے آج کے دن تک اپنے راز دل کو کسی سے بیان نہیں کیا تھا۔ اور آتش ہجر میں جلتی اور برداشت کرتی تھی۔ مگر اس وقت اس کی طاقت طاق ہو گئی۔ اور اختیار کی باگ ہاتھ سے جاتی رہی۔ آہستہ سے حاجی مسعود کو اپنے کمرہ میں بلایا۔ چار ناچار حاجی مسعود کے دست سیاہ کو اپنے دست نازک میں لے کر دل سوزاں اور چشم گریاں کے ساتھ اپنے برگ گل سے زیادہ نازک لبوں پر رکھ کر پے در پے بوسے دئے پھر اپنی اشک آلود آنکھوں پر رکھکر نہایت عجز و نیاز سے کہا۔ حاجی مسعود! چودہ برس ہوتے۔ کہ میں اس گھر میں ہوں۔ آجتک میں نے تجھ سے کوئی خواہش نہیں کی۔ اور کوئی تکلیف نہیں دی۔ مگر اب ؎

مجھے ایک بڑا مشکل عقدہ درپیش ہے جو میرا سخت دامنگیر ہو گیا ہے۔ اگر میرے التماس کو مان لو تو یہ مدعا عرض کروں۔

حاجی مسعود۔ اس کے عوض میں کہ میں نے تیرے ہاتھوں کو چوما اول تو جب تو اپنے آقا کے ہاتھ چومے تو دوبارہ مجھ کنیز کی طرف سے چومنا۔ مگر اس زیارت کی نیت کو تم جانو وہ نہ سمجھے کہ میں نے تجھ کو نائب زیارت بنایا ہے۔

دوسرے یہ دو پونڈ لے اور سب سے پوشیدہ مجھے تار دینا۔ اگر تیرا آنا سلامتی کا پہنچیگا۔ تو

طریقہ سے پڑا رہا۔ نہ ایک دانہ کھایا۔ اور نہ ایک قطرہ پیا۔ بے حس و حرکت۔ آنکھیں کھلی ہوئی۔ مگر بے نطق
فہم اس موقع پر مجھے اپنی حالت بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ محترم قارئین میری مصیبت کا خود اندازہ
کر کے سمجھ جائیں گے۔ اس جوان میں بہبودی کی امید بالکل مفقود ہے۔ میں نے صاحب خانہ سے کہا
کہ میں اپنے سر پر کیا خاک ڈالوں اور کیا علاج کروں؟ میرا خیال ہے۔ کہ اس کی ماں کو تار دیدوں ~~اور وہ~~
آجائے۔ تمہاری کیا صلاح ہے؟ جواب دیا۔ کہ تجھے اختیار ہے۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن سمجھ میں نہ آیا
کہ کس عنوان سے لکھوں۔ اگر اس کو سچی خبر دیتا ہوں۔ تو وہ بیچاری اس سے پہلے مرجائیگی۔

الغرض میں نے تار دیا "ابراہیم بیگ کو معمولی علالت کی وجہ سے اطبار کے مشورہ سے چند روز
اسلامبول میں قیام کرنا ہے۔ آپ کے تشریف لانے کی آرزو رکھتا ہے۔ یوسف" یہ تار دے کر میں لوٹ آیا
اور میزبان سے کہا۔ ہم کو اس شہر کے چند حاذق طبیبوں کو جمع کرنا چاہئے۔ تاکہ معلوم کریں۔ کہ اس بخت
برگشتہ جوان پر کیا بلا نازل ہوئی ہے۔ میں نے سنا ہے۔ کہ جرمنی شفا خانہ میں ایک مشہور حکیم ہے۔ اور دو
مشہور طبیبوں کو میزبان نے بتایا۔ بلانے کا خط بھیجا۔ نصف گھنٹہ کے بعد تینوں ڈاکٹر آگئے۔ مریض کا معائنہ
کر کے مشورہ کیا۔ ہر ایک نے کچھ کہا۔ کہ جو دوسرے سے بالکل ربط نہ رکھتا تھا۔ ایک نے کہا۔ کہ بھیتری بخار
ہے۔ دوسرے نے کہا مالیخولیا ہے۔ تیسرے نے کہا۔ کہ دماغ میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ مشکل یہ ہے۔ کہ
تینوں حاذق اور مشہور و معروف طبیب مرض کی تشخیص میں عاجز تھے ہر ایک نے علیحدہ نسخہ لکھا۔ ان کی
فیس دوگنی دی گئی اور وہ چلے گئے۔

میزبان نے کہا۔ میں تو جرأت نہیں کرتا کہ ان دواؤں میں سے کوئی دوا دوں۔ اس لئے۔ کہ
سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چونکہ مرض کو نہیں سمجھ سکے ممکن ہے کہ نقصان پہنچائے۔ جب
تک اس کی ماں نہ آئے صبر کرتے ہیں۔ مگر کوئی تدبیر کرنی چاہئے جس سے کچھ کھا سکے۔ تاکہ بالکل کمزور
نہ ہو جائے۔ چار روز ہو گئے۔ کہ اس جوان کے حلق سے کوئی چیز نیچے نہیں گئی۔ ایسا نہ ہو۔ کہ بھوک
سے مرجائے۔

ہم نے آدمی بھیجکر پہلے طبیب کو بلایا۔ ہر چند کوشش کی۔ اپنے سوال کا جواب سننا ممکن نہ
ہوا۔ بالآخر اک مخصوص آلہ سے مریض کا منہ کھولا۔ اور دو پیالی گائے کا دودھ اس کے حلق میں ڈالا
آدھ گھنٹہ کے بعد ابراہیم بیگ نے حرکت کی اور کہا "یا حق یا مدد" میں خوشی میں رونے لگا۔ صاحب
خانہ مجھ سے زیادہ سر پیٹ کر رو رہا تھا۔ دوسرے آدھ گھنٹہ کے بعد مریض نے اپنے ہاتھ سے اشارہ
کیا۔ یا تو پانی یا دودھ مانگا۔ ایک پیالی چائے دودھ والی ہم نے دی۔ اس نے پکڑنا چاہا ہاتھ لرز
گیا۔ نہ لے سکا۔ میں نے پلایا۔ پی گیا۔ میرے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ طبیب چلا گیا۔ کہا سوائے ترکاری
اور اچار کے جو چاہے کھلاؤ۔ میں نے جو تار اس کی ماں کو دیا تھا پہنچا۔ مضمون سے اطلاع پا کر دونو

اس کے محلہ میں بجھانیوالوں کا ایک دستہ اہل محلہ کا بھی رہتا ہے۔ جن کو فائر بریگیڈ کہتے ہیں۔ وہ اپنے آلہ اٹھا کر برہنہ پا دوڑے چلے جاتے ہیں۔ اور جو شخص پہلے پہنچتا ہے اس کو پانچ پونڈ دوسرے کو تین پونڈ انعام ملتا ہے۔ باقی کو کچھ نہیں ملتا۔

علاوہ ان کوچوں کے اسباب کے دنیا کی ہر مملکت اور ہر ولایت میں فوجی سامان بھی رہتا ہے، سوائے بدبخت ملک ایران کے۔ اگرچہ یورپ کی نسبت سے یہاں آگ لگنے کے واقعات کمتر پیش آتے ہیں۔ لیکن اگر ایک بار واقعہ ہو جاتا ہے۔ تمام شہر اور بازار جل جاتا ہے۔ اگر آگ بجھانے والی کوئی جماعت ہے۔ تو وہ عورتیں اور بچے ہیں کہ جو پیالے اور بادیئے ہوئے باہر سے پانی لا لا کر چھڑکتے ہیں۔ یہ وجہ ہے۔ کہ چند مرتبہ رشت کا بازار سرتاپا جل گیا۔ مراغہ اور اردبیل کے آگ لگنے میں ایک گھنٹہ میں ڈیڑھ سو دکانیں آتش خانما نسوز کے شرارہ کا لقمہ ہو گئیں۔

حکام ایران مطلق اس قسم کی خانہ برانداز بلاؤں اور آگوں کے بجھانے کی فکر نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا خیال ہمیشہ ملک کو برباد کرنے اور رعیت کا مال لوٹنے میں عمل کرتا رہتا ہے۔ بلکہ اگر آگ لگنے کا واقعہ پیش آتا ہے۔ تو حکام داروغہ و فراش و فراشباشی کی آسنی کا اچھا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کو پکڑو۔ اس کو باندھو کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ جو لوگ جلنے کی تکلیف سے بچ جاتے ہیں۔ وہ اس تہمت میں کہ فلاں چیز تو لے گیا اور فلاں صندوق تو نے کھولا۔ ان کا جان و مال ان بے انصافوں کی شرارت کی چنگاری سے ان تہمتوں کی آگ میں نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ بات سے بات نکل آتی ہے۔ کلام کا سلسلہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب پھر مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس کے بعد جبکہ پولیس وغیرہ جمع ہو گئی۔ آگ کو بجھا دیا گیا۔ حالانکہ ان کی امداد کی ضرورت نہ رہی تھی۔ مگر ملا مکان کے صحن میں عجیب ہیئت سے لیٹا ہوا تھا۔ اور ابراہیم کو بھی دوسرے کمرہ میں لٹا دیا تھا۔ مگر ملا کی بائیں جانب سرتاپا جل گئی تھی۔ گویا قصداً اس کی بائیں جانب کو بغیر کمی و زیادتی کے جلا دیا تھا۔ مگر دائیں جانب کے نصف حصہ کو کوئی صدمہ نہ پہنچا تھا۔ بائیں جانب سر اور صورت۔ داڑھی اور مونچھ۔ سینہ اور ہاتھ پاؤں ایسے ہو گئے تھے۔ کہ اگر مرنے کا خوف دور بھی کر دیا جائے۔ مگر بال تو ہرگز نہ اگیں گے۔ (داڑھی کا نہ ہونا واقعی ملا کے لئے بڑے نقصان کا باعث ہے)

بہرحال پولیس ملا کو شفاخانہ لے گئی۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ ہم لوگ رہ گئے۔ ابراہیم بیگ کے بستر کے گرد جمع ہوئے۔ ہر چند اس کے منہ پر پانی چھڑکا ہاتھ پاؤں سونتے آنکھیں نہ کھولیں۔ اس کا منہ قفل کی طرح ایسا بند ہو گیا تھا کہ کسی صورت کھلنا ممکن نہ تھا۔ اس درمیان میں آنکھیں کھولیں مگر بولنے کی طاقت نہ تھی کہ منہ کھول سکے۔ حکیم صبح تک رہا۔ گھڑی بھر دن چڑھا تھا۔ کہ ہم نے آدمی بھیجکر دوسرا ڈاکٹر بلایا۔ پھر ہر چند معائنہ کیا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی اور دوا نہ دی۔ تین رات اور دن ابراہیم بیگ اسی

اور اس کی خواہر نکیہ سکینہ خانم - حاجی مسعود - محبوبہ خانم اور میں تھا - باقی نوکروں - عورت اور مرد میں سے چند شخص تنخواہ دار تھے - کہ بعض کبھی تبدیل ہو جاتے اور بعض دائمی تھے - ہر شخص اپنی پاک فطرتی کے موافق جزا پاتا تھا - اس قدر ان کے خاندان کا حال اور بیان کافی اور مناسب ہے - اب اصل مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے -

سرانجام کار ابراہیم بیگ و نتیجہ تعصب او

جیسا کہ سیاحت نامہ میں لکھا جا چکا ہے رات کو ۹ بجے ہمارے محترم میزبان کے گھر میں ابراہیم بیگ اور ایک ملا کے درمیان مباحثہ اور مجادلہ واقع ہوا - اور ابراہیم کی ٹوپی لمپ سے ٹکرائی - لمپ ٹوٹ گیا - اور گھر میں آگ لگ گئی - بڑی کوشش سے اس خانمانسوز آگ کو بجھایا - ملا نیم سوختہ باہر کو بھاگا - مگر ابراہیم بیگ کو آگ سے کچھ نقصان نہ پہنچا - چند آدمیوں کے ساتھ مل کر ہم نے اس کو باہر گھسیٹا ہمسایوں میں شور مچ گیا - تمام خلقت اور پولیس جمع ہو گئی - گھنٹہ بھر بعد دو دستہ فائر بریگیڈ کے پہنچ گئے - مگر آگ لگنے یا جل جانے کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا -

آگ لگنے کا واقعہ اسلامبول میں بڑی اہمیت رکھتا ہے - اگر کسی محلہ میں آتش خانمانسوز واقع ہوتی ہے - تو آدھ گھنٹہ میں تمام اسلامبول والوں کو خبر ہو جاتی ہے - کہ کس جگہ آگ لگی ہے - جس شخص کے اس محلہ میں دوست آشنا یا عزیز ہوتے ہیں - سوار یا پیادہ اس طرف دوڑ سے چلے جاتے ہیں - اور آگ بجھانے کا یہی طریقہ ہے -

اسلامبول میں چند جگہ بلند مینار بنائے گئے ہیں جن کو آگ کا مینار کہتے ہیں - رات دن متعین کئے ہوئے دیدہ بان ہر طرف دیکھتے رہتے ہیں - پہرہ دار دیکھتے ہی آگ لگنے کی نشانی جو ہر محلہ اور سرزمین کے لئے مخصوص ہے بلند کر دیتا ہے - فوراً توپ کے سات فائر کئے جاتے ہیں - مینار کے قریب کا پہرہ دار شور مچا دیتا ہے "آگ لگی ہے" اس کی آواز جمعدار اور دوسرے کوچہ کا پہرہ دار سنتا ہے وہ بھی بدستور تمام محلہ میں شور مچاتا ہے - کہ فلاں جگہ فلاں محلہ میں آگ لگی ہے - فوراً آواز سے آواز مل کر تمام اسلامبول کے رہنے والوں کو جو بحر سیاہ کے دہانہ سے جزیرہ زیتون آطہ تک اور تقریباً پانچ چھ فرسخ ہے - آدھ گھنٹہ میں خبر ہو جاتی ہے - کہ کہاں اور کس جگہ آگ لگی ہے - چھ جگہ بجھانے کا سامان رہتا ہے - جو سلطنت کی جانب سے مخصوص مشق اور علم کے ساتھ تربیت یافتہ ہوتے ہیں تمام بجھانے کے اوزار اور سامان موجود رہتا ہے - اور ہمہ وقت بگل کے منتظر رہتے ہیں - فوراً گھوڑوں کو جو تکر بگل سنتے ہی گاڑیوں کو روانہ کر دیتے ہیں - مخصوص نظام کے ساتھ جلدی آگ لگنے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں - اول گھر کے چند دروازہ آگ کی اطراف میں گرا دیتے ہیں - اور پھر پانی چھڑکتے ہیں - علاوہ

عرب اور ترکی میں اس قسم کی کنیزیں رکھنے کا دستور ہے۔ کہ بچپن میں خرید کر تربیت کر لیتے ہیں۔ اور پھر مثل اولاد کے ان کی شادی کر دیتے ہیں۔ بعض خود اور بعض اپنے بیٹے سے نکاح کر دیتے ہیں۔ اس لڑکی کا اصلی نام معلوم نہیں۔ مگر بڑی بیگم نے اس لڑکی کا محبوبہ نام رکھا تھا۔ یہ محبوبہ بہت ہی دانا اور عقلمند و فہیم تھی۔ تھوڑی سی مدت میں بہت سا کمال حاصل کر لیا تھا۔ پڑھنے کے بعد اس کو دوسری مکتب میں بٹھا دیا۔ یعنی کھانا پکانا اور خانہ داری سیکھی۔ اس مکتب سے بھی آراستہ و پیراستہ ہو کر نکلی۔ پھر بیگم نے اک معلمہ گھر میں رکھکر اس کو علم موسیقی سکھایا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں دستور ہے۔ کہ یہ فن تربیت یافتہ خواتین کے لئے بدرجہ لازم و ملزوم واقع ہوا ہے۔ چودہ سال کی عمر میں بیگم نے محبوبہ کو آزاد کر دیا۔ اور خانم لقب دیا۔ اور تمام اہل خانہ اولاد اور خدام کو تاکید کر دی۔ کہ کوئی شخص محبوبہ کو بغیر خانم کے نہ پکارے یا چھوٹی خانم کہے۔ ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کی پیش بندیوں سے خانم کا خیال تھا۔ کہ اس کی شادی ابراہیم بیگ سے کریں گی۔ اس وجہ سے کہ مصر میں ایسی خوبصورت عورت کم پائی جاتی تھی۔ بلکہ بے مثل تھی۔ اور اگر محبوبہ خانم کو کسی اور کی زوجیت میں دیتے تو بڑے بڑے شہزادوں کی ہمسری کے لائق تھی۔

ظاہر ہے۔ کہ مصر اور اسلامبول میں اکثر شہزادوں کا جوڑا چرکسی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جو تعلیم و تربیت پائے ہوئے ہوتی ہیں۔ محبوبہ خانم علاوہ خوبصورتی اور تعلیم کے ایک خاص کمال عورتوں کے طبقہ میں ایرانیوں کی محبت اور طرفداری کا رکھتی تھی۔ گویا ابراہیم بیگ کی عصبیت اس کے قلب میں سرایت کر گئی تھی۔ تمام اہل ایران پر مہربان تھی۔ چنانچہ بچپن میں جب کوئی گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا تھا۔ وہ دروازہ کے پیچھے کھڑی ہو جاتی اور دروازہ کھولتی۔ اگر عجمی ہوتا۔ تو اس کے لباس اور گفتگو سے معلوم کر لیتی اور کہتی بسم اللہ۔ تشریف لائیے۔ اس کو لا کر مردانہ کمرہ میں بٹھاتی اور اندر خبر لاتی۔ اگر عرب اور ترک ہوتا۔ تو دروازہ بند کر دیتی اور پوچھتی۔ کون ہے؟ کیا کام ہے؟ جب مطلب معلوم کر لیتی تو اندر خبر کرتی۔ اور چاہے پاشائے عرب ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس کے ساتھ بھی اس طرح پیش آتی۔ سب اس لڑکی کی حالت پر ہنستے تھے۔ ایران خواہی میں مشہور ہو گئی تھی۔ الغرض لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی تھی۔ کہ محبوبہ ابراہیم بیگ کی محبوبہ ہو گی۔ لہذا کسی اور جگہ سے منگنی کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اور خود محبوبہ اس بات کو سمجھ گئی تھی۔ بلکہ عشق کرتی تھی۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ کہ محبوبہ اپنے محبوب کو دیکھے اور اس کے رخسار کا رنگ سرخ پھول کی مانند نہ کھل جائے۔ مگر ابراہیم بیگ ان کیفیتوں سے دور تھا۔ اس کو ان مقدمات کی مطلق خبر نہ تھی۔ یہ محبوبہ اٹھارہ برس کی تھی۔ جب ہم نے ایران کا سفر کیا۔ اور مسعود حبشی غلام کو دس برس کی عمر میں حاجی مرحوم نے خریدا تھا۔ اور مکہ مکرمہ کو جاتے وقت آزاد کر دیا۔ اور اپنے ساتھ مکہ کو لے گئے۔ حاجی مسعود ہو گیا۔ بڑا سچا اور تجربہ کار نوکر تھا۔ گویا افراد خانہ سے مراد ابراہیم بیگ اور اس کی والدہ معظمہ حاجیہ خانم

میں تفلیس کو لے گئے۔ ایک سال وہاں قیام کرنے کے بعد میں نے والد مرحوم سے استنبول جانے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے مجھ کو اجازت دے دی۔ میں استنبول چلا گیا۔ وہاں ایک ہموطن سے اتفاقاً ملاقات ہوئی۔ حالات پوچھنے کے بعد اس نے کہا کہ اسلامبول مفلس آدمی کے رہنے کی جگہ نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ ہم مصر چلیں۔ میں نے اس کے خیال پر عمل کیا اور مصر چلا آیا۔ تین مہینے تک حتی المقدور تحصیل زرق میں کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے سنا کہ حاجی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی ابراہیم بیگ کے باپ کو ایک کلرک کی ضرورت ہے۔ میں ان کے پاس گیا۔ انہوں نے امتحان لینے کے بعد مجھ کو منظور کر لیا۔ اور میں ان کی کلرکی کرتا رہا۔ ابھی ابراہیم بیگ پیدا نہیں ہوا تھا۔ چند ماہ کے بعد خلاق عالم نے حاجی مرحوم کو ابراہیم بیگ عطا فرمایا۔ اور حاجی صاحب مجھ سے اس قدر محبت کرنے لگے۔ کہ بھائی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ابراہیم بیگ آٹھ برس کا ہو گیا۔ مکتب میں بٹھا کر عربی۔ فرانسیسی اور انگریزی پڑھائی مگر فارسی کی تعلیم اور نستعلیق لکھنے کو میں نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ نوبت بانیجا رسید کہ مجھے سوائے ابراہیم بیگ کی تعلیم و تربیت کے کوئی دوسرا شغل نہ رہا۔ اور حاجی مرحوم نے ایک خاص نوکر میری خدمت کے لئے مقرر کر دیا۔ اور ہر طرح سے میری راحت و آرام کا سامان مہیا ہو گیا۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ میں شادی کر لوں۔ مگر میں نے انکار کیا۔ لیکن تمام گھر کا میں مختار کل تھا۔ کوئی شخص مجھ سے سروکار نہ رکھتا تھا۔ میرا عشق اور محبت اس جوان کی تربیت پر منحصر تھی۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے ابراہیم بیگ کی تربیت کی ہے۔ بلکہ وہ جوان فطرتاً قابل اور لائق تھا۔ خلاق عالم نے اس کو اپنی قدرت کاملہ سے قابل و کامل اور باتربیت پیدا کیا تھا۔ چنانچہ حسن اخلاق اور آداب گفتگو و مکالمہ شرم وحیا۔ تواضع و فروتنی میں بے نظیر تھا حسن و جمال۔ قدوقامت۔ چشم و ابرو۔ خط و خال۔ رفتار و گفتار ملاحت و صباحت میں یوسف زماں تھا۔ ے

اس کا قد سرو تھا۔ اور رخسار ماہ تھے۔ اور فہم و فراست میں بڑی قدرت رکھتا تھا۔ اصل و شرافت میں بے نظیر تھا۔ اور اس کے صفات نہایت عمدہ اور پاکیزہ تھے۔

ہزاروں مصری عورتیں اور لڑکیاں زلیخا کی طرح اس عزیز مصر پر فریفتہ تھیں اور گھات میں بیٹھی رہتی تھیں۔ کہ اگر موقع ملے۔ تو اس کے پیراہن عصمت کو چاک کر دیں۔ حالانکہ اس نیک نفس جوان کو ان حالات کا مطلق پتہ نہ تھا۔

ذکر حالات ابراہیم بیگ

اہل خانہ مراد ہے ابراہیم بیگ اور اس کی والدہ مکرمہ اور اس کی چھوٹی بہن جس کی عمر بارہ سال کی تھی۔ اور سکینہ خانم نام تھا۔ اور ایک لڑکی جس کو چھ سال کی عمر میں بطور کسی کنیز خریدا تھا۔

انصاف کرو اگر کوئی شخص تمہارے سامنے جاپان کے وزیر جنگ اور کوریا دچین کے وزیر جنگ کو پیش کرے کہ تم کس کو ترجیح دیتے ہو؟ حالانکہ تیس سال پہلے سب ایک لڑی اور ایک روش میں تھے اب ایک تو علم کی برکت سے مدارج اعلیٰ پر اور دوسرا جہالت کی نحوست سے مدارک سفلی میں پہنچ گیا۔ ایک محکوم دوسرا حاکم ہوگیا۔

تم نے پیرس میں بلوار پارک میں نمبر ۲۶ کو ایک فرانک دے کر ضرور دیکھا ہوگا۔ اور فرانسیسیوں کی قدیم حالت کو دیکھا ہوگا۔ کہ کس طرح انسان کو مار ڈالتے تھے۔ اور کس طرح جرمانہ کرتے تھے۔ سب کے مجسمے رکھے ہیں۔ اور سب کا حال مشرح لکھا ہے۔ کہ کیسے انسان پہلے دیو سیرت تھے۔ اسلامبول میں تم ضرور میدان سلطان احمد میں ینگچریوں کے سیر و تماشے کو گئے ہو نگے۔ کہ کیسی عجیب و غریب شکلوں کے ساتھ مقدمات فیصل کرتے تھے اور کیسا مخلوق خدا پر زور و جفا کرتے تھے۔

اسپین میں ضرور تمہاری نظر سے گذرا ہوگا۔ کہ اس قوم کی اصل کیا تھی۔ اور انہوں نے کیا کیا ہے' اب بڑے فخر کے ساتھ بیگانوں کو دکھاتے ہیں۔ کہ ہم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے ہیں۔ ان کو تہذیب کے اس دائرہ محمود میں نہیں بلایا۔ مگر آزادی خیالات و حریت افکار و قلم اور خیر خواہوں کی عیب جوئی نے۔ تمہارے بہت سے معائب آشکار اور اظہر من الشمس ہیں۔ کہ سوائے اپنے تمام دنیا نقطہ بنقطہ جانتی ہے۔ پھر بھی تم چاہتے ہو۔ کہ اپنے کاموں پر پردہ ڈالو۔ بارے مقدمہ طول پکڑ گیا۔ اب مطلب پر آتے ہیں۔ امیدوار ہیں۔ کہ اس بادشاہ مہربان۔ ترقی خواہ۔ معارف پرور۔ عدالت گستر کے عہد میں تھوڑے ہی زمانہ میں جیسا کہ انہوں نے کوشش کے ساتھ اقدام فرمایا ہے۔ معائب کا نام و نشان باقی نہ رہیگا۔ اساس دین و دولت کے مخربوں کے وجود کو درمیان سے ناپید کر دینگے۔

اسکے بعد جو کچھ لکھا جائیگا۔ تمام یوسف عمو کی تحریروں میں سے ہے۔ جو ابراہیم بیگ کے کام کا سرانجام اور اس کے تعصب کا نتیجہ ہے۔ یوسف عمو ابتدا میں اپنے حال کی شرح لکھتا ہے۔

شرح حال یوسف عمو

یہ خاکسار یوسف ابن عبداللہ اپنے مختصر حالات ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ میری پیدائش کی جگہ وہ خارقان ہے جو تبریز کے محال سے ہے۔ چونکہ میرے چچا کی تبریز میں سکونت تھی میرے والد مجھ کو نو برس کی عمر میں وہاں لے گئے اور چچا کی سپرد کیا۔ کہ مجھ کو مکتب میں بٹھا دیں۔ اور میں ان کے سایہ میں علوم دینیہ حاصل کروں۔ آٹھ سال تک میں نے محلہ کی مکتب میں پڑھا۔ اور چار سال مدرسہ میں طلبہ کے زمرہ میں شامل رہ کر صرف و نحو کی تکمیل کی۔ خط نستعلیق خوب لکھتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں والد مرحوم کو میری تعلیم کے مصارف کی استطاعت نہ رہی۔ اور وہ مجھ کو مدرسہ سے اٹھا کر اپنی خدمت

خدائے لایزال کی قسم اور نعمت پادشاہ کی سوگند کہ تمہاری غفلت و خودستائی سلطنت ایران کو منہدم کر دیگی۔ سلطنت کے چار طرف کے خطروں کو ملاحظہ کرو۔ اپنے اوپر اور ڈیڑھ کروڑ ایرانی قوم پر رحم کرو۔ تمہارے سامنے بڑا مشکل کام ہے۔ اس ساٹھ سال میں سلطنت کی عمر کو کیسے پست کھیلوں میں تم نے تمام کیا ہے۔ اور کر رہے ہو۔ اگر تم میں ذرا بھی علم مملکت داری اور رعیت پروری ہوتا تو اس وقت جاپان کی جگہ کل ممالک ایشیا کا شہنشاہ ایران ہوتا۔ اس بے معنی و بے روح خودستائی سے جس کا تم نے آبائی شان و شرافت و نجابت نام رکھ چھوڑا ہے اپنے آپکو فریب دیتے ہو۔ یہ تمہارے پوچ دعوے اور یہ خیالات کج و معوج ہیں۔ اور مذموم و منفور۔ اپنے آپکو آمدنی کی آلائش سے پاک کرو۔ اور اپنا نام رشوت خواروں کے صفحہ سے دھو دو۔ تاکہ تمہاری ثروت و مکنت کی آمدنی اس وقت سے زیادہ ہو۔ کثیف و پلید آمدنی نہیں بلکہ حلال باعزت و جلال و تجربہ۔ وزرائے فرنگستان کو ملاحظہ کرو۔ کہ ہر ایک لاکھوں کا دعوے کرتے ہیں۔ یہ بربریت اور بے قانونی اور بے نظمی ہمارے اور تمہارے لئے عیب نہیں ہے۔ عیب یہ ہے کہ تم کبھی اس کی اصلاح کی فکر میں نہیں ہو۔ عیب یہ ہے کہ جو شخص معائب بیان کرتا ہے تم اس کی زبان کاٹ لیتے ہو۔ اور جو شخص عاملوں کی برائی لکھتا ہے تم اس کے ہاتھ قطع کر دیتے ہو۔ عیب یہ ہے کہ تم نے آزادی علوم کو حرام کر دیا ہے۔ یہ عیوب ہر جگہ اور ہر قوم میں ایران اور امرائے ایران سے زیادہ ہوئے ہیں۔ لیکن آزادی نے سب کی اصلاح کر دی ہے۔ پودشکن روسی و ولٹر فرانسوی اور جان اسٹورٹ انگلیسی حریت کے منافع سمجھانے کے لئے اپنی کتاب میں جو تصنیف کی ہے لکھتا ہے۔
"انسان عالم حیوان میں اک نوع ہے۔ جس کو چاہئیے کہ متصل طالب ترقی رہے۔ اور ترقی بغیر آزادی افکار و خیالات عالیہ کے امکان پذیر نہیں۔ انسان کو چاہئیے۔ کہ اپنے خیالات میں مقید نہ رہے۔ جو کچھ انسان کا جی چاہے کہنے دو۔ اگر اس کا کلام اہل بصیرت کے نزدیک مقبول ہو گیا۔ تو تمام قوم اور جماعت کو فائدہ بخشیگا۔ ورنہ اس کو کالعدم سمجھ کر اس سے منہ پھیر لو۔ اگر تم نے گمان کیا ہے کہ تمام وحشی اور بربری تھے جو اپنے معائب کے ذکر سے دریغ نہیں کرتے تھے اور اپنے نواقص کے انتشار سے مطلق منفعل نہیں ہوتے تھے تو یہ خیال غلط ہے۔ اگر تم اہالی جاپان کی وحشی گری اور بربریت اب سے تیس سال پہلے دیکھتے اور موجودہ عزت و شوکت و ثروت و جلال بھی دیکھتے جو انہوں نے عیب جوئی کی مدد سے حاصل کیا ہے۔ تو ضرور کوشش کرتے۔ کہ سب سے پہلے اس وضع بے نظامی اور اس رفتار بے قانونی کو بڑی فرحت و سرور کے ساتھ قانون مساوات سے مبدل کر دیتے اور تکبر اور بے معنی دعوے اور پچاس اردلیوں کے آگے آگے چلنے اور اس قدر گھوڑوں کے کوتل چلنے سے صرف نظر کرتے اپنے مدارس اور ہائی سکولوں اور علوم پر فخر کرتے۔ قوم کو اس کے حقوق سے جو تمہارے ذمہ فرض ہیں محروم نہ کرتے۔

حل وعقد کے منظور نظر ہو کر ان زحمات کے عوض میں منصفان باغیرت مجھ کو دعائے خیر سے یاد فرمادیں افسوس۔ ع ہم جو سمجھتے تھے خود غلط تھا۔ خود غرضان بے انصاف نے اس خدمت کو اپنے نزدیک آسائش ملک وملت کے منافی سمجھ کر سخت تاکید کر دی۔ کہ جس شخص کے ہاتھ میں پایا جائے قید اور جرمانہ کیا جائے۔ باوجود اس کے سوائے چند اشخاص کے تمام قوم نے سیاحت نامہ کے مضامین کو نظر انصاف سے قبول اور تصدیق کیا۔ اور کسی شخص نے سوائے اس کے اعتراض نہ کیا کہ کم لکھا ہے۔ اس لئے کہ ابراہیم بیگ نے فلاں شہر کو نہیں دیکھا تھا۔ اور فلاں بات سے بے خبر تھا۔ اور معلوم نہ تھی۔ مگر ہماری اصلی غرض یہ تھی۔ کہ کارکن اور ذخیل لوگ پڑھیں اور جان لیں کہ جو کچھ لکھا گیا ہے۔ حرف بحرف تمام برائیاں اور قبائح افعال ان کے وجود میں موجود ہیں۔ منافع عمومی کو اپنے ذاتی فائدہ کے خلاف سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ موسوم عزت واحترام کے لئے شاید مستقبل میں سلطنت کی وزارت وامارت پہ پہنچ سکیں بے حاصل کوشش کی ہے۔ کیونکہ کبھی نیک نامی وعزت نفس، وتزکیہ اخلاق کی فکر میں نہیں رہے۔ اور شرافت کا معنی کو نہیں سمجھے۔ ابن الوقتی کو نقطۂ نظر بنا کر احترام وعزت ابدی کی لذت سے غافل رہے ہیں کہ نام نیک ہے۔ اور ان کا نام تاریخ مقدس ملی میں یادگار رہ جائیگا۔ ؎ قارون ہلاک ہو گیا جس کے چالیس خزانے تھے۔ نوشیرواں نہیں مرا جو نیک نام چھوڑ گیا۔

میں پھر عرض کرتا ہوں۔ اے ارباب حل وعقد! اے مقربان درگاہ شہنشاہی اور اے روسائے قوم وملت! اپنے نفس پر رحم کرو۔ ان مضامین سے متوحش نہو۔ اس کام سے بچو۔ جس میں تمہاری بہتری نہو۔ اس بات کو مسلم جان لو۔ کہ ان مقامات پر تمہاری بقاء، ان مناصب پر تمہارا اصول عملی ممکن نہ ہوگا۔ چاہے تم کتنا ہی، اس روش سے اپنے علو مدارج کی بقا کے لئے کوشش کرو۔ بلکہ اور زیادہ ہر قسم کے افتخار کے زوال کو اپنے لئے دعوت دوگے۔ حالانکہ جو اقتدار تم رکھتے ہو اس سے اپنے آپ کو بلند مراتب پر پہنچا سکتے ہو اور اپنی عزت وبزرگواری کے پایہ کو ایسا مضبوط کر سکتے ہو۔ کہ معزولیت کے وقت تمہاری آسائش وافتخار آج کی عزت وحرمت سے سو درجہ زیادہ ہو۔ یہ روش جو تم نے اختیار کر رکھی ہے۔ تم سے اگلوں نے بھی کیا ایران اور کیا تمام ممالک میں اختیار کی تھی۔ اچھی طرح سوچو کہ ان کا نتیجہ کیا ہوا؟ بری طرح معزول کئے گئے اور غضب میں گرفتار ہو کر سر ہار بیٹھے۔ سابق ترکی وزراء جو تمہاری مثل تھے کیسی ذلتوں اور خواریوں میں گرفتار ہوئے۔ ان لوگوں نے جب اندازہ درستی وراستی کو اپنا پیشہ بنایا تو ماموریت ومعزولیت میں کیسے محترم ومفتخر ہیں سلطنت اور قوم کی طرف سے اپنے آپکو کس قدر احترامات کا مستحق بنایا ہے۔ کہ ہر حال میں مقررہ تنخواہ لے کر سلطان کی حشمت وعزت کے بقاء ودوام کے لئے دعاگو رہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ دنائت طبع سے کس قدر برے رذائل کو عزت مداہی پر تم نے ترجیح دیا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے۔ جس شئے کو دوام نہیں وہ دلبستگی کے لائق نہیں۔

مرحوم کی بیوی مجھ پر بہت عنایت کرتی تھیں۔ راتوں کو نوکر اک پرانی پھٹی ہوئی کتاب پڑھا کرتے تھے
میں بھی سنا کرتا تھا۔ چونکہ وہ باتیں کان میں نہ پڑی تھیں اور عجیب و غریب تھیں راتوں کو پڑھنے اور سننے
میں مشغول رہتا۔ اور اندر نہ جاتا۔ ایک دن خانم نے پوچھا۔ کہ فلاں شخص کئی راتیں ہوتیں تو اندر کیوں
نہیں آتا ہے؟ عرض کیا حقیقت میں حاجی ۔۔۔۔۔۔ ایک کتاب لا کر پڑھتے ہیں۔ اس کے سننے سے
سر سے ہوش اڑ گئے اور خواب و خور حرام ہو گئے۔ رات کو آدمی بھیجا۔ کہ حاجی ۔۔۔۔ کتاب لے آئیں
اور اندر پڑھیں۔ ہم کتاب لے گئے۔ حاجی ۔۔۔۔۔ نے شروع سے پڑھو۔ موصی الیہ نے ابتدا سے
پڑھنی شروع کی۔ چند شب پڑھی۔ خاتون محترمہ کبھی تو بے اختیار ہنستیں اور کبھی رومال سے آنسو
پونچھتیں۔ اس کتاب کے سننے کی ایسی دلدادہ ہوتیں۔ کہ بعض اوقات رات کے کھانے میں دس
گیارہ بجے تک تاخیر کر دیتیں۔ لوٹتے وقت مجھ کو سخت تاکید کی۔ کہ اس کتاب کی ایک جلد ان کے لئے بھیجا دو
اور فرمایا کہ میں چاہتی ہوں اپنے بیٹے ۔۔۔۔۔ خان کے لئے جو آٹھ برس کا ہے اور مکتب کو جاتا ہے
لائبریری میں رکھ دوں گی۔ تاکہ سن رشد و تمیز کو پہنچنے کے بعد پڑھے کہ ایران میں کیا ہنگامہ تھا۔ اور ایسے
غیرتمند بھی ہوئے ہیں جنہوں نے ایسی باتیں لکھیں اور امرائے ایران کو تزکیہ اخلاق اور اصلاح معائب
امور و مہمات کی طرف مانند حکمائے یورپ کے دعوت دی ہے۔

یہ مسلم ہے۔ کہ اگر امور سلطنت جیسا کہ اس وقت منظور نظر اقدس شہنشاہی ہیں جو شب و روز
درست عقیدہ اور خالص نیت کے ساتھ آسائش رعیت اور رونق مملکت اور حفظ نوامیس کی فکر میں
رہنے میں ہوتے رہیں گے۔ اور وزرائے دیندار اور امرائے تقویٰ شعار بھی اعلیحضرت پادشاہ کے
نیات پاک اور افکار تابناک کی پیروی کرتے رہیں گے۔ تو تھوڑی سی مدت میں ایران کے کام اصلاح
پا جائیں گے۔ اور خائنین بھی اپنی بدرفتاری اور بدکاری سے منفعل اور شرمندہ ہو جائیں گے۔

حقیقت میں اس مخدرہ محترمہ کی باتیں سن کر میں حیران رہ گیا۔ سجدات شکر بجا لا کر کہا۔ خدا کا
ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ جب ہماری مملکت کی عورتیں ایسی حمیت اور خیالات والی ہیں۔ تو ان کے مرد کیسے
ہوں گے؟ اور واقع میں سیاحت نامہ کے لکھنے سے غرض یہی تھی۔ کہ خیالات میں بیداری پیدا ہو جائے
اس بانوی محترمہ اور خاتون معظمہ کا یہ حس غیورانہ محبان وطن کے نزدیک ہزاروں درہم و دینار سے زیادہ
قیمت رکھتا ہے۔ اس خبر کے سننے سے باوجودیکہ اس مذکورہ بالا مرد غیور کے ہزار تومان کے لینے سے
میں انکار کر چکا تھا۔ اس خاتون معظمہ محترمہ کے بیانات اور افکار سے خودداری کو دشوار دیکھ کر دامن ہمت
کمر پر باندھ متوکلاً علی اللہ اس کے طبع و اشاعت میں جلدی کی۔

اگرچہ سیاحت نامہ کی طبع و اشاعت سے شروع میں غرض یہ تھی۔ کہ شاید یہ اقلیم راست
بغیر مبالغہ و اغراق کے وطن مقدس کے ہزاروں معائب میں سے ایک لکھے اور ممکن ہے کہ ارباب

وطن میں یعنی اس جوان غیور کے حالات شائع کرنے میں فدا کرے +

خدا کا شکر اور احسان ہے۔کہ ابنائے وطن بھی جیسا کہ ان کے بارے میں تصور کیا جاتا کہ حمیت و غیرت ملت ایرانیہ سے سلب ہو گئی ہے۔ ایسے نہیں ہو۔ اہل ایران کے مادہ میں بے غیرتی کا اندیشہ نکر باطل اور افترائے محض ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اس پیرمرد وطن پرست کی قوت و ثروت کو جانتے تو ضرور حیرت و تعجب کا سبب ہوتا۔کہ باوجود اس ثروت قلیل کے کس طرح ہزار تومان اپنے وطن اور مملکت کی ترقی کے لئے فدا کرتا ہے۔حالانکہ نہ اس کو نام کی خواہش ہے اور نہ شہرت کی فکر میں ہے۔ اپنے روپیہ کو صرف کرتا اور بڑی بے پرواہی سے ایسے خطرناک کام میں ہاتھ ڈالتا ہے۔کہ اگر شائع ہو جائے تو وہ نہیں ہے۔کہ ارباب غرض کے غصہ کا مستوجب ہوگا۔

بحمد اللہ کہ اعلیحضرت۔ ہمایوں قدر۔ معارف پرور۔ عدالت گستر (تمام عالم کی روحیں ان پر فدا ہوں) کے عہد میں رعیت کے تمام طبقے بہ امن و امان میں سو رہے ہیں۔ اور علوم کی رونق کے لئے تمام زیر دستوں کے قلم و افکار کو آزادی مرحمت فرمائی ہے۔ اعلیحضرت اقدس سے امید ہے۔کہ انشاء اللہ الرحمٰن اس سے زیادہ آزادی قلم کو منظور نظر کیمیا اثر ہمایونی فرمائیں گے تاکہ ایسے باحمیت اشخاص اپنے نام کو برملا لکھکر تاریخ روزگار کے صفحہ پر اپنا نام یادگار چھوڑ سکیں +

خلاصہ یہ کہ چھ ماہ کے بعد اس باحمیت شخص کو دو سو تومان لوٹا دیئے گئے اور کتاب کے طبع کرنے سے معذرت چاہی گئی لیکن واقعہ یہ ہے۔کہ ان کے احسان کی رقم اس کتاب میں خرچ ہو گئی۔ ایسے اشخاص صادق القول والفعل کی حمیت و غیرت پر فدا ہوں۔ ؏ میں اس پہ فدا ہوں جس کا دل اور زبان ایک ہے +

الغرض جو نسخہ کہ یوسف عمو اسلامبول سے مصر تک اور مصر سے اس جوانمرگ کے انجام تک تحریر میں لائے تھے۔ احباب نے اس کے طبع کرنے کے لئے اصرار اور تاکید کی۔ اور میں اکثر انکار اور منع کرتا تھا۔ یہانتک کہ ایک بات ایسی سننے میں آئی جو حمیت و غیرت کی تحریک کا سبب ہوئی اور مجھ کو ابھارا کہ اس جوان غیور کے کارنامہ کو طبع کر کے سیاحت نامہ کی جلد اول کا ضمیمہ بنا دوں۔ بہتر ہے۔کہ اس مقام پر کتاب کے طبع کرنے کا سبب بھی قارئین کرام سے بیان کروں +

میرے دوستوں میں سے ایک دوست سالانہ دو بار مصر اور اسلامبول سے طہران جاتا اور وہاں سے اسلامبول اور مصر کو لوٹ آیا کرتا تھا۔ ان دنوں جب طہران سے لوٹا۔ تو مجھ سے پوچھا۔کہ تمہیں سیاحت نامہ ابراہیم بیگ کا کچھ پتہ ہے؟ مجھے پتہ دو تو خرید لوں۔ میں نے پوچھا کس لئے خریدتے ہو۔ جواب دیا کہ طہران میں میری سکونت . . . . کے گھر میں جو وزیروں میں سے ہے تھی۔ اس

انتساب

این ہدیۂ مختصر را باکمال احترام درخدمتِ دوستِ مہربانِ خودم یعنی جناب آقاے سید اعجاز احمد رضوی الامروہوی (حال پرشین پروفیسر ڈیرہ دون) کہ تاقریب پانزدہ سال از ذخیرۂ معلوماتِ ادبی وسیاسی شان بندہ را بہرہ ور ساختہ اند ونیز بوسیلۂ تحریر و تقریر از کیفیاتِ پلیٹیکی ممالکِ اسلامیہ دہم از بحث و از نقار ادبیاتِ جدید ایران بدرجہ اتم مسبوق گردانیدہ اند تقدیم می نمایم۔

بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم
کہ من گمشدہ این رہ نہ بخود می پویم

عبدالباقی عباسی

اردو ترجمہ

سیاحت نامہ ابراہیم بیگ حصہ دوم

مع فرہنگ

از پروفیسر عبدالباقی عباسی امروہی

سابق پروفیسر جسونت کالج جودھپور و ممبر آف دی بورڈ آف
سٹیڈیز ان اربیک اینڈ پرشین آف دی آگرہ یونیورسٹی

مترجم ۔ آلبرت داہی ۔ خدعہ و عشق ۔ شب عروسی ۔ عینک طلائی ۔ لندن پروفیسر
الماس خونین ۔ شرلوک ہمس ۔ گلزار عروض ۔ خستہ فرعون وغیرہ وغیرہ

جسکو

شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب علوم مشرقی

کشمیری بازار لاہور

نے فروری ۱۹۳۵ء میں

مطبع ہندوستان پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام لالہ دولت رام پرنٹر پبلشر چھپوایا

Revised Price
Rs. .... Forty only